



حیرت کدہ

اشفاق احمد



سین ۱

ان ڈور

دن

یہ ایک دیہاتی ترکھان کا کمرہ ہے، آرائش کا سامان کم ہے صرف ایک دیوار پر چہرہ دیکھنے کے لئے ایک آئینہ ٹانگ رکھا ہے۔ ایک دروازہ اس کمرے میں باہر کی طرف کھلے جو ایک بار کھلتا ہے تو دیر تک جھومتا رہتا ہے۔ کمرے کے وسط میں ترکھان کی میز ہے، جس پر اس کے رندے، آریاں، تیشے وغیرہ پڑے ہیں۔ اس میز کے اوپر چھت کے ساتھ (گو چھت نہیں دکھائی جائے گی) لیکن یہ تاثر دیا جائے گا کہ چھت کے ساتھ ایک ڈنڈا لٹکا ہے جس پر نواب کے کپڑے لٹک رہے ہیں۔ جب وہ شہر جانے کا قصد کرتا ہے تو ان ہی کپڑوں کو کھینچ کھینچ کر اتارتا ہے اور اپنی ٹین کی رُنگی میں بند کرتا ہے۔

جس وقت کیمرو کھلتا ہے نواب کے ہاتھ لکڑی پر رندہ پھیر رہے ہیں۔ پھر دو نسوانی ہاتھ اس کے ہاتھوں پر آجاتے ہیں اور نواب کا کام رک جاتا ہے۔ کیمرو پیچھے ہٹتا ہے دیکھتے ہیں کہ نواب ترکھان چار خانے والی تھم اور بازوؤں والی بنیان پننے گلے میں تعویذ لٹکائے کام کر رہا ہے۔ اور صوبوں پاس کھڑی ہے۔

یہ باتیں دل لگی کے تحت ہیں ان سے محبت کی خوشبو آنی چاہئے کچھ نواب پر برتری کا چارج نہیں لگنا چاہئے۔

نواب: آگنی کام کی بیری، ہاتھ اٹھا ابھی دھوئے تھے میں نے۔

صوبوں: گندے ہو گئے ہاتھ تیرے میرے چھونے سے؟

نواب: (ہاتھ تھم سے پونچھتے ہوئے) گندے تو نہیں ہوئے۔ کھردری چیز لگے میرے

ہاتھوں کو تو تکلیف ہوتی ہے۔

صوبوں: ہائے۔۔۔۔۔ بڑے ریشم کے بنے ہوئے ہاتھ ہیں تیرے۔

نواب: صرف ہاتھ نہیں بھلی لوک۔۔۔ میں تو سارا ہی بوسکی کا تھان ہوں۔

صوبوں: لڑکیاں اپنی تقریضیں کیا کرتی ہیں اس طرح، کسی مرد کے منہ سے ایسی باتیں

اچھی نہیں لگتیں۔

لے چوم اپنے آپ کو۔ لے لگا لے اپنے تن کو اپنے ساتھ۔ چوم اپنے کو سورج
کھیا جلاتا کے مارے گا صوباں کو۔
چھوڑ چاچی کیا کڑک رہی ہے تو۔

جی چاہتا ہے ایسا گلا دباؤں تیرا۔۔۔ ایسا دباؤں کہ یہ تیرے چمکتے دیدے اہل
پڑیں باہر۔ کچھ نظر نہ آئے ایسی آنکھوں کا فائدہ۔
چاچی کالی ملی الاٹک کر آئی ہے آج؟

تیرے جیسا بھورا بلا ایک ہمارے زمانے میں بھی ہوا کرتا تھا گاؤں میں۔ کنک
کے سٹے ایسے تو بابل تھے اس کے اور کچھے جیسی رنگ بدلتی آنکھیں تھیں کبھی
ہری کبھی نیلی۔ پھر اس کو بد دعا لگ گئی کسی کی۔

کس کی چاچی؟
کسی کی تو کیوں پوچھتا ہے؟
تو ہی کل جیسی ہے اس گاؤں کی۔ تیری ہی بد دعا لگی ہو گی تھری ناٹ تھری کی
طرح۔

(نہس کر) لگ گئی چل کسی کی بد دعا۔ اپنے پر عاشق ہو گیا دیوانہ۔
اپنے پر عاشق؟

رو رو کر اپنے ہی ہاتھ پاؤں چومتا پر کوئی اپنے سے محبت کئے پر ٹھنڈ تھوڑی
پڑتی ہے۔ (دل پر ہاتھ رکھ کر) پاگل ہو کر مرا بے چارہ گھوڑے پر سے گر کر۔
گھوڑے پر سے گر کر؟

جب لوگ لاش لائے تو منہ پر کپڑا ڈال کر تھوکتے آئے بساندہ ایسی آتی تھی
اس سے۔ تیرا بھی ویسی حال ہو گا ویسا ہی دیکھنا تو۔۔۔۔۔ لے چوم اپنا چہرہ۔۔۔۔۔ رکا
کیوں۔۔۔۔۔ لے لے۔

کمال ہے جتنا میں نہی میں بات ٹالتا ہوں تو سر چڑھتی جاتی ہے۔
اوسر فضل دین نے دہلیز توڑ دی ہے صوباں کے گھر کی۔ پھیرے ڈال ڈال کر۔
کیسا بھی کوئی قلعہ ہو فتح ہو جاتا ہے جو محاصرہ کئے رہو تو۔

فضل دین؟ اس کا میرا کیا مقابلہ ماسی۔ اسکے چہرے پر تو ماتا کے داغ ہیں۔
بس تو دیکھتا جا ان ہی داغوں کی شو بھا کیا کرے گی صوباں سارے گاؤں میں۔
ایک ہزار دینا کیا ہے فضل دین نے صوباں کی ماں کو۔

نواب:

بڑھیا:

نواب:

بڑھیا:

نواب:

بڑھیا:

نواب:

بڑھیا:

نواب:

بڑھیا:

نواب:

بڑھیا:

نواب:

بڑھیا:

نواب:

بڑھیا:

(رازداری کے ساتھ) جو مرد اپنی کنگھی پٹی میں لگا رہے نا اس کے پیچھے چل کر
عورت خوار ہوتی ہے جو اپنی حجامت بنا کر آئینہ دیکھے نیا کپڑا پہن کر لڑکیوں
والی گلی سے گزرے کلائی کی گھڑی بار بار دیکھے جوتے سے مٹی جھاڑے، رومال
سے منہ پونچھے، حقہ کھینچے تو منہ داب داب کر دھواں چھوڑے ری ایسے مرد کو
کمی رہی ہے کبھی عورتوں کی؟ کیوں حرام موت مرنے لگی ہے۔ جا گھر اور
آرام سے بات مان لے اپنی ماں کی۔ فضل دین جیسا مرد نہیں ملے گا تجھ کو
ساری عمر۔

اوسر فضل دین بجاوے بین۔

(غم سے) بجاوے بین، بین بھی ٹاویں سے بچتی ہے صوباں بچکیں گھماؤں کا

اکیلا مالک۔ نہ ساس نہ منہ نہ سرہ مٹی پلید کرنے والا۔ بال بڑھی چھوڑ ماں
کی بات مان۔ ماں کے پیروں تلے جنت ہوتی ہے۔

چاچی دعا کر ہمارے پیروں تلے بھی جنت ہو۔ (نہس کر) جلدی سے۔

ہو گی ہو گی، پر اگر تو ماں کا کتنا مانے گی۔ جا بھی اب۔

جاری ہوں ماسی۔

(صوباں چلی جاتی ہے، ماسی اڑے سے میز پر سے پیار کے
ساتھ اپنے پلے سے بورا جھاڑتی ہے اوسر سے نواب آتا ہے اور
سیدھا آئینہ کی طرف بڑھتا ہے اور اس میں چہرہ دیکھتا ہے اب
بڑھیا کو بہت غصہ چڑھ جاتا ہے۔ وہ پیچھے سے آکر زور زور سے
نواب کی پیٹھ پر دھمو کے مارتی ہے۔)

کیا ہے رے نواب؟

وہ راستے میں مجھے جمیل مل گیا چاچی کہنے لگا یار تمہارے بائیں گل پر تل نکل
آیا ہے اس کا کچھ علاج کرو۔

دیکھ آئینہ کسی من چلی رائی کی طرح۔ مرے جا اپنا عکس دیکھ دیکھ کر۔ کوئی
تالاب کا کنول بن گیا۔ تو دو کوڑی کا ترکھان کہ ہر گھڑی منہ دیکھے بن تجھے چین
نہیں۔

ہیں ہیں چاچی مارنے کیوں لگی مجھے۔ بات کیا ہے۔

تجھ کو اپنے چہرے کی اتنی فکر ہے تجھے کسی کی کیا پروا؟

نواب: ایک ہزار

بڑھیا: میں نے سمجھایا صوبوں کی ماں کو۔۔۔۔۔ وہ تو پکڑنے لگی تھی پیسے۔

نواب: میں پانچ ہزار دوں گا دس ہزار دوں گا۔۔۔ اپنی جان دوں گا۔

بڑھیا: پانچ ہزار دے گا تو؟ دس ہزار دے گا۔۔۔۔۔ تو آہا جان دے گا؟ چل جا رہے ہو

تو تو پانچ پیسے اس کے سر سے وار کر نہیں دے سکتا۔ تجھے کیا وہ مرے جیسے

کنوئیں میں چھلانگ لگائے کہ پھندا لگا کر مر جائے۔ قل دیکھ اپنے چہرے

کے۔۔۔۔۔ بیٹھا رہ آئینے کے آگے۔

(یہ جیلے بولتی بڑھیا چلی جاتی ہے۔ نواب گم سم ہو کر اپنے

کپڑے کھینچنے لگتا ہے پھر باقی وقت وہ اپنا سلمان بند کرنے میں

مشغول رہتا ہے۔ صوبوں آتی ہے۔)

صوبوں: ایک بوری بورے کی اور لے جاؤں نواب؟

صوبوں: سب لکڑی وکڑی لے جاؤ اور اسب۔

صوبوں: ماں تو آنے ہی نہیں دیتی تھی۔ فضل دین آیا بیٹھا تھا۔ کالی عینک لگا کر بیٹھا ہوا

ہے۔ چارپائی پر۔

نواب: (پاس آکر) وہ لچا جو تیری ماں کو ہزار روپے کا لالچ دے رہا ہے تو کہیں اس کے

دام میں نہ آجائے۔ منہ پر چپک کے داغ ہیں اس کے۔ بولتا ہے تو منہ سے

چھینٹے اڑتے ہیں۔

صوبوں: تجھے کیا وہم پڑ گیا ہے چاچی کی طرح۔

نواب: میں شہر جا رہا ہوں وہاں میرا فرنیچر یوں کبے گا یوں (چنگی بجا کر) دنوں میں اکٹھا ہو

گا ایک ہزار صوبوں دنوں میں۔

صوبوں: شہر؟۔۔۔۔۔ یہاں روپیہ اکٹھا نہیں ہو سکتا کسی طرح؟

نواب: یہاں کون فرنیچر خریدے؟ پیاز کے ساتھ تو روٹی کھاتے پھرتے ہیں سب بول

میری راہ دیکھے گی کہ نہیں۔

صوبوں: دیکھوں گی۔۔۔۔۔ (وقفہ) لیکن کتنے برس۔

نواب: دنوں میں روپیہ اکٹھا ہو گا۔ میں تو تجھے چھوڑ کر نہیں جا سکا۔ ورنہ اس فضل دین

کو کبھی جرات ہی نہ ہوتی۔

صوبوں: کتنے برس نواب؟ کچھ تو بتا جا۔

نواب: (پیار سے) جب تیرے بالوں میں پہلا چاندی کا بال آجائے ناں تو پھر سمجھ لینا میرا

وعدہ ٹوٹ گیا۔ پھر میری راہ نہ دیکھنا۔

صوبوں: اور جو۔۔۔۔۔ جو۔۔۔۔۔ سفید بال جلدی آگیا نواب تو؟

نواب: مجھ سے پہلے نہیں آسکے گا سفید بال صوبوں۔۔۔۔۔ میری محبت کمزور ہی سہی پر

بڑھاپے جتنی کمزور بھی نہیں ہے۔

(کٹ)

سین 2

ان دور

گہری شام

یہ مائی بلوری کا تکیہ ہے سیٹ کے وسط میں ایک ایسا مزار ہے جس کا منہ غار کی طرح کھلا ہوا ہے اور اس میں مائی بلوری کے بیٹھے کی جگہ موجود ہے۔ اس مزار کے علاوہ ایک چبوترہ اور مائی کی جھگی کا بیشتر حصہ نظر آتا ہے چبوترے کے پاس ایک درخت نیم کا لگا ہے قریب فرش پر پانی کا مٹکا پڑا ہے۔

منظر کے کھلتے ہی ہم دکھاتے ہیں کہ مائی بلوری جو نوجوان خاتون ہے قبر نما مزار کے اندر بیٹھی ہے اور فارسی کا نعتیہ کلام گا رہی ہے۔ لائٹ شاٹ میں اسے گاتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ یہ گانا پہلے سے ریکارڈ کرنا چاہئے۔ بہتر ہو کہ یہ نعت یا تو فریدہ خانم یا طاہرہ سید کی آواز میں ریکارڈ کر لی جائے۔ کیمرہ مزار سے (Pan) کرتا ہوا اب سارے سیٹ کا جغرافیہ دکھاتا ہے۔ نواب داخل ہوتا ہے اس وقت وہ پھٹے حالوں ہے کندھے پر چھوٹی صندوقچی ہے۔ مارے پیاس کے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہے اس کی آتے ہی تیز ہوا چلنے لگتی ہے۔

جس وقت نواب یہاں داخل ہوتا ہے تو مائی بلوری قبر کے اندر موجود ہے لیکن نواب کو نظر نہیں آتی نواب جھگی کے اندر داخل ہوتا ہے۔ جھگی کے اندر مغلیہ ٹھاٹھ کا کمرہ ہے شیشیں محرائیں دیواریں فانوس کی روشنی میں جگمگا رہی ہیں یہ گویا بہشت کا نمونہ ہے مائی بلوری ایک تخت پر بیٹھی ہے دو مور چھل اسے چکھا چھل رہے ہیں۔ لیکن خادم نظر نہیں آتے جس کی وجہ سے یہ احساس ہو کہ مور چھل دست غیب سے حرکت میں ہیں۔

نواب: کوئی ہے؟ ---- کوئی اللہ کا بندہ ---- کوئی خدا کا پیارا ---- یا میرے مولیٰ ----

بیہوشی کے سے عالم میں بیٹھتا ہے مائی بلوری آتی ہے اس کے آتے ہی آندھی چلنا بند ہو جاتی ہے۔ وہ آکر صراحی سے پانی نکال کر نواب کی طرف بڑھتی ہے۔

بلوری: لو پانی پیو۔

(نواب پانی لے کر غٹاٹ پیتا ہے، اس وقت تک ہلکی

موسیقی جو پہلے گانے کا حصہ تھی جاری رہتی ہے۔)

(پانی پینے کے بعد) ابھی تو آندھی چل رہی تھی۔

بلوری: پانی پیو اور نندنا پور کا راستہ لو۔ ----

نواب: میں ---- آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں نندنا پور جانا چاہتا ہوں دراصل ---- میرا راستہ کھو گیا تھا۔ ---- میں دو دن سے مارا مارا پھر رہا ہوں۔ اس جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا۔

بلوری: اب راستہ مل جائے گا جاؤ۔

نواب: آپ کو ---- کیسے معلوم ہوا کہ میں نندنا پور کا قصد رکھتا ہوں۔

بلوری: ہر آدمی کا قصد اس کی آنکھوں میں لکھا ہوتا ہے۔ صرف دیکھنے والی آنکھ چاہئے۔

نواب: ابھی جو آندھی چل رہی تھی وہ ----

بلوری: آندھی جو آندھی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بڑی لہر چھوٹی لہر کو کھا جاتی ہے۔ سمندر کے آگے دریا بے معنی ہیں۔ جاؤ۔

نواب: میں بہت تھک گیا ہوں۔

بلوری: پھر بھی جاؤ۔

اگر آپ اجازت دیں بہن جی تو میں گھڑی دو گھڑی کمر سیدھی کر لوں۔
خبردار جو ہم کو کسی دنیاوی رشتے سے پکارا ہم سب بندھن سب زنجیریں توڑ چکے ہیں۔ مائی بلوری کسی کی ماں، کسی کی بہن، کسی کی بیوی نہیں بس ایک رشتہ بانی ہے۔

وہ کون سا رشتہ ہے جی؟

یہ ہم نہیں بتا سکتے۔ ہمیں حکم نہیں ہے۔ یہ سامنے ہماری قبر ہے، اسے جنت نے تعمیر کیا ہے وقت آنے پر ہم خود اس میں داخل ہو جائیں اور وہی اس قبر کو اڑالے جائیں گے۔ پھر یہاں ہمارا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔

آپ اس جگہ میں کب سے ہیں؟

تم ہم سے یہ سب پوچھ کر کیا کرو گے؟ جاؤ نندنا پور جاؤ۔

کس طرح جاؤں کیسے جاؤں کس آس پر جاؤں۔

جس آس پر گاؤں سے چلے تھے۔

ابھی نندنا پور دور ہے۔ راستے سے میں ٹواؤں ہوں۔ بالغرض میں ایک اجنبی جگہ میں پہنچ بھی جاؤں تو کیا کھاؤں کھ کیا پہنوں کھ کمانے جو گا ہونے تک میرا کیا بنے گا؟

(ہنس کر) بس ابھی سے ہمارا من گئے بودے آدمی۔ قول ہارنا سہل ہے، نبھانا مشکل ہے۔ محبت لگانا آسان ہے نبھانا مشکل ہے۔ ---- سارا دینا آسان ہے لیکن ہمیشہ کی لالچی بننا بہت مشکل ہے۔

میں قول کا سچا ہوں مائی بلوری جی۔

کتنے سچے ---- ہر ڈالی ایک خاص حد تک بوجھ برداشت کرتی ہے۔

میں قول کے بوجھ تلے ٹوٹ جاتا ہوں مڑتا نہیں۔

آزائش شرط ہے۔

آزائش ہے۔

(اپنے پلے سے پچاس روپے کھولتے ہوئے) لے! یہ پچاس روپے ان سے اپنا

کام چلاتا۔ ---- اور جب تیرے پاس سو روپیہ ہو جائے اسی روز ہمیں یہ پچاس

روپے واپس کر دینا۔ یاد رہے گا تجھے ----؟

رہے گا مائی بلوری جی۔

نواب

مائی:

نواب

مانی:

نواب

مائی :

نواب

مائی :

سین 3

ان ڈور

دن چڑھے

مندناپور میں نواب کے گھر کا آنگن۔ ایک اہم جگہ پر سنگھار میز پڑی ہے اس کے دراز میں نواب روپے پیسے رکھتا ہے درمیان میں نواب کا اڈا ہے جس پر وہ رندہ وغیرہ پھیرتا ہے ایک جانب نیا فرنچیز دھرا ہے۔

نواب سنگھار میز کے سامنے کھڑا میز کو سپرٹ پالش کر رہا

ہے۔ پھر وہ رک کر اپنی قمیض کی جیب سے ایک تھیلی سی نکالتا ہے

اور روپے گنتا ہے۔ پھر مسکراتا ہے اور تھیلی جیب میں ڈالتا ہے اور

آئینے میں اپنی شکل دیکھتا ہے۔ اور بال درست کرتا ہے اپنے حسن کو خود ہی نظروں نظروں میں سراتا ہے دریں اثنا بڑی خوبصورت موسیقی جاری رہتی ہے۔ اب ایک خاتون داخل ہوتی ہے۔ اس نے سر کی چادر کو اس طرح بکھل بنا رکھا ہے کہ صرف آنکھیں نظر آتی ہیں۔ فیض کے بازو بھی اتنے لمبے ہیں کہ ہاتھ آستینوں کے اندر آئے ہوئے ہیں۔

میں آ جاؤں۔

خاتون :

آئے آئے۔

تواب :

(شرماری کے ساتھ) آپ بھی کہیں گے کہ یہ ہر بار اپنا خط پڑھوانے آ جاتی ہے، پر کیا کروں جی۔ ماں باپ نے لاڈ پیار ہی کیا پڑھانے لکھانے کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔

عورت :

کوئی بات نہیں جی آپ تو تکلف کرتی ہیں۔

زواب:

میری ماں کہا کرتی تھی۔ یہ تو ہیروں سے کھیلے گی اسے حرفوں کی شناخت کرانے سے کیا فائدہ؟

مکورت :

نقطہ، کے۔

وہاں:

خط پکڑاتے ہوئے) یہ ---- ان مردوں کو پردیس کی ہوا رس کیوں آجاتی ہے۔ گھر پر اللہ کا دیا سب کچھ تھا پر یہ کراچی چلے گئے۔ گھڑی کا وعدہ کر کے گئے تھے۔ اور برس لگا دیئے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

مذکورہ:

دور سے کچھ وعدے بڑے آسان سے نظر آتے ہیں۔ لیکن جب پورے کرنے لگو تو پیاز بن جاتے ہیں۔ کبھی آپ نے وادی میں کھڑے ہو کر کسی پہاڑ کو دیکھا ہے۔

اب :

ہاں قریباً سبھی نے دیکھا ہوگا۔

دورت :

ماڑ کی طرف چلے لگو تو لگتا ہے کہ یہ پاس ہی تو ہے۔ ابھی اس کی چوٹی تک پہنچ
اؤں گا لیکن جوں جوں آدمی پہاڑ کی طرف بڑھتا ہے پہاڑ جیسے کھسکتا جاتا ہے۔
بچے کی طرف کبھی یہ تجربہ ہوا ہے آپ کو۔

اب :

س تو کبھی ----

بورت :

پ کے خاوند آپ کو بڑی پابندی سے خط لکھتے ہیں یہ بڑی بات ہے (بلیک سی

اب :

آہ بھرتا ہے)

آپ کو کوئی یاد آتا رہتا ہے۔۔۔۔ میں نے اندازہ لگایا ہے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ میں اسے خط نہیں لکھ سکتا۔

کیوں؟

کیونکہ وہ بھی آپ کی طرح پڑھنا نہیں جانتی۔ (خط پڑھتے ہوئے)

عزیزہ

مٹھ صاحب نے پھر مجھے چھٹی نہیں دی اس فیکٹری میں اگر چھٹی کے بغیر نکلا تو فیکٹری کا کام رک جائے گا۔ صاحب کو بیروت سے آنے دو میں ضرور چند دن کے لئے گھر آؤں گا۔ ہمیشہ تمہارا۔

بد الزماں مٹھ

(نظریں جھکا کر) تمہارا کیا خیال ہے یادوں میں اتنی جان ہوتی ہے کہ انسان برس ہا برس ان کے سارے بسر کر لے۔

(دور دیکھتے ہوئے) کئی یادیں بڑی جاندار ہوتی ہیں۔

(یکدم عام سانس بٹا کر) یہ ڈرینگ ٹیبل نہیں بکا پھر؟

جو آدمی بیگانہ دے گیا تھا وہ لینے ہی نہیں آیا پھر۔

(پاس آکر کندھے پر ہاتھ رکھ کر) دل میلانہ کرو ہمارا کام چل جائے گا کچھ دنوں میں۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ سنگھار میز مجھے بھجوا دینا کتنی قیمت بتائی تھی اس کی۔

ساڑھے تین سو۔۔۔۔۔

نہیں جی آپ پہلے ہی اس جیسی ایک ڈرینگ ٹیبل لے چکی ہیں۔

میرے گھر میں ابھی تین اور ایسے میز کھپ سکتے ہیں۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں بھجوں گی اپنے بھائی کو۔۔۔۔۔ اچھا خدا حافظ۔

(کیمروہ ان دونوں کو چھوڑ کر پھر سنگھار میز پر جاتا ہے۔ سنگھار میز کی دروازہ کھلی ہے۔ اس میں نوٹ اور نقدی پڑی ہے۔ کچھ اور نوٹ اوپر سے گرائے جاتے ہیں۔ منظر ڈالو ہوتا ہے۔ پھر کیمروہ پیچھے ہٹتا ہے اب نواب آئینے کی طرف پشت کئے اور ہاتھ میں ایک چھوٹا آئینہ لئے اپنی کمر کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس کا لباس پہلے سے ذرا زیادہ بہتر ہو چکا ہے۔ کیمروہ اور آگے بڑھتا ہے۔ خاتون دروازہ کھول کر داخل ہوتی ہے۔ ملیشیا کا شلوار قمیض پہنا ہے اوپر کھلی چادر ہے۔)

آپ کہیں گے کہ یہ عورت اچھی ہے، ہر روز چلی آتی ہے۔

آئیے آئیے۔ آپ ہی کی ساری برکت ہے۔

(خس کر) آج میں خط پڑھوانے نہیں آئی۔ آپ سے ایک شکایت کرنے آئی ہوں۔

فرمائیے۔۔۔۔۔؟

آپ کی بھائی ہوئی الماری کھلتی ہے تو چرک چوں کی آواز نکلتی ہے۔ اس میں سے۔

میں ٹھیک کر دوں گا جی۔

(کھلے دروازہ کو اور کھول کر) یہ سارے پیسے کھلے چھوڑ رکھے ہیں۔ آپ نے۔

تیرہ سو روپیہ ہوا ہے۔

آپ انیس بینک میں جمع کروائیے۔ کل میں ساتھ لے چلوں گی آپ کو۔ اکاؤنٹ کھولیں اپنا فوراً۔

مہربانی ہے جی آپ کی۔

لیکن۔۔۔۔۔ اگر آپ کے واپس لوٹنے تک صوباں کی شادی کر دی گئی تو۔۔۔۔۔

صوباں ایسی لڑکی نہیں ہے جس کی شادی زبردستی کی جاسکے۔

کبھی۔۔۔۔۔ تمہیں بہت یاد آتی ہے صوباں۔

کبھی کبھی بہت یاد آتی ہے، پھر کبھی بری طرح بھول جاتی ہے اس کا چہرہ یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کی باتیں ذہن میں دہرانے کے کئی بہن کرتا ہوں۔ پر گاؤں کی زندگی ایک خواب سا لگتی ہے۔ گرمیوں کی دوپہر کا کھلی آنکھوں دیکھا ہوا خواب۔

کبھی تمہارے دل میں میرا چہرہ دیکھنے کی آرزو پیدا نہیں ہوتی؟

ہوئی تھی جی شروع شروع میں۔ پھر میں آپ کی عزت ہی اتنی کرنے لگا کہ۔۔۔۔۔ واصل۔۔۔۔۔ ایسی خواہشیں صوباں کے ساتھ غداری ہے جی۔

(غصے سے) افسوس تم بھی ہر خوبصورت انسان کی طرح تھوڑے تھوڑے بیوقوف بھی ہو میں سمجھتی تھی کہ۔۔۔۔۔ تم خود ہی سمجھ لو گے۔ تم سمجھتے ہو میں۔۔۔۔۔ تم سے خط پڑھوانے آتی تھی یہاں۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ صرف خوبصورت ہو اور بس۔

نواب: اگر آپ کا شوہر واپس آگیا کراچی سے یعنی اگر بھٹ صاحب آگئے تو؟
عورت: کونسا شوہر؟ کون سے بھٹ صاحب۔۔۔۔ خط کا پڑھنا پڑھوانا تو۔ صرف ایک طرح کی تقریب ملاقات تھی۔ ورنہ میرا تو کوئی شوہر نہیں ہے۔ میں اکیلی ہوں اور بہت امیر ہوں۔

نواب: جی۔۔۔۔ پتہ نہیں اب آپ کو سچا سمجھوں کہ جھوٹا؟
عورت: جو تمہارا جی چاہے، مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ میں اس جہاں میں بالکل اکیلی ہوں میرے متعلق اس شہر میں اتنی کہانیاں مشہور ہیں اتنے نقشے گھوم پھر رہے ہیں۔ میرے بارے میں کہ کبھی کبھی مجھے خود شبہ ہوتا ہے کہ کیا سچ ہے کیا جھوٹ۔ کسی نے آج تک میرا چہرہ نہیں دیکھا۔ میرے حسن کی صرف باتیں سنی ہیں۔ لیکن آج میں یہ چہرہ خود بے نقاب کروں گی۔۔۔۔

(عورت چہرے سے نقاب اتارتی ہے کمرہ عورت کا چہرہ دکھانے کے بجائے نواب کی حیرت اس کی محویت اس کی مکمل وارفتگی کا عالم دکھاتا ہے۔ آواز O.Lap ہوتی ہے۔)

میرے ساتھ چلو نواب۔ اس کا خیال چھوڑ دو جو تم سے ایک ہزار روپیہ مانگتی ہے میرے ساتھ چلو کئی ہزار تمہارے قدموں پر بٹھاد رکھے جائیں گے۔ آؤ چلو۔۔۔۔ باہر چلو میری سیاہ کار کھڑی ہے جس کے شیشوں کے آگے بھی سیاہ پردے پڑے ہیں۔ میں سیاہ رات کی طرح سب کچھ چھپالینے والی عورت ہوں میرے ساتھ آؤ۔۔۔۔ آؤ۔۔۔۔ ہر طرح کی نیکی ہر قسم کی بدی میری آغوش میں میٹھی نیند سو جاتی ہے۔ آؤ۔۔۔۔

(یہاں سے نواب دروازے کی طرف چلنے لگتا ہے۔ اب عورت کی بیک کمرے کی طرف ہے وہ دروازے کی طرف بڑھتی ہے، پیچھے نواب چلتا ہے۔ یہ منظر فیڈ آؤٹ ہو جاتا ہے۔ ٹائم لپس کے طور پر سنگھار میز پر آتا ہے دروازہ خالی ہے، اس میں ایک چیک بک پڑی ہے پھر نواب کے ہاتھ اس چیک بک کو نکالتے ہیں۔ وہ ساڑھے چار ہزار کا چیک (Self) کے نام لکھتا ہے۔ کمرہ پیچھے ہٹا ہے وہ یہ چیک جیب میں ڈالتا ہے اب وہ آئینے کے سامنے کھڑا غور سے اپنا چہرہ دیکھتا ہے ایک سفید بال اسے اپنے سر میں نظر آتا ہے وہ اس بال کو سر سے اکھاڑتا ہے۔ غور سے دیکھتا ہے۔ اس کی اپنی

آواز اس وقت اور لیپ کرتی ہے۔ اب نواب جلدی سے اپنا سامان پیک کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس کی اپنی آواز اور لیپ کرتی ہے۔ اس وقت وہی خاتون آتی ہے اس کے چہرے پر حسب معمول اسی طرح نقاب ہے۔)

آواز: جب تیرے بالوں میں پہلا چاندی کا بال آجائے ناں تو پھر سمجھ لینا۔ میرا وعدہ ٹوٹ گیا۔ پھر میری راہ نہ دیکھنا صوبان۔

نواب: مجھے سے پہلے نہیں آسکے گا سفید بال صوبان۔۔۔۔ میری محبت کمزور سی۔ پر بڑھاپے جتنی کمزور بھی نہیں ہے۔

خاتون: میں صبح سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں تم وعدہ کر کے نہیں آئے۔ کیوں؟

نواب: آج کے بعد میرا انتظار کرنا چھوڑ دو میں واپس جا رہا ہوں۔

خاتون: کہاں؟

نواب: واپس گاؤں۔

خاتون: لیکن تم تو کہتے تھے کہ کبھی ساری عمر منڈنا پور چھوڑ کر کیس نہیں جاؤ گے۔

نواب: میں اور بھی بہت کچھ کہا کرتا تھا۔ لیکن سمجھتا نہیں تھا کہ میری زبان سے کیا نکل رہا ہے۔

خاتون: تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔

نواب: کیوں؟

خاتون: اس لئے کہ۔۔۔۔ کہ تمہارے پاس واپس لے جانے کو ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔

نواب: میں اس قدر بھی بیوقوف نہیں جتنا تم سمجھتی ہو۔ میں نے اپنا بیک اکاؤنٹ ہمیشہ

تم سے چھپا رکھا اس وقت میری جیب میں پورے ساڑھے چار ہزار روپے کا ایسا چیک موجود ہے جو صرف میں ہی بھنوا سکتا ہوں۔

خاتون: تم۔۔۔۔ تم تو کہا کرتے تھے۔

نواب: میں تو اور بھی بہت کچھ کہا کرتا تھا۔ (کندھے پر ہاتھ رکھ کر) اس شہر میں اور بھی

خوبصورت مرد موجود ہیں۔ صوبان کی طرح اندھا بننے کی کوشش مت

کرو۔۔۔۔ ساری بستی آباد ہے کسی بند دروازے پر دستک دو۔۔۔۔ تمہارے لئے۔۔۔۔ دروازہ کھل جائے گا۔

خاتون: جاؤ چلے جاؤ۔۔۔۔۔ ضرور جاؤ۔ لیکن یاد رکھنا اگر دعا میں اثر ہے تو بددعا کا وار بھی کبھی خالی نہیں جاتا۔ :

(خاتون غصے میں دروازے کی جانب جاتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 4

ان ڈور

دن

(دیکھتے پر مائی بلوری چبوترے پر قریب المرگ ہے ماتھے پر پٹی بندھی ہے اور وہ ایک طرف کو دیکھے جا رہی ہے۔ یکدم آندھی چلنے لگتی ہے۔ پھر مائی بلوری ہاتھ اٹھاتی ہے، آندھی رک جاتی ہے۔ نواب آتا ہے۔

نواب: کوئی ہے؟ کوئی اللہ کا بندہ؟ کوئی خدا کا پیارا۔۔۔۔۔ یا میرے مولیٰ۔

بلوری: تم آگے بالا۔۔۔۔۔ یہاں سے پانی پی لو۔۔۔۔۔

نواب: منگے میں سے پانی نکال کر پینے لگتا ہے۔

نواب: ابھی تو آندھی چل رہی تھی۔

بلوری: ہمارے بچے کی طرف کوئی آتا ہے، تو آندھی چلنے لگتی ہے لیکن آندھی آندھی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

نواب: ایسے لگتا ہے۔۔۔۔۔ جیسے کسی گرمیوں کی دہریں میں۔۔۔۔۔ ادھ کھلی آنکھوں سے میں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔

بلوری: یاد کرو۔۔۔۔۔ ذہن پر بوجھ دو۔

نواب: یہ جگہ۔۔۔۔۔ یہ قبر۔۔۔۔۔ یہ چبوترہ۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ حتیٰ کہ آپ کا چہرہ بھی ہلکی سی یاد بن کر ذہن میں ابھرتا ہے۔

بلوری: تمہیں۔۔۔۔۔ اور کچھ یاد نہیں رہا۔

نواب: اور کچھ؟

بلوری: کوئی وعدہ؟ کوئی قول؟

نواب: بڑی بھول ہو گئی تھی مجھ سے۔

بلوری: شکر ہے تمہیں یاد تو آیا۔

نواب: جب میں صوبوں کے آگے ساڑھے چار ہزار کا چیک قدموں میں ڈال دوں گا۔ تو وہ جدائی کی ساری گھڑیاں بھول جائے گی۔

بلوری: اس وعدے کے علاوہ۔۔۔۔۔ اور کچھ؟

نواب: اس کے علاوہ ”اس کے علاوہ تو اور کچھ نہیں ہے۔

بلوری: اور۔۔۔۔۔ اور زور ڈالو ذہن پر۔۔۔۔۔

نواب: اس جگہ سے جو خوشبو سی آتی ہے۔۔۔۔۔ روح کیوڑے کی سی۔۔۔۔۔ یہ خوشبو بڑی جانی پہچانی سی ہے۔

بلوری: ہم نے مرتے دم تک تمہارا انتظار کیا۔۔۔۔۔ محض یہ دیکھنے کو۔۔۔۔۔ کہ تم قول کے کتنے سچے ہو۔۔۔۔۔ پر انسان کا وعدہ تو ریت کا گھر ہے۔ دو بوند پانی کی گرے تو ڈھسے جاتا ہے، ڈھسے جاتا ہے، ڈھسے جاتا ہے۔

(یہ کہتے ہوئے مائی بلوری کا دم نکل جاتا ہے۔ نواب یکدم

دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے پھر منگے سے پانی لے کر چھینے مارتا ہے

اس کے بعد وہ چادر جو اب تک مائی بلوری کے کندھوں تک ہے

چہرے پر ڈال دیتا ہے۔ اب نواب گھبرا جاتا ہے وہ بھاگ کر آگے

آتا ہے کمرے میں اس کا صرف کھڑاپا رہ جاتا ہے۔)

نواب: کوئی ہے؟ کوئی اللہ کا بندہ۔۔۔۔۔ کوئی خدا کا پیارا۔۔۔۔۔ کوئی ہے؟۔۔۔۔۔ کوئی بندہ خدا؟

(یہ کہہ کر وہ واپس لوٹتا ہے۔ مائی بلوری چبوترے پر موجود

نہیں ہے۔ ہر اسماں ہو کر قبر تک بھاگ کر جاتا ہے وہ غائب ہے۔

اب ساری جگہ خالی پڑی ہے وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتا ہے پھر

واپس لوٹتا ہے منہ پونچھنے کے لئے رومال نکالتا ہے۔ یکدم اپنی

جیبیں ٹٹولتا ہے چیک غائب ہے۔ پھر صندوق کھول کر دیکھتا ہے

کپڑے باہر پھینکتا ہے ہراساں ہو جاتا ہے ادھر ادھر دیکھتا ہے پھر جھکی کے دروازے تک جاتا ہے اس پر دستک دیتا ہے ماتھے پر سے پسینہ پونچھتا ہے۔ سسپنس (Suspence) کی موسیقی جاری رہتی ہے۔ دروازے کو اندر کی طرف دھکیلتا ہے۔

کٹ

سین 5

ان ڈور

وی وقت

(نواب جھکی کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں مائی بلوری تخت پر بیٹھی ہاتھ میں بت سے سچے لئے بیٹھی ہے۔ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس ہے اور پھولوں کا زیور پہنے ہوئے ہے۔ تخت پر وہ ایک کچھا پھینکتی ہے پھر دوسرے سچے سے اس سچے کو بچوں کی طرح نشانہ تاک کر مارتی ہے۔ نواب داخل ہو کر ششدر رہ جاتا ہے۔)

آپ یہاں ہیں؟

نواب:

تم کیا سمجھتے ہو ہم کہاں ہیں؟

مائی:

ابھی تو آپ۔۔۔۔۔ چوتھے پر تھیں۔۔۔۔۔ میں سمجھا آپ خدا نخواستہ۔

نواب:

اللہ کا شکر ہے کہ ہم مر گئے خدا نخواستہ کیوں؟

مائی:

نہ باہر چوترا رہا نہ مزار۔۔۔۔۔ نہ آپ۔ میں تو پریشان ہو گیا تھا۔

نواب:

تم ہمارے لئے پریشان نہیں تھے۔ ہم سے جھوٹ مت بولو۔

مائی:

جی؟

نواب:

(گلاؤں کے تالے سے چیک نکال کر تم اس کانڈ کے پرزے کے لئے ہراساں تھے۔

مائی:

مادی انسان کو ایسے کانڈوں سے بہت پیار ہوتا ہے لو۔ اور جاؤ۔

نواب:

(یکدم جیسے کچھ یاد آگیا ہو) آپ۔۔۔۔۔ آپ تو مائی بلوری ہیں۔

مائی:

پھر۔۔۔۔۔؟ اب یاد آیا تمہیں جب ہم باقی نہیں رہے۔

نواب:

میں نے آپ سے ایک وعدہ کیا تھا۔ میں۔۔۔۔۔ نے۔ مجھے آپ کو۔ بچاؤ روپے دینے ہیں، میں نے۔

مائی:

رہنے دو۔۔۔۔۔ ہم نے تمہیں صرف تمہارا قول یاد کرانے کے لئے بلایا تھا۔۔۔۔۔ اگر تمہارا چیک گم نہ ہوتا تو تمہیں کبھی کچھ یاد نہ آتا اب جاؤ۔

نواب:

آپ مجھے یہاں اپنے قدموں میں رہنے دیں میں آپ کی بہت خدمت کروں گا۔

مائی:

ہم تو خود خدمت کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ ہمیں تمہاری خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔

نواب:

یہاں آکر جیسے میرے دل سے منوں بوجھ اتر گیا ہے میں پھول کی طرح ہلکا تر و تازہ ہو گیا۔۔۔۔۔

مائی:

جاؤ۔۔۔۔۔

نواب:

اتنی جلدی۔

مائی:

تمہیں کیا معلوم یہاں ایک پل کتنا لمبا ہے۔ باہر کی کائنات کس تیزی سے گھوم گئی ہے اتنے وقفے میں۔ جاؤ۔۔۔۔۔ اور یاد رکھنا۔۔۔۔۔ وعدے کا پاس سنت رسول ہے۔۔۔۔۔ جاؤ اب اور یاد رکھو ایسا کوئی وعدہ کبھی نہ کرو جو کسی پچھلے وعدے کی نفی کرتا ہو جاؤ۔۔۔۔۔

نواب:

میں جانا نہیں چاہتا۔

مائی:

تم یہاں رہ نہیں سکتے۔ یہ جگہ گوشت پوست کے بنے ہوئے انسانوں کے لئے نہیں ہے۔۔۔۔۔ جاؤ۔

(نواب آہستہ آہستہ باہر کی طرف چلتا ہے منظر بدلتا ہے۔)

کٹ

سین 6

ان ذور

شام

پر چاند تو ہمیشہ سفر کرتا ہے کبھی گھٹتا ہے کبھی بڑھتا ہے ایک جگہ تھوڑا کھڑا رہتا ہے کبھی۔

نواب:

تو بھی ناچا کرتی تھی اس کی روشنی میں صوباں۔۔۔۔۔؟

صوباں:

اب کیوں تو مجھے ڈسنے لگا ہے پرانی یاد بن کر۔۔۔۔۔ یہاں سے چلا جا بیٹا یہ گاؤں اچھا نہیں ہے تو بھی نندا پور چلا جا۔۔۔۔۔

نواب:

مجھ سے تو دادا کہا کرتا تھا۔ کہ تجھے اس سے بڑی محبت تھی؟

صوباں:

بیٹا مرد کی ذات تو بت پرست ہے۔ کئی چھوٹے بڑے بت نکلتے ہیں اس کے دل میں سے۔ عورت توحید پرست ہے۔ اس کا دل چاک کرو تو اللہ کے بعد ایک ہی خدا نکلتا ہے۔ اس کے لبو میں رنگا ہوا۔ پر اب کیا فائدہ۔۔۔۔۔؟ جا۔۔۔۔۔ اس گاؤں میں تیرا بھلا نہ ہو گا یہاں صوباں کی آہیں پھرتی ہیں ہر طرف کہیں تجھے ہی نہ ڈس لیں۔

نواب:

تو نے دادا کا انتظار کیوں نہ کیا صوباں۔

صوباں:

کیا۔۔۔۔۔ بت کیا۔۔۔۔۔ پہلے پہل جب میرے بالوں میں سفید بال آنے لگے تو میں انہیں روز نوچ نوچ کر علیحدہ کر دیتی۔۔۔۔۔ پھر میں انہیں چوری چوری رنگنے لگی۔۔۔۔۔ پر آخر جب آدھا سر سفید ہو گیا۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ پھر میں ہار گئی۔

نواب:

آدھا سر۔

صوباں:

تو کیا سمجھے گا۔۔۔۔۔ ان باتوں کو۔۔۔۔۔ میں تو کہتی ہوں اس گاؤں میں مت رہنا۔۔۔۔۔ تو بھی پورنماشی کا چاند ہے اور میری جوان نواسیاں بھی میری طرح پاگل ہیں۔ اندھی ہیں۔ یہاں سے چلا جا۔۔۔۔۔ بس میری تو یہی خواہش ہے۔۔۔۔۔ (رک کر تیرا دادا زندہ ہے بیٹا کہ مر گیا؟

نواب:

زندہ تو ہے صوباں پر یوں سمجھ لے کہ مر گیا ہے۔۔۔۔۔

صوباں:

(جاتے ہوئے) ہاں بڑھاپے میں کوئی زندہ تھوڑی رہتا ہے۔ ایک بائی کا بوجھ تو ہاتھ پیر اٹھا نہیں سکتے زندگی کا بوجھ کیسے اٹھے ایسے جسم سے۔

(صوباں بولتی بولتی چلی جاتی ہے۔ نواب دیوار کے ساتھ لگے

ہوئے آئینے کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس آئینے میں بال آچکا

ہے۔ وہ چہرہ دیکھتا ہے۔ اس کے پیرے میں بھی بال آیا نظر آتا

(نواب کا مکان اب شکستہ صورت ہو چکا ہے جالے لگے ہیں، اینٹیں ٹوٹی ہیں تختے گرے ہیں۔ نواب اچھے لباس میں لمبوس ہے اس نے شلوار قمیض پہن رکھی ہے جگہ بنانا آگے بڑھتا ہے۔ پھر چیزیں اٹھاتا ہے۔ موسیقی جاری ہے اب صوباں داخل ہوتی ہے۔ وہ بالکل بوڑھی ہو چکی ہے ہاتھ میں پانی کی بھری بائی ہے۔ آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے۔۔۔۔۔ بائی دہلیز میں رکھتی ہے۔ نواب کی پیٹھ صوباں کی طرف ہے جب وہ پلٹتا ہے اور صوباں کو دیکھتا ہے تو ایک بینگ کے ساتھ اس کا رد عمل دکھایا جاتا ہے۔)

صوباں:

یہ پٹ کس نے کھولا؟ کون ہے اندر۔

نواب:

میں ہوں مائی جی۔

صوباں:

کون ہے تو۔۔۔۔۔ میرے پاس آ ذرا۔۔۔۔۔ بڑی جانی پہچانی آواز ہے تیری۔

نواب:

(پاس آتے ہوئے) تو۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ صوباں ہے۔۔۔۔۔؟۔۔۔۔۔ صوباں۔

صوباں:

میرا نام تجھے کس نے بتایا۔۔۔۔۔ تو مجھے بتانا کیوں نہیں کہ کون ہے تو؟

نواب:

میں پچھڑے ہوئے وقت کی آواز ہوں صوباں۔

صوباں:

(غور سے پاس آکر دیکھتے ہوئے) تو۔۔۔۔۔ تو نواب کا پوتا ہے۔ میں نے پہچان لیا

ہے تجھے۔۔۔۔۔ وہی آنکھیں ہیں وہی بال ہیں۔ وہی آواز ہے۔۔۔۔۔ پر تجھ میں

وہ بات نہیں ہے بیٹا جو اس میں تھی۔

نواب:

میرے دادا میں کیا بات تھی صوباں؟

صوباں:

وہ۔۔۔۔۔ کیا لے گا پوچھ کر۔۔۔۔۔ اب کیا رہ گیا ہے ان باتوں میں۔ وہ تو پورنماشی

کا ایسا سہند تھا۔ جس کی روشنی میں گاؤں کی ساری لڑکیاں ناچتی پھرتی ہیں۔۔۔۔۔

ہے۔ نواب چہرہ دیکھتا رہتا ہے۔ پھر کمرہ پیچھے ہٹتا ہے نواب چیک
 پھاڑ کر پھینکتا ہے۔۔۔۔۔ سوٹ کیس اٹھاتا ہے اور باہر کی طرف
 بڑھتا ہے۔ زور سے آندھی چلنے لگتی ہے۔۔۔۔۔ بل آئے آئینے
 میں آدمی جگہ نواب کی نوجوان شکل اور آدمی میں اس کا بوزھا
 چہرہ نظر آ رہا ہے۔

کٹ

میل ملاپ

کردار:

سین

ان ڈور

شام

فی فی:

فی فی:

(جب سین کھلتا ہے تو فی فی کا کلوز اپ نظر آتا ہے۔ جو گھبرائی ہوئی کھڑی ہے۔ ہونٹ کانپ رہے ہیں اور اعصابی کیفیت میں مبتلا ہے۔)

ناظرین! السلام علیکم۔ ذہنی آزمائش کے پروگرام ”میل ملاپ“ کی میزبان فی فی حاضر خدمت ہے۔ (کافی آنکھ سے فلور فیجر کی طرف دیکھتی ہے) سب سے پہلے آپ اس پروگرام کے مہمانوں سے ملنے۔۔۔۔

(اس کے پہلو میں اسی کی سیلیاں کرسیوں پر بیٹھی ہیں۔ کرسیوں کی اس قطار کے سامنے بازوؤں والی صوفہ نما کرسی پر ماورا کی والدہ (خالہ) بیٹھی سویٹر بن رہی ہیں۔)

آپ ہیں مس ماورا۔۔۔۔ ان کے ساتھ مس ڈاے، اس کے بعد نوشی، پھر تارا۔۔۔۔ آپ ہیں راحت اور سب سے آخر میں مس گنبد۔ خواتین و حضرات! پیشتر اس سے کہ ہم چالو کریں آپ مجھ سے ایک لطیفہ سن لیجئے: ہاشم: حامد بتاؤ دن کے وقت چاند کیوں نہیں نکلتا۔ حامد: اس لئے کہ سورج پہلے سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ (زور سے ہنسی ہے، پھر کھیانی ہنسی ہنسی ہے) خواتین و حضرات میں آپ سے تعارف کروانا بھول ہی گئی۔ اس پروگرام کی مہمان خصوصی ہیں خالہ زبیدہ۔ (سب تالیاں بجاتی ہیں) اب ہم آپ کے سامنے میوزیکل چیئرز کا کھیل پیش کریں گی اور خالہ اس میں ریفری کی خدمات سرانجام دیں گی۔

(فی فی خود بھی لڑکیوں کے گروہ میں چلی جاتی ہے۔ سب اٹھ کر کھڑی ہوتی ہیں۔ خالہ گود میں رکھا ہوا پورٹیل ٹیپ ریکارڈ کا بٹن دباتی ہیں۔ سب لڑکیاں تیزی

♦ ماورا

♦ فی فی

♦ داے

♦ نوشی

♦ تارا

♦ گنبد

♦ راحت

♦ سجاد

♦ خالہ

♦ دو لڑاکے

ہیروئن۔ لمبی سیاہ روشن آنکھوں اور لمبے بالوں والی، دراز قد، مشرقی لڑکی، حسن کا نمونہ، کم گو، مگر آنکھوں میں کمائیاں ہی کمائیاں، سوگوار، غمناک اور دکھی ہونے کے باوجود ہر وقت مسکراتی ہوئی۔

محفل کی جان، چھوٹے قد، چھریے بدن کی، ٹاپنے والی لڑکی، جو رقص کرتے ہوئے تھکتی ہی نہیں۔ ڈھولک نواز، شوخ و شگ، گیتوں کی لائبریری، خوش آواز۔

ماہی منڈا۔ جینز یا تیل باٹم اور کارڈ رائی کی جیکٹ پہننے والی۔ خواہ مخواہ کی ٹام بوائے۔ اندر سے بھرپور دو شیرہ۔ خوش آواز، خوش گفتار، خوش ادب، ناچ میں فی فی کی شرکت کرنے والی۔

موٹی سیلی، جو ہر بلا گلا محفل میں شریک ہونے کی شوقین ہے۔ لیکن بہت سست الوجود ہے اور لیٹی رہتی ہے اور سب کے کاموں میں کیرے نکالتی ہے۔

شلوار قمیض والی مشرقی لڑکی، ذرا سی شرمیلی، ڈھولک کے ساتھ تالی بجانے والی، اور غزلوں کی شوقین۔

ہیرو۔ ایم ایس سی، نوجوان جو ان دنوں کینیڈا کے ایٹمی ری ایکٹر میں ریسرچ کر رہا ہے۔

ماورا کی والدہ۔ اوہیز عمر کی بیوہ جس کی ایک ہی لڑکی ہے، امیر خاتون، زمینوں اور جائیداد کی مالک

دو نوجوان جو سجاد کے ساتھ فائٹ کرتے ہیں ان کے چہرے نظر نہیں آتے۔

کے ساتھ کرسیوں کے ارد گرد گھومتی ہیں۔ میوزک بند ہوتا ہے اور بیچاری گنبد باہر رہ جاتی ہے۔)

(تالیاں)

فی فی:

بھئی اپنے ساتھ یہ کرسی بھی لیتی جاؤ گنبد۔

گنبد:

میں نہیں لے جاتی۔ ایک تو مجھے باہر نکال دیا دوسرے میں کرسی اٹھاتی پھروں۔

(فی فی ایک کرسی اٹھا کر خالہ کے پاس رکھ دیتی ہے۔ گنبد

اس پر بیٹھ جاتی ہے۔ پھر میوزک شروع ہوتا ہے اور بند ہوتا ہے

اس طرح سے قدرتی طور پر جو جو لڑکی باہر نکلتی جاتی ہے وہ نکلتی

جائے۔ آخر میں جو لڑکی جیتے خالہ تھیلے سے ایک پیکٹ گوٹے میں

بندھا ہوا نکال کر دے اور سب تالیاں بجائیں)

نوٹشی اور تارا:

ہائے بھئی سچ بڑا مزا آیا۔

گنبد:

خاک مزا نہیں آیا۔ یہ کوئی کھیل ہے۔ بچے کھیلا کرتے ہیں، ایسے کھیل۔

پرائمری کے ٹائٹی ٹائٹس۔

فی فی:

اوہو تمہیں تو کچھ پسند ہی نہیں آتا ملکہ عالیہ۔

راحت:

بتاؤ پھر کیا کریں؟

گنبد:

مجھے کیا معلوم فی فی سے پوچھو۔

ڈالے:

فی فی تو بتا چکی۔ اب تمہاری باری ہے۔

گنبد:

تم سب میرے سامنے بیٹھ کر قوالی کرو۔

تارا:

لاؤ بیعانہ۔

گنبد:

واہ بیعانہ کیسا۔ جس شعر پر ہم کو وجد آئے گا ہم تمہیں روپیہ دیں گے۔

فی فی:

اور پتہ کیسے چلے گا کہ تم کو وجد آ رہا ہے۔

گنبد:

جس شعر پر سر ہلے گا سمجھ لینا وجد آ رہا ہے۔

نوٹشی:

اتنے بڑے جسم میں اتنا سا سر ہلے گا تو ہمیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ال رہا ہے۔

(ہنسی ہیں)

ڈالے:

بھئی کوئلہ چھپاکی کھیلے ہیں۔

تارا:

ونڈر فل، آئیڈیل۔

گنبد:

ونڈر فل۔۔۔۔۔ آئیڈیل۔۔۔۔۔ خدا قسم تم لڑکیوں کو ذرا بھی

(Sense of Proportion) نہیں۔ اس عمر میں کوئلہ چھپاکی کھیلو گی۔۔۔۔۔

(Most Unromantic Game)

نوٹشی:

بھئی فار گاڈ سیک۔ چپ رہو گنبد۔

فی فی:

ہائے بھئی تم بھی کچھ بولو ماورا جان۔ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ اور تم منہ میں

گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی ہو۔

راحت:

واقعی ماورا بڑی (Unsporty) ہو تم۔ ہم لوگ تمہاری شکل دیکھنے لاپور نہیں

آئے۔ (Sense of Participation) لے کر آئے ہیں۔

خالہ:

ٹھیک کہہ رہی ہیں بیٹا تمہاری سیلیاں۔ کچھ ہنسو بولو کچھ ان کو گیمز کھلاؤ۔

تارا:

ہم بھی لاہور (Good Memories) لے کر جائیں کہ ماورا کے لاپور میں

اچھا وقت گزارا تھا۔

ماورا:

ہائے بھئی میں کیا کہتی ہوں۔ تم جو فیصلہ کرو گی میں اس پر عمل کروں گی۔

فی فی:

ٹھیک ہے بھئی چلو بیٹھو سب قالین پر۔۔۔۔۔ (چنگلی بجا کر) چلو چلو۔۔۔۔۔ بھئی

اٹھو۔۔۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔۔۔ Look Sharp گنبد Look Sharp (لڑکیاں

بیٹھنے لگتی ہیں)

گنبد:

نہیں بھئی میں نہیں کھیلوں گی۔

خالہ:

نہیں بیٹے کھیلو۔ کھیلنا کیوں نہیں۔

گنبد:

خالہ جان بڑی چوٹ لگتی ہے کوڑے کی۔

فی فی:

(کوڑا بیٹے ہوئے) تمہارے پیچھے نہیں رکھیں گے تم آؤ تو سی۔

(گنبد بڑی سستی اور کسمندی سے آکر دائرے میں بیٹھ جاتی

ہے اور کھیل شروع ہوتا ہے فی فی چکر کٹ رہی ہے)

فی فی:

(چکر کاٹتے ہوئے) کوئلہ چھپاکی جمعرات آئی اے۔ بیرمھا پیچھے دیکھے اوہدی

شامت آئی ہے۔ کوئلہ چھپاکی جمعرات۔

اس کی چکر کاٹنے پر کوئی لڑکی اپنے پیچھے ہاتھ پھیر کر دیکھتی

ہے۔ اور فی فی اس کو کوڑا مارتی ہے۔ پھر وہ کوڑا ماورا کے پیچھے رکھ

دیتی ہے۔ جو اسی طرح سر نیہوڑائے اور کندھے جھکائے بیٹھی

رہتی ہے۔ فی فی چکر کٹ کر اس کو پیٹنا شروع کر دیتی ہے۔ سب

کہتی ہیں۔ ”بھاگو بھاگو ماورا بھاگو“۔۔۔۔۔ لیکن اپنی جگہ بیٹھی پہلے سر

پچھے اٹھا کر مسکراتی ہے پھر بھاگ کر چکر کٹ کر واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھتی ہے۔

گنبد:

(اپنی جگہ سے اٹھ کر خالہ کے پاس جا کر بالکل بور کھیل ہے۔ خالہ جان۔
تم کو تو ہر چیز بور نظر آتی ہے۔

نی فی:

بھئی بور ہے تو میں بور کستی ہوں فی فی۔

گنبد:

(اٹھتے ہوئے) رہنے دو۔ تمہارے تو سارے خاندان کو ہر چیز بور نظر آتی ہے۔

نوٹی:

(اٹھتے ہوئے) یہ کھانا بور ہے، یہ کھیل بور ہے، یہ فلم بور ہے، یہ دن بور ہے،
یہ رات بور ہے۔

راحت:

سب لڑکیاں اٹھتی ہیں، کوئی کرسی پر کوئی کرسی کے ساتھ

سب خاموش ہو جاتی ہیں۔ خالہ فی فی سے کہتی ہے۔

خالہ:

فی فی بیٹا کوئی گانا سناؤ۔

نی فی:

کیسا گانا۔

خالہ:

کوئی فلمی۔۔۔۔۔ کوئی ریڈیو کا، کوئی گیت۔

ڈاے:

بیابہ شادی کے گیت خالہ، بیابہ شادی کے گانے۔

تارا:

ڈھولک ہے خالہ آپ کے یہاں۔

خالہ:

ادھر سروٹس کو آرٹریس ہے۔ رانی کے پاس۔

نوٹی:

جاؤ ماورا ڈھولک لے آؤ اپنی رانی کے یہاں سے۔

(ماورا اثبات میں سر ہلاتی ہے۔ اور ہولے ہولے قدم اٹھاتی

نکل جاتی ہے۔)

ڈاے:

بھئی ایسے نہیں گائے جاسکتے بیابہ شادی کے گانے۔

نوٹی:

ہاں دلہن بھی ہونی چاہئے۔ بچ میں ایک۔

تارا:

پکڑو پکڑو، ماورا کو دلہن بنا کر اڑاؤ۔ جاؤ نوٹی تم اور فی فی۔

خالہ:

نہیں نہیں، دلہن بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسے ہی گاؤ۔ ایسے ہی رونق میلہ
لگاؤ۔

تارا:

نہیں خالہ ہم تو آج رات ماورا کو دلہن بنائیں گے۔

خالہ:

وقت سے پہلے لڑکی کا دلہن بننا کچھ اچھا شگون نہیں ہوتا۔

ڈاے:

لیجئے۔ اچھا کیوں نہیں ہوتا ہم تو بیسویں مرتبہ بنی ہیں دلہن ڈراموں میں۔

شاید اس کو اچھا نہیں لگے گا۔

خالہ:

اچھا کیسے نہیں لگے گا بھلا۔ دلہن بننے کا تو ہر لڑکی کو ارمان ہوتا ہے۔

نی فی:

تم میں سے کوئی بن جائے بیٹا۔

خالہ:

نہیں خالہ جان جو روپ ماورا پر آئے گا وہ ہم میں سے کسی پر نہیں آئے گا۔

نی فی:

ہائے پلیز خالہ جان مان جائیے ناں۔۔۔۔۔ آپ نے اس کا جوڑا تو بنا رکھا ہو گا ہے
ناں خالہ جان۔

ڈاے:

وہ تو بنا رکھا ہے۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ مجھے یونی وہم سا ہوتا ہے۔۔۔۔۔

خالہ:

(گلے میں ہانسیں ڈال کر) پلیز خالہ جان۔۔۔۔۔ ہمیں کوئی روز فیصل آباد
آنے کی اجازت تھوڑی ملے گی۔

نی فی:

اچھا بھئی جو تمہارے جی میں آئے کرلو۔

خالہ:

سب لڑکیاں ”تھینک یو خالہ جان تھینک یو۔ تھینک یو

دیری میچ“ کہتی ہوئی بھاگتی ہیں۔ فیلڈ میں صرف گنبد، خالہ جان اور

راحت رہ جاتی ہیں۔

خالہ جان کب کر رہی ہیں آپ ماورا کی شادی۔

راحت:

جب اس کا حکم ہو گا ہو جائے گی۔

خالہ:

جیز تو تیار کر لیا ہو گا آپ نے۔

راحت:

ہاں کچھ ہے ہی۔

خالہ:

آپ تو کہتی تھیں بی۔ اے کے بعد کر دیں گے اس کی شادی۔ لیکن اب تو
سال سے اوپر ہو گیا اے بی۔ اے کئے ہوئے۔

گنبد:

ہائے خالہ جان اسے لاہور ہی رہنے دیتیں ہمارے ساتھ ہو شل میں ایم۔ اے
کر لیتی۔

راحت:

ایم۔ اے، بی۔ اے میں کیا رکھا ہے بیٹا۔ نصیب اچھے ہونے چاہئیں لڑکیوں کے۔

خالہ:

وہ تو ٹھیک ہے خالہ جان۔ پھر بھی تعلیم اچھی ہی ہوتی ہے۔

راحت:

کتنے جوڑے بنوائے ہیں آپ نے ماورا کے لئے۔

گنبد:

اسی کو معلوم ہے میں نے تو کبھی گئے نہیں۔۔۔۔۔

خالہ:

ہمارے امتحانوں کے بعد کیجئے گا اس کی شادی خالہ جان نہیں تو ہم جی بھر کے بلا
گلا نہیں کر سکیں گے۔

راحت:

خالہ: کیوں نہیں۔ سہیلیوں سے پوچھے بغیر میں کیسے رکھ سکتی ہوں اس کے بیاہ کی تاریخ۔

گنبد:

منگنی تو ہو چکی ہے ناں اس کی خالہ جان۔

راحت:

ہائے یوقوف منگنی تو کب کی ہو چکی اس کی۔ اسی لئے تو بی۔ اے کے بعد اسے لاہور سے بلوایا تھا خالہ نے شادی کرنا چاہتے تھے اس کی۔

خالہ:

بھی تم بیٹھو، میں جا کر اسے چایاں دے آؤں، جیزوالے ٹرکوں کی۔

راحت:

خالہ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے، ماورا کا جیز دیکھنے کو۔

خالہ:

سارا جیز؟

راحت:

صرف جوڑے خالہ۔۔۔۔۔ آؤ گنبد۔۔۔۔۔ اجازت ہے نا ہمیں۔

خالہ:

ضرور، ضرور، کیوں نہیں۔ آؤ میرے ساتھ۔

(تینوں فیلڈ سے نکلتی ہیں۔)

سین 3

ان ڈور

رات

(ایک سجا سجا یا جملہ عروسی کا چھرکٹ اس پر ماورا سر جھکائے بیٹھی ہے۔ کیمرو پیچھے ہٹتا ہے۔ تو ہم دروازے میں سے اسے چھرکٹ پر بیٹھے دکھاتے ہیں کیمرو کی طرف بیک کئے دولما اندر داخل ہوتا ہے اور دلہن کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔)

دولما:

مجھے افسوس ہے بیگم صاحبہ کہ یہ میری اور آپ کی پہلی اور آخری ملاقات ہے۔ میں نے امی کی خوشی کے سامنے سر تسلیم کیا اور ان کی آرزو پوری کر دی۔ آج سے آپ اپنے آپ کو بیگم سجاد کہہ سکتی ہیں۔ لیکن میری شریک حیات نہیں بن سکتیں۔ میں نے جس کے ساتھ شادی کرنے کا تہیہ کیا ہے۔ وہی میرے رنج و غم کی شریک ہوگی۔ مجھے واقعی افسوس ہے اور میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن میں اپنے ارادے کے ہاتھوں مجبور ہوں۔۔۔۔۔ خدا حافظ

(دولما کے آخری نعروں پر ہم دلہن کے ہاتھوں کا کلوز لیتے ہیں جن پر آنسوؤں کے قطرے گرتے ہیں خیال رہے کہ دولما کے مکالموں کے پس منظر میں ڈھولک کی مدھم آواز اور وہی گیت سنائی دیتا رہے۔)

(جب ہم واپس لڑکیوں اور ڈھولک والے سین پر آتے ہیں تو دلہن کے ہاتھ پر آنسوؤں کے قطرے گرے ہوئے ہیں۔)

(ڈھولک روک کر ہائے میری جان۔۔۔۔۔ دلہن تو واقعی رونے لگی۔)

(دلہن کے ہاتھ تھام کر کیا بات ہے ماورا۔)

کچھ نہیں۔ یونہی۔

ڈزالو

سین 2

ان ڈور

شام گئے

وہی کمرہ، قالین پر سے اب کرسیاں غائب ہیں اور ایک چوکی پڑی ہے۔ دلہن بنی ہوئی ماورا کو ساری لڑکیاں گھیرے میں لے کر آتی ہیں۔ اور چوکی پر بٹھا دیتی ہیں۔ ڈائے ڈھولک لے کر پہلو میں بیٹھتی ہے۔ سب لڑکیاں گانا شروع کرتی ہیں۔ اس گانے پر خالہ کچھ اواس سی ہو جاتی ہے۔ کیمرو جھکی ہوئی دلہن کے سر کا کلوز اپ لیتا ہے اور پھر اسی کلوز اپ پر ڈزالو دے کر کیمرو ٹریک بیک کرتا ہے۔

ڈائے:

نی نی:

ماورا:

رک جاتی ہے۔۔۔۔۔ اسی تذبذب میں وہ گرے ہوئے نوجوان کے پاس بیٹھتی ہے اور اس کا سر اٹھانے کی کوشش کرتی ہے نوجوان اس کے ہاتھ کا سہارا پانے پر ہولے سے سر اٹھاتا ہے اور برآمدے کے ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتا ہے۔

کیا بات ہے؟ یہ کون لوگ تھے؟ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

(ماتھے پر سے خون پونچھ کر) پتہ نہیں کون لوگ تھے۔۔۔۔ کہاں سے آئے تھے

اور کیا چاہتے تھے۔۔۔۔ آپ کی کوٹھی سے ذرا پہلے انہوں نے مجھ پر حملہ

کر دیا۔۔۔۔۔ میں بھاگ کر پناہ لینے کے لئے ادھر آپ کے برآمدے کی طرف

بھاگا۔۔۔۔۔ یہاں سے ڈھولک کی آواز آرہی تھی۔۔۔۔۔ کوئی شادی ہے آپ کے

یہاں۔

3

اٹھتے ہوئے مجھے افسوس ہے کہ میں نے شادی والے گھر میں آکر آپ کو

رہا نہ کیا۔

الٹھ کے جاننے والے مر لکھیں۔ لکھنا کہ مر جاتا ہے۔

اے کہ اس حقیقت پر انہیں ہرگز شک نہ تھا۔

اس کے پاس جانی ہے اور یہ جانی ہے اس کا سر اسی ہے اور

اپنے کوئے وار دوپے سے اس نامہا چھوڑا پی اسیاں ویہی ہے

اور پھر آپ کو کے واسے دوپے کی پٹی پھار کر اس کے ماتھے پر

باندھ دیں ہے۔ بخدا اسے جنت سے دیا ہے۔

سیرا نام سجاد ہے اور میں لیندا کے ایسی ری ایٹر میں

Radiation Biology کا ریسرچ سگاہ ہوں۔

سیرے خیال میں آپ کو زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

پورے چار سال بعد میں چند روز کے لئے اپنے ملک آیا تھا اور آتے ہی

سیرے ساتھ یہ ہوا۔

آپ یہیں کے رہنے والے ہیں لائپزگے۔

نہیں۔ چار سال پیشتر کراچی میرا شہر تھا۔ لیکن اب وہ بھی میرا نہیں رہا۔۔۔۔

ب تو کچھ بھی میرا نہیں رہا۔۔۔۔ (انھنے کی کوشش کرتا ہے) بس ایک یہ وجود

ہے اور زندگی کا طویل سفر۔

سب کھڑی ہوتی ہیں اور ڈامے ڈھولک پر سعی کی دھن بجاتی

ہے۔ اس دھن پر باقی کی ساری لڑکیاں جھومر ڈال کر ناچنا شروع

کردیتی ہیں۔ گنبد دوسرے چکر پر اٹھ کر ان میں شامل ہو جاتی

ہے۔ ان سب کو دیکھ کر ماورا مسکرا نے لگتی ہے۔ اور اس کے ساتھ

ہی خالہ خوش ہو جاتی ہے۔ اٹھ کر انہی کرسیاں پر جا کر پھر سویرے

لگتے رہے۔ مناسب وقت تک سہی کا ناچ جاری رہتا رہا۔ پھر اجانک

اور اکی، نگاہیں، پہلو والے برآمدے کی طرف بڑھتی ہیں۔ جہاں

انہی شمشے کی روشنی میں، تین آدمی ایک دوسرے سے لڑتے

میں نے کہا: ہاں، تیرے ششدر صوفیوں کو اس کے نظر آتے

ہیں اور اس کے لئے ان کے لئے ہے۔

ہیں۔ اور پچھلے اپنی جگہ سے اٹھ کر اور دوسریں دیکھا ہے۔

اس کے لئے مجھے ایک کتاب لکھنا پڑی۔

اں کے سہارے بھاگ جائے ہیں اور میسرابو پھون اور گرم سویر

پتے ہے ان کے برآمدے میں بیہوش کرا ہوا ہے۔ اس کے ماتھے

سے اور منہ سے خون بہہ رہا ہے۔ ماورا ابھی اندر دیکھی ہے کہ

لو بلائے اور بھی پریشان ہو کر اس آدمی کو پھونکا چاہی ہے۔ پھر

ماورا: آپ میزے ساتھ اندر چلیں۔
 سجاد: جی بہت شکریہ۔۔۔۔ اجازت دیجئے کہ میں دو چار منٹ میں سستا کر چلا جاؤں۔
 ماورا: آپ یہاں کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔
 سجاد: کہیں بھی نہیں۔ میں آج صبح کراچی سے آیا تھا اور ابھی اٹھ پندرہ کے جواز سے مجھے لاہور جانا ہے۔۔۔۔ وہاں سے ٹائٹ کوچ لوں گا اور کل صبح چار بج کر ایک منٹ پر کینڈا روانہ ہو جاؤں گا۔
 ماورا: (جیسے اپنے آپ سے) اتنی جلدی!
 سجاد: (جیسے ٹٹولتے ہوئے) وہ میرا بٹوہ لے کر بھاگ گئے۔ (زہر خند) لیکن کیا ملے گا۔ ان کو اس بٹوے میں سے۔ ستر اسی روپے۔۔۔۔ ایک تصویر اور نو رانٹوں میں میرے گھر کا پتہ۔
 ماورا: لیکن اس وقت آپ گھر سے باہر کیوں نکلے۔
 سجاد: میرا کوئی گھر نہیں مس۔ میں آپ کے لائپور میں اجنبی ہوں۔ ایگر پکچر یونیورسٹی کے پروفیسر گیلانی سے ان کے ریسرچ پیپر کی نقل لینے آیا تھا۔ (زہر خند)
 Genetic Relations between donar & Host.
 اور یہ زخم لے کر چلا ہوں۔۔۔۔ ان دو نوجوانوں نے سوچا ہو گا کہ میری جیب میں پاؤنڈ اور ڈالر ہیں۔۔۔۔ کیسے لوگ ہیں آپ کی بستی کے۔
 ماورا: آپ جیسے۔
 سجاد: مجھ جیسے! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں نے تو آج تک کسی کو ایسی جسمانی تکلیف نہیں دی۔
 ماورا: ہو سکتا ہے روحانی اور ذہنی تکلیف دی ہو۔۔۔۔ (جلدی سے) اگر آپ برا نہ مانیں اور اندر چل کر تھوڑی دیر آرام کر لیں تو شاید۔۔۔۔
 سجاد: آپ کا گھر کچھ ایسا مسمان نواز اور اس قدر Kind ہے کہ میں اگر یہاں تھوڑی دیر کے لئے رک گیا تو پھر جہاز کا پکڑنا مشکل ہو جاتی گا۔
 ماورا: کل بھی تو جاسکتے ہیں آپ؟
 سجاد: گورے کی نوکری آپ کی نوکری نہیں کہ جب چاہا چلے گئے جب جی چاہا چھٹی کر لی۔ کس کی شادی ہے آپ کے یہاں؟
 ماورا: (خاموش ہے۔)

سجاد: لڑکی کی یا لڑکے کی؟
 ماورا: (سر جھکا کر) لڑکی کی!
 سجاد: آپ کی؟
 ماورا: (اثبات میں سر ہلاتی ہے!)
 سجاد: کس قدر خوش نصیب ہو گا وہ نوجوان جس سے آپ کی شادی ہو رہی ہے۔ (ماورا خاموش رہتی ہے اور اس کے کانوں میں زور زور سے شہنائیاں بجنے لگتی ہیں۔ یہ میوزک سات سے دس سیکنڈ تک جاری رہتا ہے۔ جب مدھم ہوتا ہے تو)
 سجاد: کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔
 ماورا: (نفی میں سر ہلاتی ہے۔)
 اتنے میں اندر سے سی کی دھن بند ہوتی ہے اور ساری لڑکیوں کی ایک ساتھ آوازیں آنے لگتی ہیں۔ ”ماورا۔۔۔۔۔“
 ماورا۔۔۔۔۔ بھی کہاں ہو تم ماورا۔۔۔۔۔ ماورا۔۔۔۔۔ اور ماورا سجاد کو اسی طرح چھوڑ کر اندر بھاگ جاتی ہے۔ سجاد آہستہ آہستہ گردن جھما کر سارے کمرے کا جائزہ لیتا ہے۔ پھر بڑی آہستگی سے اٹھتا ہے اور دور پڑی ہوئی رسٹ وایچ اٹھا کر اسے کلائی کے ساتھ باندھتا ہے۔ پھر فیلڈ سے ہولے ہولے نکلنے لگتا ہے۔ وہ نکلتا ہے تو ہم کٹ کر کے ماورا کو پھر برآمدے میں آتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ وہ بازو آگے بڑھا کر کہتی ہے۔
 سنئے؟
 سجاد: فرمائیے (ہولے ہولے واپس آکر)
 ماورا: آپ جا رہے ہیں۔
 سجاد: جی۔
 ماورا: اسی حالت میں؟
 سجاد: یہ آپ کے شر کا تحفہ ہے۔
 ماورا: تھوڑی دیر رک جائیے۔
 سجاد: اب آپ بھی مجھے لوٹنا چاہتی ہیں۔

اورا: آپ کو سفر کے لئے کچھ روپوں کی ضرورت ہوگی۔
سجاد: جی نہیں، شکریہ۔ میرے بریف کیس میں بڑے ٹریلورز چیکس پڑے ہیں۔۔۔
آپ کی مہربانی۔

اورا: اس وقت آپ کہاں جائیں گے۔
سجاد: انگریز پکچر یونیورسٹی جہاں میرا سامان رکھا ہے۔
اورا: پیدل کیسے جائیں گے آپ۔
سجاد: جیسے آیا تھا۔

اورا: میں ڈرائیور سے کہتی ہوں وہ آپ کو موٹر پر چھوڑ آئے گا۔
سجاد: جاپے مس اندر جا کر اپنی سیلیوں میں بیٹھے۔ شادی کی راتوں میں دلنہیں
اجنبیوں سے باتیں نہیں کیا کرتیں۔

اورا: آپ سے ایک بات پوچھوں آپ برا تو نہیں مانیں گے۔
سجاد: اپنے محسن کی باتوں کا کون برا مانا کرتا ہے۔ مس (سر جھکا لیتا ہے)۔

(اورا اس کا جواب سن کر خاموش کھڑی سوچ رہی ہے کہ
اس سے بات پوچھے یا نہ پوچھے کہ اتنے میں خالہ اندرونی
دروازے سے برآمد ہوتی ہے اور جھلا کر آواز دیتی ہے۔
اورا۔۔۔۔۔ اورا تڑپ کر مڑ کے دیکھتی ہے۔ خالہ جلدی سے ان
دونوں کی جانب بڑھتی ہے اور اورا کو ایک نوجوان کے پاس کھڑے
دیکھ کر اس کی تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں)۔

خالہ: کون ہو تم؟

سجاد: (چہرہ اوپر اٹھا کر) آپ

خالہ: چلو اورا۔۔۔۔۔ اندر۔

اورا: امی جان۔

خالہ: سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔ (اورا چلی جاتی ہے) تم یہاں کیا لینے آئے ہو۔

سجاد: میں اورا کو لینے آیا ہوں۔

خالہ: بد بخت لیرے تم بھی بدل کر یہاں بھی آہنچے۔

سجاد: لیرا میں نہیں خالہ۔ لیرے وہ تھے جنہوں نے مجھ پر ابھی حملہ کیا اور جن سے
جان بچا کر میں آپ کے بنگلے میں گھسا۔

خالہ: اور میرے گھر کا سارا سکون برباد کر دیا۔ مجھے گمناہی کی پر سکون زندگی سے نکال
کر پھر تم ایسے مردود کے سامنے لاکھڑا کیا۔

سجاد: آپ اورا کی شادی کر رہی ہیں خالہ۔

خالہ: اورا میری بیٹی ہے اور میں اس کی وارث ہوں۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے
والے۔

سجاد: اورا میری بیوی ہے اور میں اس کا اصل وارث ہوں۔

خالہ: ہونہ بیوی۔ اس وقت یہ بیوی کہاں تھی جب تم شادی کی پہلی رات اسے

چھوڑ کر کینیڈا روانہ ہو گئے تھے۔ اس وقت یہ بیوی کہاں تھی۔ جب تم نے اپنی

سناگ رات کے ٹھیک بارہ بجے اپنے چھوٹے بھائی کی استانی سے نکاح کر لیا

تھا۔ اس وقت یہ بیوی کہاں تھی جب تم استانی کلثوم کو ظفر کے حوالے کر کے

یہ کہہ گئے تھے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر پاسپورٹ بنا کر میرے پاس کینیڈا

بھجوا دینا۔۔۔۔۔ اس وقت یہ بیوی کہاں تھی جب۔۔۔۔۔ (دھیمی ہو کر) جاؤ سجاد ہم

دونوں کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ جاؤ تمہارے پاس تمہارا درخشاں مستقبل

اور محبت کرنے والی بیوی موجود ہے۔

سجاد: کیا آپ مجھے اپنے بارے میں کچھ کہنے کا موقع دیں گی خالہ۔

خالہ: اب اتنا وقت گزر چکا ہے سجاد اور اتنا کچھ ہو چکا ہے کہ کہنے اور سننے کی کوئی

گنجائش باقی نہیں رہی۔۔۔۔۔ میں کراچی چھوڑ کر، اپنے مرحوم خاوند کی فیکٹری

بچ کر اس دور دراز کونے میں آکر بیٹھ گئی تھی تاکہ کسی کو میری بیٹی کے حال کی

خبر نہ ہو لیکن تم ماضی کا پیچھا تاوا بن کر یہاں بھی پہنچ گئے۔

سجاد: مجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ آپ یہاں رہتی ہیں۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی

یہ بات نہ تھی۔۔۔۔۔ وہ تو اگر دولیرے یوں میری جان کے لاگو نہ ہو جاتے اور

مجھے اپنی جان بچانے کے لئے اس طرح سے بھاگنا نہ پڑتا اور پناہ لینے کے لئے

اس بنگلے میں گھسنا نہ پڑتا تو شاید آئندہ ساری زندگی آپ سے نہ مل سکتا۔

خالہ: (Composed) کیا حال ہے کلثوم کا؟

سجاد: کیا معلوم خالہ اچھا ہی ہو گا۔۔۔۔۔ دراصل شادی اس کے مقصد کی سب سے

بڑی پھانسی تھی۔ پہلے بیوہ ہوئی اور اپنی زندگی کی دہلیز پر اجنبیوں کی طرح بیٹھ گئی

پھر جب میں نے اس سے نکاح کیا تو میری زندگی کی چار دیواری سے نکل

گلنی۔

خالہ :

کیا؟

سجاد :

میں اس سے نکاح پڑھوا کر سیدھا ایئرپورٹ پہنچا۔ ظفر اس کی بیوی اور کلثوم مجھے ہوائی اڈے پر چھوڑنے آئے۔ اس وقت کلثوم کی آنکھوں میں بڑے بڑے آنسو تھے۔ مجھے الوداع کہتے ہوئے اس نے اتنا کہا سجاد آپ نے مجھ پر ترس کھا کر مجھ سے شادی کی ہے اس کا صلہ آپ کو خدا کی طرف سے ملے گا۔ میں نے اس کا کندھا تھپتھا کر کہا کیسی دیوانوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ پھر وہ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی اور ظفر کی بیوی نے اسے اپنے ساتھ چٹا لیا اور اس کی سسکیوں کو میرے جیٹ طیارے کی لیٹوں نے اپنی لیٹ میں لے لیا۔

خالہ :

یہ تم کیا کہہ رہے ہو سجاد۔

سجاد :

اگلے ہفتے اسے میرے پاس پہنچنا تھا لیکن اس کا پاسپورٹ نہ بنا۔ ایک ہفتہ، دو ہفتے، تین ہفتے اور پھر یوں چار مہینے گزر گئے۔ اس مدت میں اس کے خط باقاعدگی سے مجھے ملتے رہے اور آخری خط کے بعد مجھے ظفر کا خط ملا کہ تیل کا چولہا بھٹ جانے سے کلثوم کی موت واقع ہو گئی ہے اور اب اس کا پاسپورٹ کبھی بھی نہ بن سکے گا۔

خالہ :

کلثوم مر گئی سجاد۔

سجاد :

پتہ نہیں یہ تیل کا چولہا تھا یا کلثوم کی پشیمانی کے آنسو تھے یا ٹائیلوں کا لباس تھا یا کسی کی بددعا تھی یا ترس کی محبت کا کوندا تھا جو چار مہینے تک آہوں کی ہواؤں پر ہلتا رہا اور پھر سب کچھ راکھ میں تبدیل کر گیا۔ تیل کے چولے یوں تو نہیں پھٹا کرتے۔ خالہ۔۔۔۔۔ ظفر نے آپ کو بہت تلاش کیا سارا ناظم آباد چھان مارا لیکن آپ کا پتہ نہ چلا۔۔۔۔۔ خالہ؟

خالہ :

ہوں۔

سجاد :

آج ماورا کی مندی ہے؟

خالہ :

ہاں۔

سجاد :

آپ نے اچھا ہی کیا خالہ۔۔۔۔۔ کسی طرف سے تو آپ کو ٹھنڈی ہوا آنی چاہئے۔۔۔۔۔ (اٹھتا ہے) کسی طرف سے تو آپ کو ٹھنڈی ہوا آنی چاہئے تھی۔۔۔۔۔ کسی طرف سے۔۔۔۔۔

خالہ :

اس وقت کہاں جاؤ گے سجاد۔

سجاد :

ایئرپورٹ خالہ۔ مجھے کل صبح کینیڈا جانا ہے۔

خالہ :

ٹھہرو میں ڈرائیور سے کہتی ہوں تمہیں گاڑی پر چھوڑ آئے۔

سجاد :

اس تکلف کی کیا ضرورت ہے خالہ میں چلا جاؤں گا۔ اس راز کی طرح جو میرے آپ کے اور ماورا کے درمیان خاموشی کے ساتھ اپنی مسافت طے کرتا رہے گا۔۔۔۔۔ خدا حافظ۔

خالہ :

(بازو تھام کر) آؤ میرے ساتھ۔۔۔۔۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں تمہیں پیدل نہیں جانے دوں گی۔

(سجاد کچھ کئے بغیر تسلیم و رضا کے ساتھ خالہ کے ساتھ

ساتھ چلنے لگتا ہے اور خالہ اس کا بازو تھامے ہوئے لے کر اندر

داخل ہوتی ہے۔ جہاں لڑکیاں دلہن کو گھیرے میں لئے ڈھولک بجا

رہی ہیں۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ سب خاموش ہو جاتی ہیں۔)

خالہ :

راحت! ڈرائیور سے کہو گاڑی باہر نکالے۔

راحت :

جی بہت اچھا۔ (چلی جاتی ہے)

نی فی :

یہ کون ہیں خالہ۔

خالہ :

یہ ایک مسافر ہے بیچارہ جسے لٹیروں نے گھیر لیا تھا۔ اور جو پناہ لینے کے لئے ہماری کوشش کے برآمدے میں گھس آیا تھا۔

سب لڑکیاں :

(گا کر)

مسافر غریب ایک رستے میں تھا

وہ چوروں کے ہاتھوں میں جا کر پھنسا

انہوں نے لئے اس کے کپڑے اتار

کیا گھائل اور اودھ موا مار مار

خالہ :

پلیز! لڑکیو (خاموش ہوتی ہیں) ماورا تم تو اسے پہچانتی ہو ناں۔

ماورا :

(نیچے سر کئے اثبات میں سر ہلاتی ہے۔)

خالہ :

سجاد! یہ سب تمہاری سائیاں ہیں۔

لڑکیاں :

کیا؟

خالہ :

انہیں جوتی چھپائی دے سکتے ہو؟

سجاد : میرے پاس اس وقت صرف یہ گھڑی باقی رہ گئی ہے۔ (اتار کر اسے بچ کر یہ برابر بانٹ سکتی ہیں۔)

نی نی : ہائے اللہ خالہ جان یہ کیا ڈرامہ ہے۔ (گھڑی لے لیتی ہے)

نوشی : یہ کون ہیں اور یہ کیا ہو رہا ہے۔

گنبد : بور۔

راحت : خالہ جان گاڑی آگئی ہے پورچ میں۔

تارا : یہ ہمارے دولہا بھائی ہیں راحت۔

راحت : دفع، بکواس، شرم نہیں آتی۔

سجاد : میرے ساتھ چلو گی ماورا؟

ماورا : (اثبات میں سر ہلاتی ہے)

لڑکیاں : ہائے میرے اللہ۔

سجاد : پاسپورٹ ہے۔

ماورا : (اثبات میں سر ہلاتی ہے)

سجاد : گرم کپڑے ہیں؟

ماورا : (نفی میں سر ہلاتی ہے)

سجاد : کینیڈا میں کلفتی جم جائے گی تمہاری۔

لڑکیاں : کینیڈا۔

سجاد : کیوں کینیڈا کا نام نہیں سنا کبھی۔ اتنا بھی جغرافیہ نہیں آتا۔

اٹھو ماورا۔

(ماورا اٹھتی ہے۔ سجاد اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔)

خالہ : ذرا ٹھہرو سجاد میں اس کا پاسپورٹ اور اپنی لادوں۔ (جاتی ہے)

سجاد : زیادہ بھاری نہ ہو خالہ میرے ساتھ پہلے ہی بہت سالن ہے۔

گنبد : آپ کون ہیں مسٹر۔

سجاد : واہ جوتی چھپائی لے کر بھی پوچھ رہی ہو۔

(خالہ آکر انہی اور پاسپورٹ الگ الگ سجاد کو دیتی ہے)

دونوں چلنے لگتے ہیں۔ خالہ بیٹی کو ساتھ چٹا لیتی ہے۔ سر پر پیار دیتی

ہے۔ پھر سجاد کے سر پر پیار دیتی ہے۔ لڑکیاں حیران پریشان کھڑی

ہیں۔ اور وہ دونوں فیلڈ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ موٹر کے شارٹ

ہونے کی آواز۔۔۔۔۔ خالہ آرام سے کرسی پر بیٹھ جاتی ہے لڑکیاں

اس کے گرد گھیرا ڈال لیتی ہے۔)

خالہ کون تھا یہ لڑکا؟

نی نی :

سچ خالہ آپ بڑی سپورٹی ہیں آپ نے تو بیاہ شادی کا پورا سین بنا دیا۔

راحت :

کہاں چھپایا ہوا تھا اس لڑکے کو آپ نے؟

نوشی :

ہائے اللہ بھی یہ اب لبا چکر کاٹ کر واپس نہ آئیں۔

تارا :

ہم بور ہو جائیں گے نہیں تو۔

گنبد :

مری کیوں جاری ہو گنڈ گھر کاٹ کر آجائیں گے۔

واسے :

یہ کب آئیں گے خالہ واپس دولہا دلہن۔

نی نی :

جب اس کو منظور ہو گا۔۔۔۔۔ (آنکھ سے آنسو کو انگلی پر اٹھا کر ہوا میں جھکتی

خالہ :

ہے) چلو تم چل کر سو رہو اپنے کمرے میں۔

(آخری فقرہ سن کر لڑکیوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ

جاتے ہیں کیمرو ایک ایک کا کٹ دکھاتا ہے اور بیک گراؤنڈ میں

منور سلطانہ کا ریکارڈ فیڈ ان ہوتا ہے۔

کنکناں لیاں نی مائیں

دھیاں کیوں ہمیاں نی مائیں

(خالہ کی آنکھوں میں آنسو ہیں اور لڑکیاں حیرانی سے اس کا

منہ نگے جاتی ہیں۔)

بزغالہ اور پچہ زاغ

کردار:

- ◆ شہنشاہ جمائگیر
- ◆ اعتماد الدولہ
- ◆ روپ خواص
- ◆ بخت النساء بیگم
- ◆ فرقان علی
- ◆ شاہ عالم
- ◆ شمس الدین
- ◆ سپاہی
- ◆ ارادت مند نمبر ۱--۲--۳--۴

(یہ سیٹ چھوٹا ہے اور شہنشاہ جمائگیر کی خواب گاہ کا ایک کونا دکھاتا ہے لیکن نہایت آراستہ اور مزاج شہنشاہی کے مطابق جمائگیر اس وقت اطلس و کم خواب کے ایک شاہی چھپر کھٹ پر نیم دراز ہے اور اس نے سادہ لباس پہن رکھا ہے۔ سفید انگرکھا کانوں میں ایک ایک موتی، گلے میں موتیوں کی مالا، شاہ پر سر درد کا دورہ پڑا ہے۔ قریب ہی ایک پتائی پر شراب ارغوانی کے کنسر پڑے ہیں اور نہایت نفیس چینی کی پیالیاں دھری ہیں۔)

شاہ کے پلنگ سے ہٹ کر ایک چھوٹی مرصع چوکی پر اعتماد الدولہ دو زانو بیٹھا ہے اور توزک جمائگیری کا قلمی مسودہ لکھ رہا ہے ان دونوں کے درمیان استاد محمد ثانی، بانسری نواز قالمیں پر بیٹھا ہے۔

جس وقت منظر کھلتا ہے بانسری کی آواز آ رہی ہے۔ شاہ، گلاب کا پھول ہاتھ میں لئے تفکر کے انداز میں بیٹھے ہیں۔ کبھی کبھی ماتھے پر ہاتھ لے جاتے اور پھر چھت کی طرف تکتے لگتے ہیں۔

اعتماد الدولہ قرائین سے بھانپ جاتا ہے اور اشارے سے استاد محمد ثانی کو بانسری بجانے سے روکتا ہے۔ جونہی بانسری بند ہوتی ہے جمائگیر متوجہ ہوتا ہے اور گلے سے موتیوں کی مالا اتار کر نے نواز کو دیتے ہوئے کہتا ہے۔

شاہ: ہر چند کہ ہماری طبیعت آج کل کسی طرف مائل نہیں ہوتی نے نواز لیکن یہ تمہارے کمال فن کا اعتراف ہے۔

(نے نواز کو ریش بجالا کر مالا لیتا ہے اگلے قدموں سے فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

اعتماد: جہاں پناہ! اگر اجازت ہو تو حکیم رکنا کاشی یا حکیم مسیح الزماں کو طلب کیا جائے۔

شاہ جمائگیر: تم کو کیا بتائیں اعتماد الدولہ کہ یہ درد سر کیسا ہے اور اس سے ہمارے دل پر کیا گزرتی ہے۔

اعتماد: چتر خاں کو طلب کیا جائے جہاں پناہ؟۔۔۔۔ شاید اس کی آواز اندوہ رہا ثابت ہو۔

جہانگیر: (اپنے آپ سے) اعتماد الدولہ۔ کشمیر کے زعفران زار میں جب وہاں کے لوگ شملوں کے آگے بھولیاں باندھ کر زعفران اکٹھا کرتے ہیں تو ان کے سر میں مطلق درو نہیں ہوتا حالانکہ ان کھیتوں کے کنارے لمحہ بھر کو ٹھہرنا بھی قیامت ہے۔

اعتماد: وہ عادی ہو جاتے ہیں جہاں پناہ۔

شاہ: لیکن ہم زندگی کے زعفران زار کے عادی کیوں نہ ہو گئے اعتماد الدولہ، ہمیں یہ رنگ و بو کی پنچاں اس کیوں نہ آئی۔ ہم کیوں تھک گئے۔ ہم کیوں نہ بھول سکے اس منظر کو۔ جب خسرو کی والدہ نے ایون کھا کر خودکشی کی ہم کیوں نہ بھول سکے۔ اس دن کو جب خرم کی بیٹی ہماری آنکھوں کے سامنے ہم سے جدا ہوئی اس شگفتہ پھول کو اس کے والدین بھول گئے پر ہماری طبیعت پر کیوں بوجھ سالد رہتا ہے اس کی یاد میں۔

اعتماد: یہ اپنے اپنے مزاج اور اپنے افتاد طبع کی بات ہے جہاں پناہ۔

شاہ: ہم کیا لکھوا رہے تھے آپ کو اپنی تونک میں۔۔۔۔ یاد آیا۔ ۲۳ ماہ فرودیں ایک ہزار چھیس ہجری۔ ہفتے کے روز ہم موضع ہار پچہ سے روانہ ہوئے اور پونے پانچ کوس کا فاصلہ طے کر کے قریہ کے تالاب کنارے قیام کیا۔ یہ تالاب شہر احمد آباد کے بانی سلطان احمد کے پوتے قطب الدین محمد نے بنوایا تھا۔

اس وقت بخت النساء بیگم، روپ خواص کے ساتھ داخل ہوتی ہے روپ کے ہاتھ میں چاندی کا طشت ہے جو خوبصورت سروپوش سے ڈھکا ہے اس میں کاریز کے خربوزے اور بنگالے کے سنگترے ہیں۔ اعتماد الدولہ اٹھ کر کورنش بجالاتا ہے روپ بھی جھک کر سلام کرتی ہے۔

بخت النساء: نور الدین تم کو ہمارے آنے کی اطلاع کردی گئی تھی۔

شاہ: آپ بلا اطلاع دیئے ہی تشریف لائیں تو یگانگت کا احساس ہوتا ہے، پھوپھی حضور۔۔۔۔

بخت: اب طبیعت کیسی ہے؟

شاہ: آپ کو دیکھ کر کلفت کا احساس باقی نہیں رہتا۔

بخت: ہم تمہارے لئے ایک سوغات لائے ہیں سلیم۔

شاہ: آپ کی عنایات نے پہلے ہی ذرے کو آفتاب بنا رکھا ہے۔

بخت: روپ! آگے لاؤ طشت۔ (سروپوش اٹھا کر سندھ کی کاریز کے خربوزے اور بنگالے کے سنگترے۔

شاہ: آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ پھوپھی حضور لیکن ابھی طبیعت ادھر مائل نہیں ہے۔۔۔ روپ طشت رکھ دو۔

(روپ طشت رکھ کر لئے پاؤں واپس چلی جاتی ہے)

شینو!

بخت: ارشاد پھوپھی حضور۔

بخت: ہم تمہارے دکھانے کو کچھ اور بھی لائے تھے۔

شاہ: عنایت

بخت: (آگے بڑھ کر طشت سے ٹہنی اٹھاتے ہوئے) یہ برگ خاص تمہاری توجہ کا مستحق ہے۔

شاہ: اس کا مکمل؟

بخت: ذرا ہاتھ لگاؤ اس کی پتیوں کو۔ (جہانگیر ہاتھ لگاتا ہے)

شاہ: تعجب۔

بخت: اس پودے کو یہاں کے لوگ لاجوئی کہتے ہیں۔

شاہ: اس پودے کے سر میں بھی درد رہتا ہوگا۔ یہ بھی ہماری طرح سے انگشت نمائی کا متحمل نہیں ہے۔۔۔۔ ہم سے جب کبھی انصاف نہیں ہو پاتا اور ہم ظلم کر بیٹھتے ہیں تو ہماری طرف بھی فضاء میں اسی طرح سے کنائے کی انگلیاں آگے بڑھتی ہیں اور ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ جب ہم خوشامد سے نفرت کرتے ہیں اور پھر بھی اس کا فریب کھا جاتے ہیں تو علیحدگی میں ہم پر بھی لاجوئی کی سی کیفیت گزرتی ہے۔ ہم بھی جب کسی کے دکھ کا درد اپنے دل کے قریب پاتے ہیں اور ہزار کوشش کے باوجود اس کی مدد نہیں کر سکتے۔۔۔۔ اور ہم بھی جب موت کو قوی تر اور زندگی کو مجبور محض دیکھتے ہیں تو ہمارا دل بھی اسی طرح مرجھا جاتا ہے۔

بخت:

شہنشاہ: (عدل جہانگیری کی زنجیر میں حرکت ہوتی ہے اور بے شمار چھوٹی بڑی گھنٹیوں کی صدائیں محل میں گونجنے لگتی ہیں جہانگیر آہستگی سے برگ اپنے تکیے پر رکھتا ہے اور چمت کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔)

اعتماد:

لیکن آج تو جہاں پناہ کی طرف سے دربان کو حکم دے دیا گیا تھا کہ فرمانروائے ہندوستان کی طبیعت نامسا ہے۔

(گھنٹیوں کے شور میں دور دور سے آوازیں آنے لگتی ہیں۔) باادب بالملاحظہ ہوشیار۔۔۔۔۔ باادب بالملاحظہ ہوشیار سلطان زماں، شہنشاہ اقلیم ہندوستان نور الدین محمد جہانگیر تشریف لاتے ہیں یاادب بالملاحظہ ہوشیار۔)

شاہ:

کوئی بد نصیب، ستم رسیدہ ایسا ہوگا جس کا دماغ زہر غم نے ماؤف کر دیا ہوگا۔ ایسا اجل نصیب دربانوں کو کب خاطر میں لائے گا اور دور باشوں کی کیا پرواہ کرے گا۔

اعتماد:

(اٹھ کر) میں جا کر اسے منع کرتا ہوں۔

شاہ:

بادشاہ جب تک زندہ ہے اعتماد الدولہ، اسے عدل کے کٹرے میں حاضر رہنا ہی پڑتا ہے۔ بیماری اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔

بخت:

لیکن اس وقت ایسی گراں طبیعت کے ساتھ تم جھروکے میں کیسے جا سکتے ہو نور الدین۔

شاہ:

دربانوں سے کہہ دیجئے کہ وہ فریادی کو ہماری خوابگاہ میں پیش کریں۔

(اعتماد الدولہ کورنش بجا لا کر چلا جاتا ہے۔ بخت اٹھ کر بغلی دروازے کی جانب جاتی ہے اور کہتی ہے۔)

بخت:

ہمارے خیال میں فریادی کو اپنی صحت یابی کے بعد بھی طلب کیا جا سکتا تھا۔

شاہ:

دودمان تیموری کے فرزند اس وقت تک اپنے وعدوں پر قائم رہتے ہیں۔ جب تک موت کا تیغ ان کی زندگی کی طنائیں نہیں کاٹ دیتا ہم نے اپنی رعایا سے وعدہ کر رکھا ہے پھوپھی حضور۔

(بخت چلی جاتی ہے۔ جہانگیر اپنے دونوں ہاتھوں کی کنگھی

سینے پر ڈال کر سوچنے لگتا ہے۔ فریادی کی آواز دور سے فیڈ ان

ہوتی ہے پہلے اعتماد الدولہ، پھر دودمان شمشیر بکف فریادی کو اپنے

درمیان لے کر حاضر ہوتے ہیں۔)

فریادی:

میں لٹ گیا جہاں پناہ، میں تباہ ہو گیا میری مدد شاہ۔ میری دیکھیری فرا۔۔۔۔۔ تو ہندوستان کا شہنشاہ اور آل تیموری کا منصف زمان ہے میرے ساتھ انصاف کر۔ جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اس سے پوچھ۔ پوچھ شہنشاہ کہ تو وقت کا بادشاہ اور مہاراجوں کا مہاراجہ ہے۔

جہانگیر:

تم پر کس نے ظلم کیا فریادی۔

سپاہی:

تو وقت کا بادشاہ ہو کر مجھ سے پوچھتا ہے تم پر کس نے ظلم کیا فریادی۔۔۔۔۔؟ اتنی بڑی سلطنت کا فرمانروا ہو کر اپنے ایک سپاہی سے پوچھتا ہے تم پر کس نے ظلم کیا۔ میرے ساتھ انصاف کر۔ نہیں تو میں ان سنگلاخ دیواروں سے سر پھوڑ کر مر جاؤں گا۔ (دربان تلواریں سونپتے ہیں)

شاہ:

ٹھہرو ہمیں فریادی سے بات کرنے دو۔۔۔۔۔ کو فریادی تم پر کس نے ظلم کیا۔ ہم تمہاری دادرسی کریں گے۔

سپاہی:

میں نے دودمان مغلیہ کا نمک کھایا ہے شہنشاہ اور اپنی خدمت گزاری کا صلہ مانگتا ہوں۔ خسرو جم جاہ۔ میرا باپ سپاہی تھا جو ظل الہی کی فوج میں بہت بھال کے ساتھ لڑا اور اپنی جان شہنشاہ پر پھینک کر دی۔ میرے دادا نے غلہ آشیانی شہنشاہ ہمایوں کی وفاداری میں اپنی جان قربان کر دی۔

شاہ:

ہمیں تمہاری وفاداری اور جانثاری پر کامل یقین ہے۔

سپاہی:

میں تسخیر دکن میں شاہ خرم کے خیر خواہوں میں سے تھا میں نے عادل خاں کے ہر اول دستوں میں کئی قلعے اور کوٹ فتح کئے۔ گیارہ سال اور چھ مہینے تک میں تیرے تخت و تاج کی حفاظت میں دشتوں اور صحراؤں میں اپنا خون بہاتا رہا۔ اور پرسوں جب میں چوبیس بڑی مہمیں سر کرنے کے بعد واپس اپنے گھر پہنچا تو میری دنیا اندھیر ہو گئی۔ تو انصاف پسند اور عدل گستر شہنشاہ ہے۔ مجھے میرا بیٹا واپس دلا۔ نہیں تو میں تیرے سامنے جان دے دوں گا۔

شاہ:

ہم تیرے بیٹے کو واپس دلانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

سپاہی:

میں نے اور میرے باپ دادا نے ساری عمر سلطنت مغلیہ کی جڑیں مضبوط کرنے میں صرف کر دی اور جب میں اس۔

شاہ:

ہم تمہارے احسانات کی تفصیل سے بغیر تمہاری مدد کرنے کو بے قرار ہیں۔

سپاہی:

میرا خور و قربان علی چار سال کا تھا جب میں اسے پالنے میں سوا پھوڑ کر بنگالے

کی تسخیر کو روانہ ہوا۔ کل وہ پورے پندرہ سال اور چھ مہینے کا تھا جب میں نے اس ذہین نوجوان کا بلاش چہرہ دیکھا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اے ہندوستان کے بادشاہ مجھے میرا بیٹا واپس دلا اور مجھے موت کے منہ سے بچا۔

شاہ:

لیکن موت پر ہمارا بس نہیں چلتا۔ سرھنگ زاوے۔

سپاہی:

اگر تیرا اس پر زور نہیں چلتا تو پھر تو اپنے آپ کو کیتی پناہ کیوں کہتا ہے پھر تو نے عدل کی سنہری زنجیریں کیوں اپنے در و دیوار کے ساتھ لپیٹ رکھی ہیں۔ پھر تو کیوں عادل کہلاتا ہے۔

شاہ:

ہم سب اس کے سامنے تیری طرح بے بس اور بے نوا ہیں۔

سپاہی:

تو وقت کا بادشاہ ہے شاہ۔ اگر تو اس کے حضور میں روئے گا، گڑ گڑائے گا میری سفارش کرے گا تو وہ تیری بات ضرور مان لے گا۔

شاہ:

ہم مجبور ہیں سپاہی۔

سپاہی:

اور اگر میں اور میرا باپ بھی تیرے اور تیرے باپ کے سامنے یہ کہہ کر ہتھیار رکھ دیتے کہ ہم مجبور ہیں تو پھر تمہاری بادشاہت کا خاتمہ نہ ہو جاتا؟

شاہ:

ہم تمہارے غم میں برابر شریک ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ اس وقت تمہارے دل پر کیا کیفیت گزر رہی ہے۔ لیکن اس کے دربار میں تو ہماری فریاد کا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا۔

سپاہی:

(زمین پر گر کر) مجھ پر رحم کر شاہ۔ مجھ پر ترس کھا۔ میں نے تیرے عدل کی زنجیر کو ہلایا ہے۔ مجھے انصاف کی بھیک عطا کر اگر تو نے آج میری مدد نہ کی تو تیری فوج کا ہر سپاہی تجھ سے بددل ہو جائے گا۔

شاہ:

اعتماد الدولہ اس رنجور کو شاہ عالم کے حضور میں لے جاؤ کہ وہ اس کے حق میں دعا کریں اور اس کے قلب کو سکون کی دولت سے مالا مال کر دیں۔

سپاہی:

مجھے سکون قلبی نہیں چاہئے شاہ مجھے اپنا بیٹا چاہئے۔ اپنا قربان علی چاہئے۔ اپنے خاندان کا نام چلانے والا چاہئے۔

شاہ:

لے جاؤ اسے اعتماد الدولہ کہ یہ سوختہ بخت اپنے آپے میں نہیں۔

اعتماد:

فریادی کو لے چلو۔

(دونوں دربان فریادی کو بازوؤں سے پکڑ کر لے چلتے ہیں وہ

تلملاتا ہے۔ نالہ و شیون کرتا ہے۔ ان کے ہاتھوں سے نکلنے کی

کوشش کرتا ہے۔)

سپاہی:

میں نہیں جاؤں گا ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جب تک تیرے قلعے کی سنگین دیواروں اور میرے سر میں سے ایک بھی باقی ہے۔ میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا شاہ۔ میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ میں نہیں جاؤں گا نہیں جاؤں گا نہیں جاؤں گا۔

(اس کی چیخیں دور ہوتی جاتی ہیں۔)

کت

سین 2

ان ڈور

شام

شاہ عالم کا تکیہ دکھاتے ہیں یہ ایک کھلی جگہ ہے۔ ایک جانب حجرے کا دروازہ اور حجرے کی دیوار ہے۔ دروازے کے سامنے دو سیڑھیاں ہیں دوسری طرف شاہ عالم کا تخت پوش ہے۔ جس پر اس وقت وہ بیٹھے ذکر اذکار میں مشغول ہیں ان کے پاس ان کا صاحبزادہ شمس الدین بیٹھا ہے۔ یہ بیس برس کا نکلتا ہوا نوجوان ہے چھوٹی سی سیاہ داڑھی ہے اس کے چہرے پر کچھ ایسا قدرتی نور ہے کہ دیکھتے ہی اس کی شخصیت پر اعتبار آ جاتا ہے۔ شمس اس وقت وہ سب باتیں لکھنے میں مشغول ہے۔ جو شاہ عالم اور اس کے ارادت مندوں میں ہو رہی ہیں۔ تخت سے نیچی سطح پر چھ ارادت مند نہایت مودب بیٹھے ہیں۔

ارادتمند: حضور اگر یہ بات گستاخی پر محمول نہ ہو اور مراد اس سے کچھ کفر و الحاد نہ لیا جائے تو ناہنجیر ایک سوال کرے۔

شاہ: اگر ارادہ تمہارا کفر والحاد کا نہیں ہے اور گستاخی کو برا جانتے ہو تو بلا تکلف سوال کرو۔

ارادتمند ۲: حضور! کئی بار میں اللہ کی راہ پر آیا اور کئی بار بھاگا۔ یوں جیسے آگ دیکھ کر گھوڑا بدک جاتا ہے اور سرپٹ پیچھے کی طرف بھاگتا ہے یونہی آقا شک فحالت بہاتا میں راہ دین سے لوٹا۔
وجہ؟ ثروت بیک؟

شاہ: حضور میں۔۔۔۔۔ نے دیکھا ہے کہ اللہ کے پیاروں کی منزلیں کھٹن ہوتی ہیں اس کا عتاب ان پر وہ چند اور عذاب، مفصل نازل ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت ان کے لئے نہیں ہوتی۔

شاہ: لکھو شمس۔۔۔۔۔ ثروت بیک اگر ہم اس دنیا کو مثل ایک امتحان گاہ کے سمجھیں تو یہ مسئلہ تم کو سمجھ آ جائے گا۔ (شمس لکھتا ہے)۔
جس قدر انسان دنیاوی خواہشات کا پابند ہو گا اور رضائے الہی کا کم متلاشی ہو گا۔ وہ چھوٹی چھوٹی آزمائشوں سے دوچار ہو گا جوں جوں اعلیٰ درجوں میں نفس کی تنظیم کرتا پہنچے گا اس کے امتحان، اس کی آزمائشیں، اس کی منزل مشکل ہوتی جائے گی دنیا تو اللہ کی محبت کی آزمائش گاہ ہے ثروت بیک کوئی دو قدم چل کر تھک گیا کوئی دس گام پر بے سدھ ہو گیا کسی کو دو کوس پر نیند آگئی کوئی دس فرسنگ چل لیا۔ کوئی کوئی آشفستہ سر نہار دنیا سے گزر کر کندن ہوتا ہے۔ ثروت بیک۔

ثروت: حضور! خاتم برہن۔۔۔۔۔ لیکن ظالم کی رسی کیوں دراز ہے اس کو غفور الرحیم سے ظلم کرنے کی استعداد اور مہلت اس قدر کیوں ملتی ہے۔

شاہ: اس کی دو وجوہات ہیں ثروت بیک۔ لکھو شمس! ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس پر لوٹ آنے کی مہلت خدائے بزرگ و برتر کم نہیں کرنا چاہتا۔ کبھی تم نے اس ماں کو دیکھا ہے ثروت بیک جو بچے کو مکتب میں لاتی ہے۔ بچہ بھاگتا ہے بدکتا ہے چوری نکل جاتا ہے مکتب سے۔ ماں لالچ دیتی ہے کبھی سکے کا۔ کبھی کھانے پینے کی چیزوں کا۔ کبھی کبھی مکتب میں لانے کے لئے ظلم کا بھی لالچ دینا پڑتا ہے۔ کیونکہ دنیاوی آدمی کو بس اسی چیز کا شوق ہوتا ہے۔

ثروت: اور دوسری وجہ شاہ علم و دین۔

شاہ: دوسری وجہ اسباب کی ہے ظالم آدمی دراصل ایک آلہ ہے اسباب کے ہاتھ میں۔ وہ اللہ کے بندوں کو آزمانے کا سبب بنتا ہے ثروت بیک۔ اس کے بغیر صابر آدمی کی آزمائش کیونکر ہوتی۔

(اس وقت اعتماد الدولہ اور سپاہی داخل ہوتے ہیں۔ اعتماد الدولہ نے سپاہی فرقان کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہے لیکن سپاہی اس وقت نہایت (Sulky Mood) میں ہے۔ اعتماد الدولہ کورنش بجا لاتا ہے۔)

اعتماد: فرقان علی! آگے بڑھ کر شاہ عالم کے قدم پکڑ لو۔ یہی تمہارے سکون قلب کے لئے دعا کریں گے۔

سپاہی: (سپاہی اعتماد کا ہاتھ کندھے سے جھٹک دیتا ہے۔)
سکون قلب کی دعا وہ آپ کے لئے کریں یا آپ کے شہنشاہ کے لئے دعا کریں۔ میں تو پابہ جولان آگیا ہوں بد نصیبی سے۔
(اب سپاہی الگ تھلک منہ تھٹھائے بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی تھوڑی سی کر شاہ عالم کی طرف ہے۔)

شاہ: اعتماد الدولہ! آج شاہوں کا تقرب چھوڑ کر ادھر کیونکر گزر ہوا۔
اعتماد: آپ کے حضور میں التجا کرنا تھی کہ اس سرہنگ زادے کے حق میں دعا کریں۔

سپاہی: (سپاہی غصے سے) ایک بار کہہ جو دیا کہ مجھے دعا کی ضرورت نہیں۔ نہیں نہیں۔ فرشتہ مرگ اس کا جوں سال بیٹا اپنے ساتھ لے گیا۔ لاش اس کے صحن میں پڑی ہے اور یہ دیوانہ نہیں مانتا کہ اس معاملے میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

سپاہی: سب کو ہم نے دیکھ لیا ہے کہ شاہ ملک، کیا شاہ دین؟ یہاں بھی کچھ نہیں ہے۔ یہ ہمیں کسی اور جگہ بھیج دیں گے۔ ہمارے لئے اب ٹھو کریں ہی ٹھو کریں ہیں۔ اندھیرا ہی اندھیرا۔ موت ہی موت ہے۔

(ایک ارادتمند اٹھ کر ٹھلیا سے مٹی کے آنچورے میں پانی ڈالتا ہے اور سپاہی زادے کے پاس لے جاتا ہے۔)

شاہ: ہمیں حکم دو فرقان علی؟ ہم تمہارے سکون قلب کے لئے دعا کریں۔

(سارے ارادتمند اور شمس ہاتھ اٹھاتے ہیں۔)

سین 3

ان ڈور

کچھ دیر بعد

ارادہ مند ۲:

شمس:

فرقان:

ارادہ مند ۲:

فرقان:

اعتقاد:

فرقان:

اعتقاد:

فرقان:

(یہ شاہ عالم کے حجرے کا اندرونی حصہ ہے یہاں عجیب قسم کی بے سرو سامانی اور بے سرو پائی ہے ایک نیچی پلی پر دو چار کپڑے اور ایک سیاہ کبیل لٹکا ہوا ہے کمرے کے اندر ایک طرف بدھنی اور ٹھلیا پڑی ہے۔ ایک چھوٹی سی مٹی کی منڈیر کمرے میں موجود ہے صف بجھی ہے طاق میں قرآن کریم رکھا ہے چھت سے پھونس لٹک رہا ہے شاہ عالم کو اڑ کھول کر اندر داخل ہوتے ہیں۔ پچھلے سین کی آواز ہلکی ہلکی آتی رہتی ہے۔ شاہ عالم کے ماتھے پر پسینے کے آثار ہیں وہ یہاں حجرے میں آکر چند ٹائینے چپ چاپ کھڑا رہتا ہے پھر پلی پر سے کبیل اوڑھتا ہے جیسے اسے ٹھنڈ لگ رہی ہو۔ پھر وہ دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھاتا ہے اور منہ میں کچھ کتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک پیغمبر کا سا صبر، استقلال اور دکھ ہے۔ یہاں سے یہ منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے اور ہم باہر آتے ہیں شمس اب قریان علی کے پاس کھڑا ہے۔)

فرقان:

(تقریباً لگا کر بھاگ گیا بھاگ گیا پہلے اس شاہ کی درگاہ میں گیا تھا۔ جو عادل کہلاتا ہے، وہ بھی بزدل نکلا، یہ بھی بزدل نکلا، بھاگ گیا؟ سب دیکھ لئے ملک و دین کے شاہ سب دیکھ لئے۔۔۔۔۔ بھاگ گیا وہ دیکھا تم سب نے بھاگ گیا۔)

اعتقاد:

فرقان علی! تم اس وقت ہوش و حواس کھو بیٹھے ہو۔ ہم کو افسوس ہے لیکن، بے ادبی کی ایک حد ہوتی ہے۔ طبیعت کو سنبھالو۔

(شمس اس وقت فرقان کے پاس بیٹھ کر اسے پنکھا بھیننے لگتا ہے۔)

شمس:

انہیں کچھ مت کہئے۔

سین 5

کٹ

آپ اس خدمت کا موقعہ ہمیں دیں حضور۔
نہیں ہمیں راحت ملتی ہے اس طرح۔

تو کون ہے؟ تیری آنکھیں۔۔۔۔۔ تیرا یہ فراخ ہاتھ؟۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ ہونٹ کیوں ہے تو؟

یہ حضور شاہ عالم کے فرزند ہیں۔

فرزند ہے اس کا؟ جس نے مجھ پر اپنے حجرے کا دروازہ بھی بند کر لیا؟ یہ بھی دیباہی ہو گا۔

جس کا تم کو اس قدر غم ہے فرقان علی اگر وہ بڑا ہو کر تمہارا دشمن بن جاتا تو۔
لیکن زندہ رہتا۔۔۔۔۔ زندہ تو رہتا۔

اگر وہ رہن لیرا قزاق، قاتل نکل آتا تو۔

ہر ڈاکو ہر رہن ہر قاتل کو کوئی نہ کوئی تو روتا ہی ہے۔ لوگ ان کے جنازوں سے بھی لپٹ لپٹ کر رویا کرتے ہیں تیرا باپ مسیحا ہے تو کچھ اسے کہہ۔ کبھی بیٹے کی بات بھی باپ سنی ان سنی کر سکتا ہے۔

(ایک دم پھر شمس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کا گریبان پکڑتا ہے۔)

(اب فرقان دیوانوں کی طرح کبھی شمس کے بالوں کو کبھی اس کے گالوں کو سہلانے لگتا ہے اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔)

تیرے چہرے کو چھو کر مجھے لگتا ہے جیسے قریان علی زندہ ہے اس کے سانس سے بھی یہی خوشبو آتی تھی۔۔۔۔۔ تو کون ہے۔۔۔۔۔ سچ بتا۔۔۔۔۔ یہ نہ ہو میں آنکھیں کھولوں اور میرے سامنے۔۔۔۔۔ شاہ عالم کا بیٹا بیٹھا ہو۔ میں اسے دیکھنا نہیں چاہتا میں تو قریان علی کا باپ ہوں بد نصیب، برگشتہ اختر، بے مقدور۔

(فرقان علی کی آنکھیں بند ہیں شمس آہستہ سے اٹھ کر حجرے کی طرف جاتا ہے فرقان کی بند آنکھوں سے آنسو گرنا ہے منظر بدلتا ہے۔)

ان ڈور

چند لمحے بعد

(دروازہ کھلتا ہے شمس داخل ہوتا ہے باپ کبل اوڑھے
محسم نیاز مندی کے عالم میں کھڑا ہے۔)

شمس: ابا جان۔

شمس: جان پدر۔

شمس: آپ نے فرقان علی کی تشفی نہیں کی؟

شمس: مشیت ایزدی میں کسی کو دخل نہیں شمس الدین۔

شمس: آپ نہیں جانتے کہ اس تیرہ بخت کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

شمس: ہم خوب جانتے ہیں۔

شمس: آپ جانتے تو اس سرد مری سے اٹھ کر نہ چلے آتے۔ اس خستہ جان کو چھوڑ کر۔

شمس: یہ دنیا آزمائش گاہ ہے شمس۔

شمس: ہم تو نہ جانتے تھے کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو اس طرح سرسامل چھوڑ دیا ہو۔

شمس: تو نہیں جانتا آج ہمیں اپنے آپ سے خوف آ رہا ہے۔

شمس: وہ روتا رہا چلاتا رہا۔ آپ دیکھتے رہے آپ کو دعا مانگنے کے لئے اس کے حکم کی کیا ضرورت تھی؟ آپ اس کے لئے دعا کرتے تو خدا کیا نہ سنتا؟

شمس: سنتا۔۔۔۔۔ پر۔

شمس: آپ کو تو خدا نے اس قدر قدرت دی ہے ابا۔ کہ آپ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے پھر اس پر رحم کیوں نہیں، کیوں نہیں، کیوں نہیں؟

شمس: زاغ کے بچے کی طرح شور مت مچا شمس۔ کوئے کا بچہ کبھی میر چشم نہیں ہوتا۔

شمس: بھوکا ہوتا ہے تو بھی چلاتا ہے پیٹ بھر جائے تو بھی کائیں کائیں کرنے سے باز نہیں آتا۔

شمس: میں کیا کہہ رہا ہوں۔ آپ کیا جواب دے رہے ہیں۔

شاہ:

کسی زمانے میں ہم اس کے کارخانے میں جذب و مستی کے عالم میں دخل اندازی کیا کرتے تھے ہم اس کی مصلحت سے نا آشنا تھے۔ اب ہم جانتے ہیں جو کچھ ہوتا ہے یا ہونے والا ہے ناگزیر ہے۔ جا اور اس کے پاس بیٹھ۔

شمس: میں اس وقت تک باہر نہیں جاؤں گا جب تک آپ قربان علی کے زندہ ہونے کی دعا نہ کریں گے۔

شمس: کیا مجنوںوں کی سی باتیں کرتا ہے۔

شمس: (منہ تھمتھا کر) میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے اس کم نصیب کی آہ و زاری دیکھی نہیں جاتی۔

شمس: (اب شاہ عالم بالکل فرقان علی کی طرح آنکھیں بند کر کے شمس کا چہرہ چھوتا ہے اور بولتا ہے۔)

شمس: ادھر میرے پاس آ شمس۔۔۔۔۔ یہ چہرہ، یہ آنکھیں۔۔۔۔۔ یہ ہونٹ مجھے بڑی گریہ و زاری کے بعد ملے ہیں۔ میں نے اپنی ساری عمر میں کبھی کوئی آرزو نہیں کی۔ میری ہوس۔ میرا لالچ، طمع سب کچھ تو ہے شمس۔

شمس: آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ دعا کیوں نہیں مانگتے آپ۔ کیوں سرسجود نہیں ہوتے۔ تاخیر کیوں؟ سوچ کیسی۔

شمس: چپ ہو جا پچہ زاغ، خاموش ہو جا۔

شمس: ہم یہاں اس رب العزت کی مصلحت کو سمجھنے کے لئے نہیں آئے۔ صرف زخموں پر پھلایا رکھنے کے لئے، شفاعت کرنے کو، بے کسوں، مظلوموں کی فریاد رسی کو آئے ہیں قربان علی کو زندہ کر دیجئے۔

شمس: (آہستہ) تو مسلک ابراہیمی سے آگاہ ہے شمس الدین۔

شمس: (ذرا خوفزدہ ہو کر) مسلک ابراہیمی۔۔۔۔۔

شمس: پہلے ہم قیمت ادا کئے بغیر سودا مول لیا کرتے تھے جو کچھ وہ ہم سے طلب کر لیتا ہم معاوضہ دیئے بغیر وہ سب واپس چھین لیتے۔ ہم مجذوب تھے اور سمجھتے تھے کہ خلق خدا کی بہتری کو ہم اس سے بہتر سمجھتے ہیں پھر ہم نے اس کے کاموں میں دخل دینا چھوڑ دیا اور راضی برضا ہو گئے۔۔۔۔۔ شمس ہمیں مجبور نہ کرو۔

شمس: ہم قربان علی کی قیمت ادا کرنے سے معذور ہیں۔

شمس: وہ سر پٹک پٹک کر مرجائے اور ہم بھی ظلم کی دیوار بنے رہیں اس کے سامنے۔

شمس:

(اس وقت پلٹ کر شاہ دیکھتا ہے تو ٹمس فوت ہو چکا ہے۔
شاہ پاس جاتا ہے اپنے تن کا کبیل اتار کر ٹمس کے اوپر ڈال دیتا ہے
آہستہ آہستہ ایک آنسو اس کی گال پر گرتا ہے۔)

کے

سین 6

ان ڈور

کچھ لمحے بعد

(ارارو تمند اور اعماو الدولہ دست بستہ کھڑے ہیں بادشاہ جمائگیر تحت پوش کے قدموں میں سر جھکائے سینے پر بازو باندھے متشکر بیٹھا ہے اس کے سر پر تاج شای ہے لیکن لباس کم پر تکلف ہے سپای اسی طرح سرنگوں بیٹھا ہے دروازہ کھلتا ہے شاہ عالم باہر نکلتے ہیں بادشاہ مودب ہے دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے شاہ عالم سپای کے پاس جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے اور کہتا ہے۔)

شاہ: فرقان علی اٹھو اور گھر جاؤ۔۔۔۔۔ اپنے بیٹے کی خبر لو کون جانے وہ مرا نہ ہو۔
صرف کتے کا شکار ہو گیا ہو۔

(سپاہی اٹھ کر حیرانی سے شاہ کی طرف دیکھتا ہے۔)

سیاہی ۱: کیا میرے آقا۔

فرقن علی۔ گھر جاؤ، شاید تمہارا فرزند مرانہ ہو اور سکتے کا شکار ہو گیا ہو۔

(اس وقت ایک سپاہی بھام بھاگ داخل ہوتا ہے۔ سپاہی بادشاہ کو دیکھ کر ٹھٹھکتا ہے اور کورنش بجالاتا ہے شاہ عالم مجسم مہر کی تصویر بنے کھڑے ہیں۔)

سپای ۴: جان کی امان پاؤں تو فرقان علی سے کچھ عرض کروں عالی جاہ۔
جماگیر: تمہیں اجازت ہے۔

سپای ۲: میں تمہارے گھر سے آ رہا ہوں فرقان علی۔۔۔۔۔ تمہارا قریان علی زندہ ہے۔
زندہ ہے، سانس لیتا ہے اور۔۔۔۔۔ اور تمہارا نام پکارتا ہے۔

سپای ۱: یہ کیا۔۔۔ کیا کہا؟

سپای ۲: گھر کی عورتیں مین کر رہی تھیں پھر حکیم گور گانی نے سمجھایا ہے کہ سکتے کے
مریض کو رو دیا نہیں کرتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ وہ تجھے بلا رہا ہی جلدی
چل کہ اسے نقاہت بہت ہے۔

سپای ۱: قریان علی زندہ ہے سانس لیتا ہے۔۔۔۔۔ قریان میرا قریان۔

(سپای یکدم خوشی سے آسمان کی طرف دیکھتا ہے پھر بھاگ کر باہر جاتا ہے
دوسرا سپای کورنش بجالاتا ہے اور پھر رخصت ہو جاتا ہے شاہ عالم صبر اور شکر
کے انداز میں ایک لمبی سی آہ بھرتا ہے ہاتھ کے اشارے سے ارادتمندوں کو
بٹھاتا ہے اور خود بھی بیٹھ جاتا ہے۔ اب شاہ تخت کی طرف بڑھتا ہے اور سرے
جماگیر شاہ عالم کی طرف آتا ہے اور دونوں ایک لمحہ کے لئے گہری نظروں سے
ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں پھر جماگیر شاہ عالم کا ہاتھ اٹھا کر اسے بوسہ دیتا ہے۔)
عجب آدمی بے صبر ہے کہ حضور کا شکریہ بھی ادا نہ کیا اور روانہ ہو گیا۔
وہ کچھ اپنے ہوش میں نہیں ہے جواں سال بیٹے کی موت کا صدمہ انسان کو
دیوانہ بنا دیتا ہے۔

اعتماد:

شاہ:

جماگیر:

شہنشاہ اقلیم باطن۔ جو بات آپ کی نظر میں ہے اسے یا تو بادشاہ سمجھ سکتے ہیں یا
فقیر زاوے۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہمارے جد امجد بابر کا کارنامہ ہی عظیم تھا لیکن
ہمیں معلوم نہ تھا کہ ایسے باپ بھی ہوں گے جو دوسروں کے دلوں کی پاسبانی
کے لئے اپنی آنکھوں کا نور قریان کر دیں گے۔۔۔۔۔ ہم خوش نصیب ہیں شہنشاہ
کہ تیری چوکھٹ پر اپنی قبائے سے جاروب کشی کی اجازت رکھتے ہیں۔

(یہ کہہ کر وہ جھک کر اس طرح آداب بجالاتا ہے جیسے روپ خواص اس کے
محل میں آئی تھی پھر وہ الٹے پاؤں واپس لوٹتا ہے۔۔۔۔۔ اعتماد الدولہ بھی بادشاہ
کی نقل کرتا ہے دونوں سیٹ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ شاہ عالم اپنی گدی پر بیٹھ
جاتے ہیں ہلکا سا مسکراتے ہیں۔ اور پہلے ارادتمند کی طرف دیکھتے ہیں وہ سورہ

یسین کا ورد شروع کر دیتا ہے۔۔۔۔۔ ورد جاری رہتا ہے۔ منظر فیڈ آؤٹ ہوتا
ہے۔)

یس ○ والقران الحکیم ○ انک لمن المرسلین ○ علی صراط مستقیم
○ تنزیل العزیز الرحیم ○
ارادتمند:

بہن بھائی

کردار:

(راولپنڈی کے ایک متوسط گھر کے سیڈنگ روم کا سین۔ پلنگ۔ اس کے پائنٹی کی طرف سنگھار میز۔ ساتھ الماری نیچی تپائی۔۔۔۔۔ پائپ کی دو کرسیاں جن پر گول ڈوری والی پلاسٹک رسی سے سیٹ بنی ہوئی ہے۔ بعلی غلخانہ، جس کا مین اس سے اوپر کا آئینہ اور ٹوٹھ مسٹ برش آئی ڈراپس وغیرہ رکھنے کا شیف صاف نظر آ رہا ہے۔

جب سین کھلتا ہے تو اس کمرے سے متعارف کرنے کے لئے ہم کیمرو اس طرح سے گھماتے ہیں کہ جب کیمرو پلنگ کی طرف بڑھتا ہے تو TILT DOWN ہو جاتا ہے اور اس کے پایوں کے پاس سے گزرتا ہے۔ نیچے زمین پر دو خوبصورت سینڈل پڑے ہیں۔ ایک الٹا ایک سیدھا۔ پاس ہی موٹے موٹے منکوں کا ایک ہار بکھرا ٹوٹا پڑا ہے۔ کچھ کالج کی چوڑیاں ٹوٹی پڑی ہیں۔ ایک مصنوعی چوٹی الجھی دھری ہے۔ ساتھ ساتھ خوفناک میوزک بج رہا ہے۔ پھر کیمرو اچانک دروازہ دکھاتا ہے جس میں سیاہ گاؤں بنے ہوئے پروفیسر یوسف دکھائی دیتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں رجسٹر اور انٹاکس کی دو کتبائیں ہیں۔ وہ دہلیز پر رکتا ہے اور ایک BANG کے ساتھ ہم پلنگ دکھاتے ہیں۔ جس پر سفید چادر میں لاش کی طرح لیٹی ہوئی راشدہ پڑی ہے۔ پروفیسر آگے بڑھتا ہے۔ کتبائیں تپائی پر رکھتا ہے۔ چادر کے اوپر ہی سے ہاتھ لگا کر لاش کا ہاتھ چھوتا ہے۔ پھر نیچے دیکھتا ہے جھک کر جوتا اٹھانے لگتا ہے پھر جیب سے رومل نکال کر جوتا رومل میں پکڑتا ہے۔ تاکہ اس پر اس کی انگلیوں

ایک نوجوان لڑکی

راشدہ کا بھائی

راشده کاشوہر

راشدہ کا باپ

◆ **راشده**

♦ یوسف

◆ جلال

◆ نیاز رسول

♦ فقیرنی

◆ چھوٹی راشده

کے نشان نہ پڑ جائیں۔ جو تا غور سے دیکھتا ہے اچانک لاش تڑپ کر اٹھتی ہے۔ اور پردفسر کے ہاتھ سے جو تا چین کر کھتی ہے۔)

راشدہ:

آپ سے کتنی مرتبہ کہا ہے میرے جوتے کو ہاتھ نہ لگایا کریں۔
(راشدہ کی چوٹی جڑ سے پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے) تم سے کتنی مرتبہ کہا ہے مجھے اس طرح خوفزدہ نہ کیا کرو۔

یوسف:

بس اتنا ہی حوصلہ ہے۔

راشدہ:

جی ہاں اتنا ہی ورٹے میں ملا ہے۔

یوسف:

کھانا۔

راشدہ:

کھالیا۔

یوسف:

چائے۔

راشدہ:

لیلی۔

یوسف:

اور یہ گاؤں؟ اسی طرح تشریف لاتے ہیں کالج سے جناب عالی؟

راشدہ:

ہاں جی۔ (گاؤں اتارتے ہوئے) کوئی اعتراض ہے؟

یوسف:

نہیں جی کوئی اعتراض نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ ہماری تو خواہش ہے کہ ہر صبح اسے پن کری غسل فرمایا کریں۔

راشدہ:

(سنگھار میز کی طرف جاتی ہے)

(تپائی پر چڑھتے ہوئے) یہ جو تمہاری علوت ہے ناں منہ پیر چادر میں لپیٹ کر لاش کی طرح لیٹنے کی۔ یہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔)

یوسف:

(یوسف تپائی پر چڑھ کر ڈوری سے لٹکتا ہوا بلب اتارتا ہے)

اور اسے روشنی کے رخ کر کے دیکھتا ہے۔ بلب فیوز ہے۔ پھر وہ

جیب سے ڈلی میں بند نیا بلب نکالتا ہے۔ اور ہولڈر میں لگاتا ہے۔

ڈلی زمین پر پھیلتا ہے اور پراٹا بلب جیب میں ڈال لیتا ہے۔)

اور یہ جو آپ کی علوت ہے ناں۔ شام کے تین تین چار چار بجے گھر آنے کی یہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔

راشدہ:

ایک سینار ایک ٹیڈریل گروپ۔ پھر پرنسپل صاحب کے پاس حاضری۔ تین بجے سے پہلے کس طرح فراغت ہو سکتی ہے بھلا۔

یوسف:

(پاس آکر اوپر دیکھتے ہوئے کہ بلب لگ گیا ہے) تو پھر مجھ سے کس جرم کی

راشدہ:

پاداش میں پورے ایک بجے کھانا پکویا جاتا ہے۔
اس لئے کہ تم کھانا پکانے کے سوا اور کری کیا سکتی ہو۔

یوسف:

(تپائی سے اترتا ہے اور جانے لگتا ہے۔)

راشدہ:

چچ اے ہے۔۔۔۔۔ اور یہ خالی ڈبیہ کون اٹھائے گا۔

یوسف:

تم اور کون؟

راشدہ:

جی نہیں۔ جس نے گند ڈالا ہے وہی اٹھائے۔ میں جمعدارنی نہیں ہوں اس گھر کی۔

یوسف:

یہ میرے باپ کا گھر ہے میں جب چاہوں جس قدر چاہوں اس میں گند ڈال سکتا ہوں۔

راشدہ:

یہ میرے بھی باپ کا گھر ہے۔ اور مجھے بھی اختیار ہے کہ میں جب۔۔۔۔۔

یوسف:

نہیں جناب یہ آپ کے باپ کا گھر نہیں ہے۔

راشدہ:

اگر میرے باپ کا گھر نہیں۔ تو پھر کسی کے باپ کا گھر نہیں۔۔۔۔۔

(یہ فقرہ سن کر یوسف خاموش ہو جاتا ہے۔ اور سوچ میں ڈوب جاتا ہے کیمرو اس کا فیل کلوز اپ لیتا ہے۔)

کٹ

سین 2

ان ڈور (فلش بیک)

مج

(ایک چھوٹا سا گھر۔ جس کے ایل شپ برآمدے پر فونے سرکنڈوں کی چھتیں پڑی ہیں۔ اور برآمدے کی محرابیں پرانی ڈاٹ دار ہیں۔ سامنے چھوٹا سا صحن ہے۔ صحن میں ایک دو گیلے رکھے ہیں۔ جن کے پاس میز کرسی لگائے یوسف پڑھنے میں مصروف ہے۔)

ایم اے کی تیاری کر رہا ہے۔ اور ایک موٹی سی کتاب میں سے کاپی پر نوٹس لکھ رہا ہے۔ اس کی پشت پر کونے میں ایک چوکی ہے جس پر جگہ نماز بچھا ہے۔۔۔۔ ایک بہت ہی پاکیزہ چہرے اور لمبی سفید ریش والا بزرگ جس کے ماتھے پر محراب اور منہ پر نور ہے۔ شلوار قمیض اور لمبا خاکی کوٹ اپنے سر پر گہری باندھے ہاتھ میں ہندو چھتری لئے اندر داخل ہوتا ہے۔ یہ یوسف کا ابا نیاز رسول ہے۔

نیاز: (چھتری چوکی پر رکھتے ہوئے) آؤ آؤ بیٹا۔ آؤ۔

(پلٹ کر جتن تک جاتا ہے)

یوسف: کون ہے ابا؟

نیاز: آؤ بیٹا آؤ۔ (راشدہ سیاہ برقعہ اوڑھے نقاب الٹے داخل ہوتی ہے) تیری بہن

ہے یوسف۔ اور کون آئے گا اس گھر میں۔

یوسف: (اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے) السلام علیکم۔

راشدہ: وعلیکم السلام۔

نیاز: بہنوں کے لئے بھائی اٹھ کر کھڑے نہیں ہوا کرتے یہ تکلف تو غیروں میں ہوا

کرتا ہے۔۔۔۔ بیٹھو راشدہ بیٹھو۔

راشدہ: (مونڈھے پر بیٹھتے ہوئے) آپ کے گھر میں کوئی عورت نہیں جی۔

نیاز: ہے۔۔۔۔ کیوں نہیں۔

راشدہ: کہاں ہیں جی۔

نیاز: یہ سامنے کون بیٹھی ہے میرے گھر کی بیٹی تو ہے۔

راشدہ: لیکن جی، میرا مطلب ہے۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔

نیاز: (چوکی پر بیٹھ کر) یہ راشدہ ہے یوسف۔ اور تیرے باپ کی طرح یہ بھی سری نگر

کی رہنے والی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ میں آج سے چالیس برس پہلے

سری نگر سے آیا تھا اور یہ اب آئی ہے۔

یوسف: لیکن ابا تو تو کہتا تھا کہ تیرے سوا میرے اور کوئی بچہ نہیں۔

راشدہ: آپ ٹھیک کہتے ہیں جی۔ میں ان کی بیٹی نہیں ہوں۔ میں تو ایک بے یار و مددگار

بے سارا عورت ہوں۔ جو اپنے خاوند کی تلاش میں وادی سے یہاں پہنچی

ہوں۔ میرا خاوند ڈوگرے کی قید میں تھا۔ پھر ایک سال بعد وہاں سے فرار ہو گیا۔

لوگوں نے بتایا وہ آزاد کشمیر پہنچ گیا ہے۔ میں رات کی تاریکی میں باؤر کراس کر کے آزاد کشمیر پہنچی تو معلوم ہوا وہ وہاں بھی نہیں پہنچا۔

دیکھ یوسف سری نگر کی بڑی بچیاں کس قدر بہادر ہوتی ہیں۔

راشدہ: آزاد کشمیر کے گاؤں گاؤں پورے دو مہینے تلاش کرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ

وہ پنڈی پہنچ چکا ہے۔ کل سے میں اس کی تلاش میں ہوں۔

یوسف: اور پنڈی میں آپ کا قیام کہاں ہے؟

نیاز: قیام کہاں ہو گا؟ اپنے باپ کے گھر میں اور کہاں۔۔۔۔ بیٹھی تو ہے تیرے

سامنے۔

راشدہ: کل رات تو میں نے اسٹیشن کے مسافر خانے میں گزاری۔ اور آج شام یہ مجھے

بنی کے بس اسٹاپ سے لے آئے۔

یوسف: آپ کو اکیلے رہتے ہوئے ڈر نہیں لگتا۔

راشدہ: اجنبی جگہوں پر اکیلے رہتے رہتے اب میں اس بات کی عادی ہو گئی ہوں۔

یوسف: کھانے پینے اور سفر کے اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں بی بی۔

راشدہ: جب میں سری نگر سے چلی ہوں تو میرے پاس کافی زیور تھا۔ اب بھی میرے

پاس دو سو روپے اور ہاتھ کا ایک کنگن ہے۔

نیاز: ہم دوسرے ہاتھ کا کنگن بھی بنوا دیں گے اپنی بیٹی کو۔

(یہ فقرہ کہہ کر نیاز جو چوکی پر کھڑا ہے۔ آرام سے نماز نیت لیتا ہے اور یوسف

اپنی کتابیں سمیٹنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔)

سین 3

ان ڈور

دن

(یوسف اسی جگہ کھڑا ہے۔ راشدہ تپائی کے ارد گرد قالین پر برش کر رہی ہے۔ برش کو پٹنگ تلے رکھتی ہے۔ اور بلب کے خول

چند منجے، کاغذ کی کترنیں ایک اخبار پر ڈال کر دروازے کی جانب بڑھتی ہے۔)

یوسف:

راشدہ:

(رک کر) جی۔

راشدہ:

فرمائیے۔

راشدہ:

یہ پھینک آؤ پہلے باہر۔

یوسف:

(چلی جاتی ہے۔ یوسف جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتا ہے۔)

راشدہ:

(لوٹ کر) جی۔

یوسف:

(پلنگ پر بیٹھ کر) تم سے ایک مشورہ کرنا تھا۔

یوسف:

(اس کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ کر) فیس مشورہ بتیں روپے۔

راشدہ:

وہ بھی مل جائیں گے لیکن اس وقت ذرا جذبات کو چھوڑ کر اس کو کلام میں

یوسف:

لااتے ہوئے (سر پر ٹھولا مار کر) رائے دو کہ تمہارا بھائی یوسف کیا کرے۔ کالج

میں رہے یا کالج چھوڑ دے۔

یوسف:

دیکھا ہو گئی ناں وہی بات۔ جس کا ڈر تھا۔۔۔۔۔ کیسی ہے؟

راشدہ:

اچھی ہے۔ بہت اچھی۔

یوسف:

پھر بھی کس قدر؟

راشدہ:

بھئی پاکستانی سے تو اچھی ہے۔

یوسف:

ہائے میرے اللہ۔ ہم نہیں کریں گے اپنے بھیا کی شادی کسی غیر ملکی سے۔

راشدہ:

غیر ملکی! شادی!! یہ تم کیا بکواس کر رہی ہو۔

یوسف:

کیوں اپنے پاکستان میں ایک سے ایک ہیرے جیسی لڑکیاں پڑی ہیں۔

راشدہ:

میں نوکری کی بات کر رہا ہوں، تم خواہ مخواہ میں نند بننے کے خواب دیکھ رہی ہو

یوسف:

نوکری؟ کس کی؟

راشدہ:

شیخ دوہئی کی۔ DEPUTY EDUCATIONAL ADVISER

یوسف:

FREE ACCOMODATION ----- دو ہزار شارٹ

یوسف:

یہ دوہئی جو کویت بحرن کی طرف ہے؟

راشدہ:

(یوسف اثبات میں سر ہلاتا ہے)

ہم نہیں جاتے وہاں۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس قدر دور جانے کی۔

راشدہ:

یوسف: آپ کو کون پوچھ رہا ہے بھائی صاحب۔ یہ نوکری ہم کو آفر ہوئی ہے۔ پڑھے لکھوں کو ملا کرتی ہے ایسی ملازمتیں۔ آیا خیال شریف میں۔

راشدہ: ہم نہیں جائیں گے اتنی دور یوسف بھائی۔ اور اس دوران میں اگر جلال کی خبر مل گئی تو انہیں کس طرح سے ملیں گے۔

یوسف: آپ کو کون ساتھ لے جا رہا ہے بہن جی۔ آپ بیس رہیں گی اپنے والد صاحب کے گھر کی مالک بن کر۔ اپنے خلود صاحب کے انتظار میں۔

راشدہ: سارے گھر کی مالک؟

یوسف: بالکل۔

راشدہ: لیکن بیٹی تو شاید ۱/۸ حصے کی مالک ہوتی ہے۔

یوسف: میں باقی کے کمروں کو تالے لگا جاؤں گا۔ اور ۱/۸ گھر تمہارے لئے کھلا چھوڑ

جاؤں گا۔

لیکن میں تو ۱/۸ حصے کی بھی مالک نہیں ہو سکتی۔ میں کوئی ابا کی اصل بیٹی تھوڑی

ہوں۔ میرا ان کا کوئی خون کا رشتہ تھوڑی ہے تمہاری طرح سے۔ پھر میں اس

گھر کے کسی حصے کی کس طرح مالک ہو سکتی ہوں۔

(راشدہ کے ان مکالموں پر یوسف کا چہرہ پھر سوچ میں ڈوب جاتا ہے۔ اور ایک

مرتبہ پھر اس کا فل کھوڑا پلے کر پیچھے کی طرف جاتے ہیں۔)

(فلپش بیک)

سین 4

ان ڈور

دن

(وہی پرانے گھر کا محراب دار برآمدے کا سین۔ چوکی پر ٹیکنے

کا سارا لئے بابا نیاز رسول بیٹھے ہیں اور ان کے پاس یوسف بیٹھا

نیاز: وہ جو کوٹھی میں نے تمہیں سیٹلائٹ ٹاؤن میں دکھائی تھی اور تم نے بے حد پسند کی تھی۔ وہ میں نے خرید لی ہے۔

ہے۔)

یوسف: سچ ابا!

نیاز: راشدہ کہاں ہے۔

یوسف: وہ اماں حاجن کو سلام کرنے تحصیل داروں کے بنگلے گئی ہے۔

نیاز: (تکٹے تلے سے چابی نکال کر) یہ ہے اس کی چابی، تیسرے کے بعد وہاں چلے جانا۔

یوسف: تیسرے کے بعد ابا۔

نیاز: آج جمعہ ہے ناں کل ہفتہ اور پروں اتوار۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے اتوار کی شام

ادھر چلے جانا دونوں بہن بھائی۔

یوسف: دونوں بہن بھائی!

نیاز: یہ گھر میں نے بیچ دیا ہے کلیم صاحب کے ہاتھ۔ تمیں ہزار اس کے لے اور

چالیس میرے پاس عمر بھر کے جوڑ جوڑ کر رکھے تھے۔ ستر میں اس کو ٹی کا سودا

ہو گیا۔ میں نے کہا یوسف کو پسند ہے تو مجھے بھی پسند ہے۔ آدھا حصہ کرائے پر

بھی دے دو گے تو بھی تمہارے لئے بہت ہے۔

یوسف: آج آپ کچھ عجیب سی باتیں کر رہے ہیں ابا۔

نیاز: حکیم صاحب سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ پیر نہیں تو منگل کے روز یہ گھر خالی کر

دوں گا۔ سو تم لوگ اتوار کو ہی خالی کرونا۔

یوسف: یہ ہم لوگوں میں سے آپ اپنے آپ کو کیوں نکال رہے ہیں ابا۔

نیاز: وہ اس لئے یار کہ آدمی وقت پر نکل جائے تو اچھا ہی ہوتا ہے۔ یہ لے۔ (تکٹے

تلے ہاتھ پھیر کر) کہاں گئی۔۔۔۔۔ لے یہ لے رجسٹری اس کو ٹی کی، اپنے نام

کی۔

یوسف: یہ آپ نے میرے نام کیوں کرائی ابا۔

نیاز: دیکھ ناں اب تو ہی سیانا ہے ناں اس گھر میں۔ پڑھا لکھا۔ پروفیسر صاحب۔۔۔۔۔

پھر میرے بعد تجھی کو جانی تھی ناں یہ کو ٹی۔ میں نے سوچا تیرے نام ہی

رجسٹری کروادیں۔ بعد میں تکلیف نہ ہو۔

یوسف: جب آپ کے بعد قانون کی رو سے اور مذہب کی رو سے مجھے ہی اس جائیداد کا

وارث بننا تھا تو آپ نے یہ تکلف کیوں کیا۔

نیاز: یوسف علی یار تجھے تو وکیل ہونا چاہئے تھا۔ ایسی اچھی جرح کرتا تو گواہوں پر کہ۔۔۔۔۔

یوسف: آپ نے یہ کیوں کہا کہ بعد میں تمہیں تکلیف نہ ہو۔

نیاز: ایسے ہی منہ سے نکل گیا بابا۔

یوسف: ابا اگر آپ مجھے سچ نہیں بتائیں گے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ تو میں آپ

سے بولوں گا نہیں۔

نیاز: بول یار بول۔۔۔۔۔ ہم سے نہیں بولے گا تو اور کس سے بولے گا پھر۔

یوسف: اگر آپ مجھے اصل بات سے آگاہ نہیں کریں گے تو میں یہ رجسٹری ابھی پھاڑ

دوں گا آپ کے سامنے۔۔۔۔۔ یہ چابی یہاں پھینک دوں گا اور اس گھر سے

بیشہ کے لئے نکل جاؤں گا۔

نیاز: ذرا۔۔۔۔۔ ذرا۔۔۔۔۔ صبر میرے بیٹے۔۔۔۔۔ صبر میرے چاند۔۔۔۔۔

یوسف: نہیں ابا جی میں اس سے زیادہ اور صبر نہیں کر سکتا۔

یوسف: (یوسف کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر) میرے بعد تمہیں تکلیف نہ

ہو۔" میں نے اس لئے کہا یوسف۔۔۔۔۔ اور یہ رجسٹری اس لئے تیرے نام

کرائی یوسف کہ تو میرا بیٹا نہیں ہے۔۔۔۔۔ آج سے ستائیس برس پیشتر میں نے

آدھ رات کے وقت تجھے راجہ بازار کے ایک ٹھنڈے تور کے پہلو سے اٹھایا

اور اپنے بڑے کوٹ کے مٹن کھول کر تجھے اپنے سینے سے چمٹالیا۔ اس وقت تیرا

نیم مردہ اور سرد بدن پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ سارے پنڈی کو کمرے نے اپنی

لیٹ میں لے رکھا تھا۔ اور مری کی پہاڑیوں پر برفباری ہو رہی تھی۔ تو اس

قدر چھوٹا تھا کہ تجھے بات کرنا بھی مشکل سے آتی تھی۔ لیکن جب میرے بدن

کی گرمی نے تیری رگوں میں خون کو حرکت دی تو تو نے میرے بڑے گرم

کوٹ کے گرہیلن سے کنکرو کے بچنے کی طرح سر باہر نکالا اور ہولے سے کہا ابا۔

میں نے اپنا منہ تیرے ہلکے سے پسینے والے سر پر رکھ دیا جس سے گندھے

ہوئے آٹے اور تور کی پکی ہوئی مٹی کی خوشبو آتی تھی۔ اس رات مجھے پہلی

مرتبہ اپنے منہ سے آنے والی بو بری لگی۔ اور میں نے تیرے سر پر اپنے

ٹھوڑی رکھ کر کہا آج سے تیرے ابا کے منہ سے یہ بو نہیں آئے گی۔۔۔۔۔ یہ

رجسٹری میں نے تیرے نام کی اس لئے کرا دی جیٹا کہ زمانہ بڑا بے مروت ہے۔
میرے بعد میں تمہیں تکلیف نہ ہو۔

یوسف: لیکن آپ نے یہ بات آج تک مجھ سے چھپا کر کیوں رکھی۔

نیاز: ہر بات کا ایک وقت اور ہر اعلان کا ایک مقام ہوتا ہے۔۔۔۔۔ یہ کاغذ اور یہ چابی
سنبھال کر رکھنا۔ اور اپنی بہن کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ کیونکہ اس کا اس دنیا
میں تیرے سوا کوئی اور نہیں۔ وہ میری بیٹی ہے کہ میرے سری نگر کی بیٹی ہے۔
اور تو میرا بیٹا ہے کیونکہ تیری رگوں میں میری محبت اور شفقت کا خون دوڑ رہا
ہے۔ اس کو کسی بات کی کمی کا احساس نہ ہو خواہ اس میں تمہاری جان ہی کیوں
نہ چلی جائے۔

یوسف: آج آپ کی نصیحت میں وصیت کا رنگ کیوں بھرتا جا رہا ہے۔ اب؟

نیاز: (جیب سے روٹل سے بندھی ہوئی چابی نکال کر) یہ میری رُنگی کی چابی ہے۔ اور
اس میں میری آخری ضرورت کا سبب سلمان موجود ہے۔۔۔۔۔ اچھا بھئی اب
ہمیں اجازت دو جمعہ کا وقت ہو رہا ہے۔

(اٹھتا ہے اور چلتا ہے یوسف حیرانی سے دیکھتا ہے۔ بابا واپس

پلٹتا ہے۔)

اگر جمعہ کی نماز کے بعد لوگ دوڑ کر تمہارے دروازے پر کچھ خبر دینے آئیں تو گھبراتا
مت۔ نہ خود رونے کو روئے دینا۔ ازل سے یونہی ہوتا آیا ہے۔۔۔۔۔ آنا جانا زندگی کے
ساتھ ہی لگا ہے۔۔۔۔۔ لو خدا حافظ!

(ہاتھ ملاتا ہے۔)

(نیاز آہستہ آہستہ چلا جا رہا ہے اور یوسف ساکت و جاہل اسی

جگہ پر کھڑا ہے اور اسے دیکھے جا رہا ہے۔ دیکھے جاتا ہے۔)

کٹ

سین 5

ان ڈور

شام

(ایک اچھے سے خوبصورت رستوران کا ایک کونہ، چھوٹی
سی چوکور میز کے گرد یوسف اور راشدہ بیٹھے ہیں اور چائے پی
رہے ہیں۔ پس منظر میں بڑی تازہ سی مغربی موسیقی کی دھن بج
رہی ہے۔ یوسف سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دباتا ہے۔ ماچس کے
لئے کوٹ کی جیبیں ٹٹولتا ہے۔ راشدہ اپنا پرس کھول کر اس کے
اندر سے ماچس نکالتی ہے۔ ہلا کر دیکھتی ہے خالی ہے۔ لیکن وہ کھول
کر پیش کرتی ہے۔ ایک پیرا آگے بڑھ کر جلتی ہوئی ماچس سے
یوسف کا سگریٹ سلگاتا ہے اور یوسف اسے ”شکریہ“ کہتا ہے۔ پیرا
واپس جاتا ہے۔)

میں کل شام دعویٰ جا رہا ہوں راشدہ۔

(چائے بنانے سے ہاتھ روک کر) کیا کہا یوسف بھائی۔

میں یہ بات تم سے گھر پر بھی کہہ سکتا تھا لیکن مجھے ڈر تھا کہ وہاں پھر تم اسی
طرح سے جذباتی نہ ہو جاؤ جیسے ابابا کی میت جب مسجد سے گھر آئی تھی۔ تو تم
ہراساں ہو گئی تھیں۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

میں نے اس ملازمت کی ہابی بھری اور دعویٰ میں اپنی آمد کی کیبل بھیج دی ہے۔

لیکن یہ فیصلہ آپ نے کیوں کیا۔ کب کیا اور مجھ سے۔۔۔۔۔

جس دن آزاد کشمیر سے جلال کا خط تمہارے نام آیا تھا اسی دن میں نے یہ
فیصلہ کر لیا تھا۔

اتنے سالوں کے بعد خاوند کے مل جانے کا مطلب یہ تو نہیں کہ بہن اپنے بھائی
سے محروم ہو جائے۔

دیکھو راشدہ جلال ایک ٹکی انسان ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ

آپ سے کس نے کہا کہ جلال ایسے ہیں۔

میں نے تمہاری باتوں سے اندازہ لگایا ہے۔

- راشدہ: اور ان کے متعلق بات کرنے میں، میں کس قدر محتاط رہی ہوں۔
- یوسف: پھر اس کے وہ دو خط جو اس نے تمہارا پتہ پالنے کے بعد لکھے ہیں۔ میرے اندازے کی تصدیق کرتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم کو کوئی تکلیف ہو۔
- راشدہ: یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں یوسف بھائی۔
- یوسف: مرنے سے پہلے ابا نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں تمہیں خوش رکھوں گا۔ اور تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔
- راشدہ: یہ آپ میری تکلیف کا ازالہ کر رہے ہیں۔
- یوسف: بے شک۔
- راشدہ: جلال واقعی بڑے ضدی اور بے حد شکی اور کافی حاسد ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ میرے بھائی کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔
- یوسف: میں تمہارے نام اس کا دوسرا خط پڑھ چکا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے وہ خط بلا اجازت تمہارے ٹکٹے تلے سے نکالا اور تم سے پوچھے بغیر پڑھا۔
- راشدہ: وہ جب آپ سے ملیں گے تو ان کا سارا شک دور ہو جائے گا۔
- یوسف: یہ ایک ایسی صورت حال ہے راشدہ کہ اگر اس جگہ میں بھی ہوتا تو میں بھی شاید یہی محسوس کرتا۔
- راشدہ: لیکن میں ان کو پچھلے پانچ سال کے سارے واقعات تفصیل سے لکھ چکی ہوں۔
- یوسف: اگر صرف لکھنے سے یا کہنے سے یا صفائی پیش کرنے سے لوگوں کے شک دور ہو سکتے تو یہ زندگی بڑی آسان اور بہت خوشگوار ہوتی۔
- بیرا: (آکر) اور چائے سر۔
- یوسف: نو ٹینک یو۔
- راشدہ: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ یہاں سے فرار ہو کر انہیں اور شک میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ پھر تو وہ صورت حال سے کبھی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔
- یوسف: پتہ نہیں کیا بات ہے راشدہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں یہاں رہا تو تم دونوں کے درمیان علیحدگی کی ایک سنگین دیوار بن جاؤں گا۔
- راشدہ: یوسف بھائی؟

- یوسف: ازل سے انسان کی فطرت کچھ اس طرح کی ہے راشدہ کہ وہ برائی کے متعلق ہمیشہ متوجس رہتا ہے۔ کبھی اسے اختیار کرنے کے لئے بے چین کبھی اسے دور کرنے کے لئے متحرار۔ آدمی کیسا بھی نیک کیوں نہ ہو۔ اس کی توجہ برائی پر مرکوز رہتی ہے کبھی مثبت کبھی منفی۔ جلال بھی تو انسان ہے۔
- راشدہ: وہ بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں۔
- یوسف: پڑھا لکھا آدمی اور بھی غدشات کا مارا ہوتا ہے اس کے ذہن میں شک کا سنپولیا ہر وقت پیلا پیلا زہر اگتا رہتا ہے۔ سیاست سے لے کر مذہب تک اسے کسی بات پر یقین ہی نہیں آتا۔ (تھیلا کھول کر) یہ کانڈات میں نے آج ہی مکمل کرائے ہیں۔
- راشدہ: کیا ہے ان کانڈوں میں۔
- یوسف: یہ تمک ہے ہمارے بچکے کا جو میں نے تمہارے نام گفٹ کر دیا ہے۔ (کانڈ دیتا ہے)
- راشدہ: مجھے ان کانڈات کی ضرورت نہیں۔
- یوسف: (گول کانڈ کو تہہ کرتے ہوئے) یہ میرا کام نہیں ابا مرحوم کا حکم تھا۔ اگر تم ان کی روح سے بناوت کرنا چاہتی ہو تو شوق سے پھاڑ دو۔
- (راشدہ خاموشی کے ساتھ اپنا پرس اٹھاتی ہے اور کھول کر یوسف کے سامنے کر دیتی ہے۔ وہ اس میں تہہ شدہ کانڈ ڈال دیتا ہے۔ راشدہ کی آنکھیں ڈبڈبایا جاتی ہیں جو کچھ گزر رہا ہے وہ اسے تسلیم کر لیتی ہے۔ یوسف اس کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے کھینچتا ہے اور وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیتی ہے۔)

کٹ

سین 6

ان ڈور

(وہی پہلے سین والا سلینگ روم، راشدہ غسل خانے کے دروازے میں کھڑی ٹوتھ برش کر رہی ہے اور بول رہی ہے اس کے اولین چند لمحے اس کے چہرے پر آتے ہیں۔ پھر کیمرو دیواروں پر گھومتا ہوا کونے کی واحد صوفہ کرسی کی طرف جاتا ہے جہاں جلال بیٹھا ہے)

راشدہ: پتہ ہے آپ نے تو مجھے ڈرایا دیا تھا۔ اتنا لمبا سفر ایسی دور دراز کی نوکری ایسا طویل فراق۔ اچھائی کیا جو آپ نے یہ خیال چھوڑ دیا۔ ہمارے ملک میں کس چیز کی کمی ہے بھلا۔

جلال: (اچانک ہاتھ کی لکیریں دیکھتے ہوئے) میں نے سوچا اتنی مدت کے بعد ملے ہیں اگر ملک سے باہر چلے جائیں تو پھر نہ بکھر جائیں کہیں۔

راشدہ: لیکن یوسف بھائی کس قدر ضدی نکلے، میں نے لاکھ منت خوشامد کی مگر چلے ہی گئے۔

جلال: یوسف! بھائی!! ---- اس نے اچھائی کیا جو وہ چلا گیا۔

راشدہ: میں نے کہا جلال سے تو مل کر جائیے گا لیکن مانے ہی نہیں۔

جلال: میرے خیال میں وہ بڑا ذہین نوجوان ہے۔

راشدہ: میں نے کہا بھی کہ جلال آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔

جلال: شاید وہ مجھے تم سے بہتر سمجھتا تھا۔

راشدہ: (قریب آکر) آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جلال!

جلال: مجھے اس ٹوتھ پیسٹ کی بو پسند نہیں (اٹھتا ہے اور غسل خانے کی طرف جاتا ہے) تمہارا منہ بولا باپ بھی اس آئینے میں صورت دیکھا کرتا تھا۔

راشدہ: اب اس گھر میں آئے ہی نہیں۔ انہوں نے یہ بنگلہ خریدنا ضرور لیکن اس میں رہنا نصیب نہ ہوا۔

(اس عرصے میں جلال اپنے چہرے پر صابن لگا چکا ہے۔ وہ شیو کے لئے سیفٹی اٹھاتا ہے۔ اور گلے پر پھیرتا ہے۔ وہ پہلو والی چھوٹی سی الماری کھولتا ہے۔ اس میں یوسف کا پرانا شیونگ برش

اور آفٹر شیو لوشن کی خالی شیشی پڑی ہے۔ جلال یہ شیشی اٹھا کر فرش پر مار کر توڑ دیتا ہے۔ پھر وہ یوسف کا شیونگ برش اٹھاتا ہے اور زمین پر پینچ دیتا ہے۔ تولیہ کھینچ کر اپنے منہ پر لگی ہوئی جھاگ صاف کرتا ہے اور شیو کرنے کا خیال چھوڑ دیتا ہے۔ راشدہ یہ سب کچھ دیکھ رہی ہے اور آہستہ آہستہ اس کے قریب آتی ہے۔)

تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں جلال۔

مجھے ہر شخص پر اعتماد ہے سوائے اپنی ذات کے۔ تم نہیں جانتیں راشدہ جب آدمی بد اعتمادی کا شکار ہو جاتا ہے تو اسے ہر شخص چور بے ایمان بد فطرت اور بد کردار دکھائی دینے لگتا ہے میرا ذہن کہتا ہے کہ تم اور یوسف بھائی بہن ہو سکتے ہو۔ بھائی بہن ہو۔ لیکن میرا دل کہتا ہے ایسا نہیں ہو سکتا ایسا نہیں ہے۔ کون ہے اس دنیا میں جو ایک غیر کو اپنی بہن یا غیر کو اپنا بھائی سمجھے۔

لاکھوں میں ایک یا پھر کروڑوں میں ایک، ایسا تو ہو سکتا ہے ناں جلال۔ پھر تم نے ذہن کی بات کی اعداد و شمار کی بات کی۔ میں دل کی بات کر رہا ہوں۔ میں بھی کیسی بد نصیب عورت ہوں۔

شاید میں تم سے زیادہ بد نصیب زیادہ دکھی اور زیادہ پریشان ہوں۔ تمہارے باہر ناخوشگوار واقعات نے یورش کی ہے اور میرے اندر متضاد کیفیات نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں سونت رکھی ہیں۔

تمہیں مجھ پر یقین نہیں جلال۔

ہے راشدہ۔ ہے کیوں نہیں، یقین ہی تھا تو میں در در کی ٹھوکریں کھاتا حادثات سے لڑتا۔ موت سے جان بچاتا تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ (محبت کے ساتھ) میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔۔۔۔ میں نے تمہارا دل دکھایا۔۔۔۔ تمہیں اس قدر تکلیف دی۔

جلال۔

(جلال کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی کمر پر اپنا

چہرہ رکھ دیتی ہے۔)

سین 7

ان ڈور

شام

(راشدہ اثبات میں سرہلاتی ہے)

پی رہے ہیں۔ وہی فرنیچر ہے، وہی بیرا ہے وہی میوزک بج رہا ہے۔

بالکل اسی طرح۔ عین اسی انداز میں پیالی پکڑ کر یوسف بھائی کو چائے پینے کی عادت تھی۔

(جلال چائے کی پیالی زور سے پرچ پر مار کر توڑ دیتا ہے)

کیا ہوا جلال۔۔۔۔۔ یہ کیا کر دیا آپ نے۔

جلال: تم اس کے ساتھ اس ریسٹوران میں بھی آیا کرتی تھیں؟

راشدہ: کبھی کبھی۔

(جلال خاموشی سے جواب طلب نظروں کے ساتھ اس کی طرف نکلنے لگتا ہے۔)

پہلی تاریخ کو جب انہیں تنخواہ ملتی تھی تو وہ کہا کرتے تھے آؤ راشدہ چل کر عیاشی کریں کسی ریسٹوران میں۔

جلال: تو اس کے لئے چائے بنایا کرتی ہوگی۔۔۔۔۔ وہ تیرے لئے اچھی اچھی چیزوں کا

آرڈر دیا کرتا ہوگا۔۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔ چائے پی چکنے کے بعد۔۔۔۔۔

راشدہ: ہم اکثر فلم دیکھا کرتے تھے۔ آخری شو۔

جلال: پھر گھر آکر۔

راشدہ: میں یوسف بھائی کے کپڑی استری کیا کرتی اور وہ اپنے کمرے میں جا کر سو رہتے۔

جلال: (کری سے تڑپ کر اٹھتا ہے) وہ اس ریسٹوران میں آکر ہمیشہ اسی کرسی پر بیٹھا کرتا ہوگا۔

(راشدہ اثبات میں سرہلاتی ہے)

جلال: اور تمہارا پرس اس طرح میز پر رکھا رہتا ہوگا۔

(راشدہ اثبات میں سرہلاتی ہے)

جلال: وہ اسے اٹھاتا ہوگا (اٹھاتا ہے) اور کتا ہوگا (بازو پکڑتا ہے) آؤ راشدہ چلیں پکچر

شروع ہونے میں صرف چند منٹ باقی ہیں۔ آؤ

(راشدہ بہت اضطراب کے ساتھ اٹھتی ہے آہستہ آہستہ

چلتی ہے اور جلال اس کا بازو تھامے ہوئے ہوئے فیلڈ سے نکل

جاتا ہے۔ بیرا آکر پیٹری سینڈ اٹھاتا ہے اور سین تبدیل ہو جاتا

(ہے)

کٹ

سین 8

ان ڈور

صبح

(راشدہ پہلے والے سین کی طرح لاش ایسی لپٹی پڑی ہے

وہی میوزک بج رہا ہے جلال اندر داخل ہوتا ہے۔ وہ آرام سے

صوفے پر بیٹھ جاتا ہے اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتا ہے اور پھر بے

تعلقی سے لاش کی طرف دیکھنے لگتا ہے راشدہ تڑپ کر اٹھتی ہے

اور اس کے پاس آ جاتی ہے۔ جلال کے ہاتھ میں ایک تہہ شدہ

اخبار اور ایک رول کیا ہوا کانڈ ہے)

راشدہ: کیا بات ہے جلال۔

جلال: کچھ نہیں۔

راشدہ: ہماری شادی کے دو ماہ بعد یاد ہے ایک مرتبہ میں شکارے میں منہ سرلیٹ کر

اسی طرح لیٹ گئی تھی اور تم چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئے تھے۔

جلال: یاد ہے۔

راشدہ: آج بھی میرا خیال تھا۔

جلال: میں اسی طرح چیخنے لگا تھا لیکن پھر اچانک خیال آیا کہ یوسف کو ڈرانے کے لئے بھی تم کبھی اس طرح لپٹی ہوگی۔

راشدہ: میں اکثر بھائی کو اس طرح ڈرایا کرتی تھی۔

جلال: اسی لئے میں آکر یہاں آرام سے بیٹھ گیا۔

راشدہ: ہمارے درمیان کا جنم کس طرح سے ٹھنڈا ہو گا جلال۔

جلال: میرے پاس اتنے آنسو نہیں کہ اس آگ کو ٹھنڈا کر سکیں۔ اتنی آہیں نہیں کہ یہ لہو بجھا سکیں۔

راشدہ: پھر یہ پھاڑی زندگی کس طرح بسر ہوگی۔

جلال: آہستہ آہستہ، ہولے ہولے، میرے دل کے کلاک کی طرح۔

راشدہ: ہولے ہولے آہستہ آہستہ؟

جلال: میرے دل کے اندر اندیشوں کے کلاک کا پنڈولم ہر وقت ہر لمحہ آگے پیچھے جھول رہا ہے اور آگے پیچھے ہر لپک کے ساتھ جھولتے ہوئے اس سے ایک ہی آواز نکلتی ہے یوسف تجھے بہن کی طرح پیار کرتا تھا اور مرد کی طرح چاہتا تھا۔

راشدہ: (غم زدہ ہو کر) جلال۔

جلال: میں اس آواز سے اس لپک سے اس دھڑکن سے کہاں بھاگ جاؤں۔

راشدہ: کہیں نہیں بھاگ سکتے جلال۔۔۔۔۔ کبھی نہیں بھاگ سکتے۔۔۔۔۔ مجھے معلوم ہے

اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟

جلال: کس کا؟

راشدہ: بڑے سالوں کی بات ہے میری عمر مشکل سے چھ سات برس کی ہوگی۔ ہم

میراں کھل کے لال مکان میں رہتے تھے اور ہمارے ساتھ اور بہت سے۔۔۔۔۔

کٹ

(ایک چھوٹا سا بند دروازہ جو پتھر کی چٹائی میں جڑا ہے اس کی دہلیز تک تین سیڑھیاں آتی ہیں۔ اس پر ایک فقیرنی بیٹھی ہے۔
صدا دے رہی ہے)

لالائی لا۔ بی۔ بی۔ وہ دنیا ستر آخر۔۔۔۔۔ آٹا دے یا کئی دے تیرے کھیت زعفران سے بھرے تیرے گھر تالیچوں سے۔۔۔۔۔ لا خدا تیرا بھلا کرے۔

فقیرنی:

(ایک چھوٹی سی لڑکی راشدہ دروازہ کھول کر سلور کی کٹورے میں آٹا لے کر آتی ہے۔ لیکن فقیرنی اس طرف توجہ نہیں دیتی وہ اس کے سر کو ہاتھ لگاتی ہے تو فقیرنی پلٹ کر اوپر دیکھتی ہے اپنی جھولی کا منہ اس کے سامنے کھولتی ہے۔ لڑکی کٹوری میں سے چنگی بھر آٹا لے کر اس کی جھولی میں ڈالتی ہے۔ پھر شرارت سے مسکراتی ہے پھر چنگی بھر آٹا اس کی جھولی میں ڈالتی ہے پھر مسکراتی ہے، پھر مسکرائے جاتی ہے اور چنگی چنگی آٹا اس کی جھولی میں ڈالے جاتی ہے فقیرنی کے چہرے پر بیزاری کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور وہ اپنی جھولی کا منہ بند کر کے بد دعا کے انداز میں کہتی ہے۔)

چنگی چنگی خیرات دینے والی! اپنے گھر میں بے گی تو سہی لیکن چنگی چنگی ہو کر۔۔۔۔۔ گھر والے کے دل میں رہے گی ضرور، پر چنگی چنگی جگہ کے ساتھ۔۔۔۔۔ جالے جا آتا تیری جیسی خن سے بھوک بھلی۔
(اٹھ کر چلی جاتی ہے)

فقیرنی:

فلش بیک ختم

(فلش بیک سے واپس وہی سین۔ راشدہ اسی طرح دو زانو

جلال کے سامنے بیٹھی ہے اور جلال کا چہرہ او اس ہے۔)

جلال: اس بد دعا کا ہماری زندگی سے کوئی تعلق نہیں اور پھر یہ ضعیف الاعتقادی کی

باتیں ہیں میں انہیں نہیں مانتا۔۔۔۔ میں تو اپنے دل کی آواز کا پیرو ہوں۔

راشدہ: تمہارے دل کی آواز کیا کہتی ہے جلال۔

جلال: (کافد کا رول دے کر) یہ

راشدہ: یہ کیا ہے؟

جلال: طلاق نامہ۔

(میوزک کے ساتھ اچھا خاصہ وقفہ)

راشدہ: میں کہاں جاؤں جلال؟

جلال: کہیں بھی نہیں گھر میں رہو۔

راشدہ: کس گھر میں؟

جلال: اسی گھر میں۔

راشدہ: کس کے ساتھ؟

جلال: میرے ساتھ۔

راشدہ: لیکن کیسے جلال؟

جلال: بالکل اسی طرح۔

راشدہ: اور میرا تمہارا کیا رشتہ ہو؟

جلال: وہی رشتہ جو تمہارا اور یوسف کا تھا۔ (میوزک)

(جلال دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر سر پیچھے صوفے کی

پشت پر ڈال لیتا ہے۔ راشدہ پٹنگ کے نیچے سے برش نکل کر قالین

پر دھیرے دھیرے پھیرتی ہے اور اخبار پر ماچس کی تیلیاں اخبار کی

کترتیں پرانی ڈبیاں اور گرد جمع کرتی جاتی ہے۔)

فرار

سین ۱

ان ڈور

دن کا وقت

کردار:

(کارنس پر سنگ مرمر کا بنا ہوا بکری کا لیلا پڑا ہے اس پر چند لمبے کیمرو مرکوز رہتا ہے یہ کھلونا کم از اتنا بڑا ضرور ہونا چاہئے کہ آخر میں زندہ لیلا اس کی جگہ رکھا جاسکے۔

یہ ایک اونچے متوسط طبقے کا بیڈ روم ہے اس بیڈ روم میں دو فرنیچر کی چیزیں خاص اہمیت رکھتی ہیں ایک پلنگ جس کے چاروں طرف کیمرو گھوم پھر کر فریم بنا سکے۔ اور اس کے پاس رکھی ہوئی رانگ چیئر کی پچھلی دیوار پر گلو کلاک لگا ہے جس وقت کیمرو کھلتا ہے یہ کھڑکی پر مرکوز ہے کھڑکی کے سامنے باریک نائیلون کے پردے ہل رہے ہیں یہاں سے کیمرو دیوار پر لگی گھڑی پر جاتا ہے گھڑی کھڑی ہے لیکن الارم بجنے لگتا ہے پھر کارنس پر جاتا ہے شمعہ ان میں دو موم بتیاں بجھی ہوئی ہیں لیکن چند ثانیے بعد وہ بھک سے جل اٹھتی ہیں اب کیمرو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا ہے اور سارے کمرے کو لانگ شٹ میں لیتا ہے، کلیم پلنگ پر چٹ لیٹا ہے پاس ہی پڑی ہوئی رانگ چیئر خود بخود جھول رہی ہے کیمرو قریب جاتا ہے کلیم کی دونوں مٹھیاں بچھنی ہوئی ہیں آہستہ آہستہ مٹھیاں کھلتی ہیں اور RELAXED انداز میں کھل جاتی ہے چہرہ جو اب تک انتہائی کرب کی حالت میں تھا مسکراہٹ میں بدل جاتا ہے پاؤں کے انگوٹھے جو ٹیشن کی وجہ سے ہل رہے تھے ساکت ہو جاتے ہیں اس صورت میں کلیم ایک لاش سے مشابہ ہے جو نجات حاصل کر چکا ہے۔ اس سارے وقت میں بیک گراؤنڈ میں بکریوں کے میانے کی آوازیں اور ہنسی کے بجنے کی آواز آہستہ آہستہ آنے لگتی ہے۔

چالیس پینتالیس کا خوبصورت مرد
کلیم کی ماڈرن بیوی، پریشان خاطر
کلیم کا بیٹا عمر بارہ سال
کلیم کا بیٹا عمر دس سال
کلیم کی دیہاتی بیوی عمر تیس بتیس
کلیم کی خوبصورت سی سات سالہ بیٹی
نوبیس کا لڑکا، گلا جان کا بھائی
عمر پچاس کے قریب۔
موت سے ہمسکار بوڑھا۔

◆ کلیم
◆ عالیہ
◆ راحت
◆ حامد
◆ پشیمینہ
◆ گلا جان
◆ خندم
◆ ڈاکٹر عثمان
◆ بابا

اس وقت کلیم نروان حاصل کئے ہوئے بدھا کی طرح پڑا ہے آہستہ آہستہ ایک لڑکی کی ایکو میں بڑی مدھم سی آوازیں آنے لگتی ہیں یہ آواز ایک دوسرے کے اوپر اوپر لیپ کرتی ہیں۔ چیخ بن کر، حسرت کے ساتھ محبت میں ڈوبی ہوئی، غصہ میں تھری ہوئی۔ پکارتی ہوئی، التجاء کرتی ہوئی یہ آواز صرف ایک لفظ بولتی ہے اور وہ ہے کلیم کا نام۔ یہ نام گڈمڈ آوازوں کی صورت میں چند ثانیئے سنائی دیتا ہے ساتھ ہی منظر بدل جاتا ہے۔

اب ہم بکریاں چرانے والوں کے گھر میں پہنچتے ہیں۔ یہاں کچھ بیرونی حصہ ہے۔ اور کچھ جھونپڑے کے اندر کا حصہ نظر آتا ہے باہر دو بکریاں بندھی ہیں گڈا جان اور شُدم گھر کے اندر بیٹھے ہوئے ایک بکری کے بچے کے ساتھ کھیلنے میں مشغول ہیں۔ بکریوں کے پاس پشینہ کھڑی ہے وہ آہستہ آہستہ کلیم کا نام لئے جارہی ہے۔ وہ آوازیں جو پچھلے سیٹ پر ملی جلی اور گڈمڈ تھیں ایک کراہ اور حسرت بن کر اس کے ہونٹ سے نکل رہی ہیں۔

(اب کلیم سیٹ پر برآمد ہوتا ہے اس کے چہرے پر وہی پراطمینان حالت ہے اور آنکھوں میں ایسی چمک ہے جیسے وہ کسی دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہو۔)

پشینہ: اب میں نے تجھ سے ناراض ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔

کلیم: (پاس آکر) کب سے۔

(پشینہ مسکراتی ہے)

پشینہ: بس یہی کوئی ایک منٹ سے۔

کلیم: (دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے) بول ناں۔ صرف چکی کھڑی رہ بولنے سے روح کے

پانیوں میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو کسی ایسے اندھے تال

کی طرح خاموش رہے جو پہاڑ کی اوٹ میں ہوتا ہے۔ جہاں نہ کبھی سورج کی

روشنی پہنچتی ہے نہ چاند کی۔ چکی کھڑی رہ پشینہ۔ مت بول۔

پشینہ: پر کیسی عجیب بات ہے کلیم۔ میرا جی چاہتا ہے کہ بولتی جاؤں بکریوں سے،

دیواروں سے، بچوں سے، بابا سے۔۔۔۔۔

(کلیم پاس آکر پشینہ کے منہ پر ہاتھ رکھتا ہے)

میں کیسے چپ رہوں کلیم۔ جھڑنا کبھی چپ ہوا۔

تجھ سے تو میری روح بولتی ہے جیسے ستار کا اوپر والا تار ہلاؤ تو پٹلی تار سے آپ

ہی سر ٹکلتا ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ سرائیک ہی ہے، لے ایک ہی ہے، ہم کیا

بولیں ایک دوسرے سے؟

(منہ سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے)

پشینہ: پھر تو نے شہر میں اتنی دیر کیوں لگائی جب تجھے اتنا پیار ہے مجھ سے۔

کلیم: دیر؟۔۔۔۔۔ راستہ بھول جاتا ہوں میں۔ بس۔

پشینہ: ہمیشہ راستہ بھول جاتا ہے تجھے۔ جیب میں دھن ڈال کر جایا کر راستے میں دھان

مگراتا جایا کر۔ واپسی پر راستہ خود بخود مل جائے گا۔

اور جو تیرے دیئے ہوئے دھن چڑیاں چک گئیں تو؟ یہ گڈا جان اور شُدم

میرے پاس کیوں نہیں آئے۔

پشینہ: میں نے منع کر دیا تھا؟

کلیم: کیوں؟

پشینہ: ہمیشہ یہی پہلے آکر تجھ سے لپٹ جاتے ہیں۔

کلیم: پھر۔

پشینہ: بس پھر کیا؟ مجھے نہیں اچھا لگتا۔

کلیم: ہنس کر اندر کی طرف جاتا ہے پشینہ اسے محبت سے

دیکھتی ہے۔ پھر بکریوں کے آگے چارہ ڈالتی ہے۔)

کلیم: ایسی بات سن کر مجھے شہر میں بڑا غصہ آتا ہے۔ پر یہاں اٹھا سکھ ملتا ہے ایسی

باتوں سے۔

پشینہ: (یہ بات وہ پشینہ سے نہیں ناظرین سے کہتا ہے)

تو باہر کیوں نہیں آئی گڈا جان؟

کلیم: اندر داخل ہوتا ہے دونوں بچے گڈا جان اور شُدم اس

سے لپٹ جاتے ہیں وہ ان کے پاس انتہائی محبت کے ساتھ بیٹھتا

ہے۔

گُلا: ماں کہتی تھی ہر دم سوار مت رہا کرو باپ کی جان پر۔

کلیم: اور تو خُدم۔

خُدم: ماں کی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔ بابا میں سوچ رہا تھا بیٹھا۔

کلیم: کیا سوچ رہا تھا ہمارا خُدم۔

خُدم: تو کسی دن مجھے اپنے ساتھ شہر لے چل آیا۔

(کلیم کی آنکھوں پر یکدم ایک غبار سا چھا جاتا ہے)

کلیم: کیا کرے گا شہر جا کر۔

خُدم: میر کروں گا، ترین دیکھوں گا، بس پر چڑھوں گا، سائیکل چلاؤں گا۔

کلیم: (یہ باتیں بچوں سے کم اور اپنی ذات سے زیادہ کہتا ہے) سفر کی آرزو نے مرد کی

ذات میں عجیب قسم کا انتشار بھر دیا ہے خُدم۔ آگے جانے کی آرزو، نئے

کھلونوں کی آرزو، کچھ بنانے توڑنے کی آرزو، ہو سکے تو اپنے آپ کو قناعت

کے جھولے میں ڈالے رکھنا (آہستہ) پر آج تک ہو سکا ہے ایسا۔ جو تو کرے گا

بیچارہ۔

(کلیم کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے رخ پر کرتی ہے)

گُلا: میری طرف منہ کر آیا۔

کلیم: بتا؟ کیا کرے گی میرا چہرہ اپنی طرف کر کے۔ کیا پڑا ہے اس چہرے میں۔

گُلا: دیکھوں گی آیا۔

کلیم: (چہرہ پاس کرتے ہوئے) لے دیکھ۔

گُلا: اب۔ ان کا کیا حال ہے؟

کلیم: کن کا؟

گُلا: وہ جو بچے تیرے دوست ہیں شہر میں۔

کلیم: حامد اور راحت کا۔

خُدم: ان کے پاس بہت سے کھلونے ہیں اب۔ وہ تو مزے کرتے ہوں گے۔

کلیم: ضروری تو نہیں کہ جن کے پاس زیادہ کھلونے ہوں وہ مزے بھی کرتے ہوں۔

بابا: آگیا کلیم تو شہر سے۔

(اس وقت بابا ہاتھ میں گڑگڑی جو عموماً کانگڑے کے لوگ

رکھتے ہیں پیتا ہوا داخل ہوتا ہے۔)

کلیم: ابھی آیا ہوں اب۔

بابا: خُدم جادو کچھ ذرا بکریاں اترائی کی طرف جا رہی ہیں۔ دھیان کر ان کا باہر نکل

کر۔ مرد اندر بیٹھا رہے تو کاروبار کیسے چلے دنیا کا۔

خُدم: اس کو بھی تو کہا کر بابا۔ یہ مزے کرتی ہے سارا دن۔

گُلا: مجھے تیرے کتے سے ڈر لگتا ہے یہ جڑے کھول کر بھاگتا ہے جان نکل جاتی ہے

میری تو۔

(اندر کی جھونپڑی سے دروازے کی راہ سارا وقت پشینہ نظر

آتی رہتی ہے۔ اب وہ گُلا جان کو آواز دیتی ہے۔ گُلا جان باہر ماں

کی طرف جاتی ہے اور خُدم آگے نکل کر باہر چلا جاتا ہے۔)

خُدم: بہانہ، بہانہ، بہانہ صاف۔ اور کیا؟

پشینہ: گُلا جان دودھ لے جا باپ کے لئے۔

بابا: پھر تو نے بات کی ڈاکٹر سے؟

کلیم: کی تھی بابا۔ پر وہ کہتا ہے جب تک مریض ساتھ نہ ہو میں کیسے علاج کروں۔

بابا: (فضاء میں دھواں چھوڑ کر) کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا بکریاں چرانے جاتا ہوں تو

سوچتا رہتا ہو یہ سب کیا ہے۔ کیوں میں چراتا جاؤں بکریاں صبح شام؟

کلیم: زیادہ مت سوچا کر بابا۔

بابا: پتھروں پر بیٹھے بیٹھے مجھے عجیب رنگ نظر آنے لگتے ہیں، جھاڑیوں میں

سے، روشنی کے تنخے، جلتی بجھتی تپیاں، روشن مشعلیں ٹیڑھے تزیجھے ستون

شعلوں کے۔

کلیم: میں تجھے عینک لگوا دوں گا میرے ساتھ شہر چل تو۔۔۔۔۔

بابا: کلیم!

کلیم: جی؟

بابا: جو میں یہاں سے چھوٹ گیا تو کہاں جاؤں گا؟

کلیم: میں کیا جانوں بابا؟

بابا: تیرے لئے یہ جگہ کیسی ہے بیٹا؟

کلیم: اب کیا بتاؤں بابا۔ چڑیا کے لئے اس کا گھونٹا کیسا ہے؟

بابا: دینا جب سے مر گیا کلیم کچھ باقی نہیں ہے دنیا میں تجھ کو تیرا باپ کبھی کبھی یاد آتا ہو گا پر۔۔۔۔ میں جب بھی بکریاں چرانے جاؤں ان کے گھر کے آگے رک کر نکلتا ہوں۔۔۔۔

(ہوا میں سو گھ کر) یہ ربڑ کس نے جلایا؟

(کلیم اٹھ کر سو گھتا ہوا باہر جاتا ہے)

پشینہ: پشینہ! ربڑ جلایا ہے تو نے چولھے میں۔

پشینہ: ربڑ؟۔۔۔۔ کیسا ربڑ۔۔۔۔ دیکھ لے چولہا تو ٹھنڈا پڑا ہے ابھی

(انکھیں اس سے اس کی طرف دیکھ کر بیٹھ رہا بابا کے پاس پھر؟)

(کلیم اب ربڑ کی خوشبو سو گھنے کے انداز میں ذرا سا اوپر کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ منظر فیڈ آؤٹ کرتا ہے۔ ہم دوبارہ پہلے سیٹ پر

جاتے ہیں۔

ڈزالو

سین 3

ان ڈور

دن

(پہلے کمرے میں اسی طرح پردہ ہلتا ہے گھڑی کا الارم بجتا ہے۔ لیکن پنڈولم بند ہے۔ کیمرو کارنس کا لیلہ دکھاتا ہے۔ پھر اسی طرح بکریاں بولتی اور بنسری کی آواز آتی ہے۔ کرسی اسی طرح بل رہی ہے کلیم کے ساتھ والے بلیک پر عالیہ کی آنکھ کھلتی ہے وہ لمبا سانس لیتی ہے جیسے کچھ سو گھ رہی ہو۔۔۔۔)

کیمرو کلیم کے پاس جاتا ہے وہ بھی کچھ سو گھ رہا ہے عالیہ تمام چیزوں کا بغور مطالعہ کرتی ہے پھر اٹھتی ہے میاں کی نبض

دیکھتی ہے ناک کے قریب کان لا کر سانس کا جائزہ لیتی ہے۔ پھر آہستہ سے آواز دیتی ہے کلیم۔۔۔۔ پھر اٹھتی ہے اور فون کرتی ہے۔)

عالیہ:

ڈاکٹر عثمان۔۔۔۔ میں رات کو۔۔۔۔ ہیلو۔۔۔۔ ڈاکٹر عثمان میں آپ کو تکلیف دینے کے لئے شرمندہ ہوں۔ لیکن صبح۔۔۔۔ آپ جتنی جلدی بھی ہو سکے مجھے مل کر۔۔۔۔ جائیں۔۔۔۔ جی؟ ضروری ہے ڈاکٹر صاحب ورنہ میں آپ کو تکلیف کیوں دیتی؟

فیڈ آؤٹ

سین 4

ان ڈور

صبح

عالیہ:

کیسی طبیعت ہے آپ کی۔

کلیم:

ہوں؟۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔

عالیہ:

رات اچھی نیند آئی آپ کو۔

کلیم:

رات۔۔۔۔ فیسٹ کلاس۔ (تولنے سے منہ پونچھتا ہے)

عالیہ:

ڈاکٹر عثمان آئے ہوئے ہیں۔

کلیم:

اچھا؟ بچے سکول چلے گئے؟

(اس وقت دونوں لڑکے حلد اور راحت آتے ہیں)

عالیہ:

میں انہیں یہیں بلاؤں ڈاکٹر عثمان کو؟

کلیم:

ضرور۔ (عالیہ باہر چلی جاتی ہے)

حلد، راحت:

السلام علیکم اباجی۔

کلیم:

وعلیکم السلام۔ سکول جاری ہیں فوجیں؟

حامد: اباجی اس کمرے سے خوشبو کیسی آ رہی ہے؟
 کلیم: کیسی خوشبو؟

راحت: چڑے کے جلنے کی۔

کلیم: (لباساں لے کر) مجھے تو نہیں آ رہی۔

حامد: آ رہی ہے اباجی۔

راحت: اباجی واپسی پر کمانی سنائیں گے ہمیں؟

کلیم: کونسی کمانی؟

راحت: خدم اور گلا جان کی۔

(یکدم کلیم کی شکل متفکر ہو جاتی ہے)

حامد: گلا جان کے پاس زیادہ بکریاں ہیں کہ خدم کے پاس اباجی؟

(ڈاکٹر عثمان اندر آتا ہے۔ یہ بڑا اعلیٰ قسم کا پختہ عمر کا فزیشن ہے۔ اس کی بات میں ٹھہراؤ اور دباؤ ہے۔ تھوڑا سا فلاسفر ہے۔)

ڈاکٹر: ہیلو کلیم صاحب۔ (اندر آتا ہے)

کلیم: السلام علیکم۔ میری بیوی نے پھر صبح آپ کو تکلیف دی۔

ڈاکٹر: بیچاری بہت پریشان ہیں۔

کلیم: جب میں اسے یقین دلاتا ہوں کہ میں گھوڑے ٹو موٹر سائیکل سب کچھ سچ کر

سوتا ہوں تو پھر۔۔۔۔۔ آپ لوگ کیوں کھڑے ہیں۔ سکول جائیں۔

ہمیں فلم دکھانے لے جائیں گے اباجی میٹنی کے وقت۔

راحت: انشاء اللہ۔

کلیم: والٹ ڈزنی کی فلم آئی ہوئی ہے اباجی۔

کلیم: انشاء اللہ۔

دونوں: خدا حافظ۔ (بچے چلے جاتے ہیں)

کلیم: خدا حافظ۔ بیٹھے ڈاکٹر عثمان۔۔۔۔۔ آپ کھڑے کیوں ہیں؟

عثمان: (بیٹھے ہوئے) دیکھئے کلیم صاحب CLINICAL HELP اگر بروقت مل جائے

تو کبھی کبھی بہت بڑی ٹریجنڈی AVERT ہو جاتی ہے۔

کلیم: عثمان صاحب بات یہ ہے کہ عالیہ اگر سمجھتی ہے کہ میں بیمار ہوں یا یہ سمجھتی

ہے کہ میں دیوانگی کی سرحد پر کھڑا ہوں تو وہ غلطی پر ہے۔

عثمان: رات آپ اچھی طرح سے سوئے؟

کلیم:

بتا تو چکا ہوں ایسی نیند مجھے کبھی کبھی آتی ہے۔ (نضاء میں دیکھتے ہوئے) یوں لگتا

تھامیں نے اپنی کینچلی اتار پھینکی ہے۔ جیسے پوکپنس کے درخت کی چھال اتر

جاتی ہے اور اندر سے ملائم تنا نکل آتا ہے اسی طرح رات۔۔۔۔۔ میرے اندر

سے ایک اور کلیم نکلا۔۔۔۔۔ ہلکا پھلکا اور وہ نیند کی وادی میں گھومتا پھرتا رہا۔

آپ کے سر درد کا کیا حال رہتا ہے اب۔

عثمان:

ہوتا ہے کبھی کبھی لیکن۔۔۔۔۔ رات میرے سر میں درد نہیں تھا دیکھئے ڈاکٹر

عثمان! مشکل یہ ہے کہ عالیہ پڑھی لکھی عورت ہے وہ اس بات پر قناعت

نہیں کرتی کہ میرا جسم میری تنخواہ میرا مکان میری انشورنس ایسی مادی چیزیں

اس کی ملکیت ہوں۔ بلکہ۔۔۔۔۔ وہ چاہتی ہے کہ میری روح، میری زندگی، میری

موت، میرا وقت، میرے خیالات، میری سوچ۔۔۔۔۔

(وقفہ) وہ ان چیزوں پر حکمرانی کرنا چاہتی ہے۔

ہر عورت عموماً یہی کچھ چاہتی ہے۔۔۔۔۔ کلیم صاحب۔

جس وقت میں سو جاتا ہوں وہ اٹھ اٹھ کر مجھے دیکھتی ہے جانتے ہیں کیوں؟ وہ

ان خوابوں پر پھرے بٹھاتا چاہتی ہے جو میں نیند کے دوران دیکھتا ہوں۔

آپ عالیہ کی محبت کو بڑی سختی سے جانچ رہے ہیں۔

میں بیمار نہیں ہوں، نہیں ہوں، نہیں ہوں۔

لیکن رات کو۔

وہ۔۔۔۔۔ عالیہ تو چاہے گی کہ میں بیمار پڑ جاؤں تاکہ میں اس کے رحم و کرم پر

زندہ رہوں۔ وہ تو چاہے گی کہ میں لاپنج، اندھا۔۔۔۔۔ دونوں بازو کٹا کر اس کے

سامنے بے بس ہو رہوں۔ اور وہ میری لاشی بن جائے۔ میری آنکھیں، میرے

بازو، میری ٹانگیں بن جائے تاکہ میں مکمل طور پر اس کے ساتھ نیک لگا کر

زندگی بسر کروں۔ ڈاکٹر عثمان۔

I am not sick. I am only sick of this life.

آپ کو کبھی VISUAL IMPAIRMENT کی تکلیف تو نہیں ہوئی کوئی؟

کیا مطلب؟ (اس دوران کلیم کا چہرہ فق ہو جاتا ہے)

کبھی کمرے میں رنگ نظر آنے لگیں؟ روشنی دکھائی دینے لگے۔ جیسے یہ

عثمان:

کلیم:

عثمان:

سامنے سبک مرم کا لپٹا ہے آپ کی کارنس پر۔۔۔۔۔ یہ آپ کو جاندار اور اچھلتا کودتا دکھائی دے؟ پردے چھوٹے چھوٹے ہو جائیں۔ کمرے میں سے عجیب قسم کی خوشبوئیں آنے لگیں؟ ایسی SENSATION کوئی؟ مریانی کر کے سمجھ لیجئے۔

I want to help you.

معاف کیجئے مجھے دفتر جانا ہے آپ میرے ضمن میں کسی قسم کا تردد نہ کریں۔

تھینک یو۔

(کلمہ ہاتھ ملا کر غسل خانے کے اندر چلا جاتا ہے عالیہ آتی ہے)

(ہے)

ANY USE?

جی نہیں؟

وہ CO-OPERATE تو کرتے ہی نہیں؟

یہ کیفیت کب سے ہے؟

کئی سالوں سے ہے ڈاکٹر صاحب۔

کیا ہر رات اسی طرح ہوتا ہے۔

جی نہیں NOT EVERY NIGHT۔۔۔۔۔ کبھی پندرہ دن کے بعد۔۔۔۔۔

کبھی دو مہینے کے بعد، کبھی چھ مہینے کے بعد۔۔۔۔۔ کبھی کبھی سال دو سال بھی گزر جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ہر روز ہوتا رہتا ہے اسی طرح۔

دن کے وقت Drowsiness ہوتی ہے انہیں؟

(سوچ کر) جی نہیں۔

Indifference, Rest less.

memory shifting۔۔۔۔۔ ان میں سے کوئی چیز۔

ان میں سے تو۔۔۔۔۔ کوئی بات نہیں ہوتی ڈاکٹر عثمان۔۔۔۔۔ دراصل ہوتا اس

طرح ہے کہ رات کے کسی پہر۔۔۔۔۔ کسی رات کو اچانک جب میں اٹھتی ہوں

تو مجھے لگتا ہے جیسے وہ کمرے میں موجود نہیں ہے۔ اسی خوف کے مارے میں

اپنے کمرے میں زیر و کالبلا کر سوتی ہوں۔

ہوں۔

عثمان:

پھر میں انہیں چھو کر دیکھتی ہوں جسم برف کی طرح ٹھنڈا ہوتا ہے۔ جیسے خدا نخواستہ۔۔۔۔۔ سوائے نبض چلنے کے اور کوئی Symptom زندگی کا نہیں ہوتا۔

آپ نے کبھی انہیں جگا کر دیکھا ہے ایسی Condition میں؟

ایک بار جگایا تھا ڈاکٹر۔۔۔۔۔

But he refused to recognize me.

یہ۔۔۔۔۔ یہ معاملہ کیا ہے ڈاکٹر صاحب۔

ہو سکتا ہے بالکل معمولی Disorder ہو۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ صرف آپ کی

Imagination ہو لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ Brain Tumour ہو یا

Mental Disorder ہو کسی قسم کا۔۔۔۔۔؟ انہیں کسی قسم کی

Hallucinations تو نہیں ہوتی

مجھ سے تو انہوں نے کبھی ذکر نہیں کیا۔

(اس وقت غسل خانے سے کلمہ باہر نکلتا ہے وہ دفتر جانے

کے لئے تیار ہے۔)

Conspiracy چل رہی ہے میرے خلاف۔

ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں کلمہ صاحب۔

چلئے میں آپ کو راستے میں ڈراپ کرتا جاؤں ڈاکٹر صاحب۔

تھینک یو۔۔۔۔۔ اچھا اجازت ہے بیگم کلمہ۔

تھینک یو ڈاکٹر عثمان۔

(دونوں مرد چلتے ہیں پھر کلمہ لوٹتا ہے اور عالیہ کے پاس آتا

ہے۔ ڈاکٹر باہر نکل جاتا ہے۔)

اس کمرے میں عالیہ ایسی کوئی چیز موجود ہے جو ہے تو ضرور لیکن نظر نہیں

آتی۔

(ادھر ادھر دیکھ کر) خدا۔۔۔۔۔

اور۔۔۔۔۔!

اور ہوا؟

تم کو ہوا کے ہونے پر کلی اعتماد ہے۔

عالیہ:

عثمان:

عالیہ:

عثمان:

عالیہ:

کلمہ:

عثمان:

کلمہ:

عثمان:

عالیہ:

کلمہ:

عالیہ:

کلمہ:

عالیہ:

کلمہ:

عالیہ:
کلیم:

جی۔
کچھ وارداتیں ایسی ہوتی ہیں، جو ہوتی تو ہیں، لیکن ہوا کی طرح دکھائی نہیں دیتیں۔

عالیہ:
کلیم:

کیسی واردات؟
تم بہت زیادہ پڑھی لکھی ہو۔ Emotional Self اس قدر پر آگندہ ہو چکا ہے کہ اس میں جذب کر لینے کی قوت تو باقی رہ گئی ہے لیکن کسی میں سموئے جانے کی طاقت نہیں ہے۔ عورت کو مرد کی زندگی میں اندھا دخل ہونا چاہئے جتنا پکوان میں نمک۔۔۔۔۔ زیادہ نمک بھی زہر ہوتا ہے۔

عالیہ:

تم مجھ سے جو مرضی کو۔۔۔۔۔ جس طرح سے چاہے کو۔۔۔۔۔ لیکن مجھ سے بات کرو خدا کے لئے۔

کلیم:

یہ۔۔۔۔۔ اور میں کیا کر ہا ہوں؟

عالیہ:

یہ تو Accusations ہیں، الزامات ہیں۔

کلیم:

(عالیہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر) سنو عالیہ مرد کی محبت گہرے سمندر کی طرح ہے۔ اس میں دریا آکر ملتے ہی رہتے ہیں۔ اسے نئے پانیوں سے بھی پیار رہتا ہے اور پرانے پانیوں سے بھی۔۔۔۔۔ یہی سمندر کی وسعت کی دلیل ہے اسی میں اس کی بڑائی ہے۔۔۔۔۔ عورت جھیل ہے۔ کھڑے پانی کی جھیل پرانہ ماننا سمندر اور جھیل میں بڑا فرق ہوتا ہے ہمیشہ۔۔۔۔۔

(عالیہ کے پاس یہ جملہ بول کر کلیم باہر چلا جاتا ہے کیمرہ عالیہ کے چہرے پر مرکوز ہوتا ہے۔ عقب میں بکریوں کے میانے کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ یہ منظر آہستہ آہستہ بالکل اندھیرے میں بدل جاتا ہے گھپ اندھیرے کے بعد جب منظر کھلتا ہے تو ہم بکریوں والے کے گھر میں موجود ہوتے ہیں۔)

ڈزالو

کلیم:

پشینہ:

کلیم:

ان دور

شام

(چرواہے کے گھر میں ہم جھونپڑی کے اندر جاتے ہیں۔

یہاں بابا پنگ پر لیٹا ہوا ہے ساتھ ہی فرش پر کلیم بیٹھا ہے اس کے

ہاتھ میں چائے کا پیالہ ہے۔)

بابا:

مجھے تو ہر دم آوازیں ہی آتی رہتی ہیں۔ دیکھتا نہیں، سن ذرا سن کلیم۔۔۔۔۔ پھر وہ آواز آئی۔

(پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز)

فرشتے آرہے ہیں۔ دیکھتا نہیں۔۔۔۔۔ فرشتوں کے سروں پر ہیروں کے تاج

ہیں۔ تیرا باپ ساتھ ہے کلیم (آواز دے کر) دینے۔۔۔۔۔ دینے۔۔۔۔۔

کلیم:

تو میرے ساتھ شہر چل بابا۔ میں تجھے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں۔ لے چائے پی لے۔

بابا:

لے یہ پشینہ کتنی ہے کہ تجھے تو بابا کسی جن بھوت کا سایہ ہے، بیٹھا بیٹھا ہوا سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ کلیم بیٹے؟

کلیم:

کہہ بابا؟

بابا:

کچھ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آدمی دو جگہ رہ سکے ایک وقت میں۔ ادھر بھی چلا جاؤں دینے کے پاس اور ادھر بھی رہوں پشینہ کے ساتھ۔۔۔۔۔

(سامنے دروازے سے پشینہ کام کرتی نظر آتی ہے)

(آہ بھر کر) کاش بابا۔۔۔۔۔ ایسا کبھی نہ ہو۔

کلیم:

(اب کلیم اٹھ کر باہر جاتا ہے)

کلیم:

پشینہ۔

خیال آگیا تجھے۔

پشینہ:

میں بابا کو شہر لے جاؤں اپنے ساتھ وہاں ایک ڈاکٹر ہے بڑا نامی گرامی اسے بابا کی نبض دکھاؤں گا اسے بیٹھے بٹھائے خدا جانے کیا ہو جاتا ہے دماغ پر اثر ہے کسی چیز کا۔

پشینہ: تو جو چلا جاتا ہے شر، پیچھے ناٹھ ہی ٹوٹ جاتا ہے اب بابا کو بھی لے جا ساتھ اپنے۔ یہ کسر رہ گئی ہے۔

کلیم: آدمی کوئی دو جگہ تھوڑی رہ سکتا ہے پشینہ۔ شر چلا بھی جاؤں، رہتا تو تیرے ہی پاس ہوں۔

پشینہ: کلیم!

کلیم: کہہ؟

پشینہ: تیری مرضی ہے تو چپ کر جاؤں۔

کلیم: نہیں بول۔

پشینہ: تو اگر مر بھی گیا ناں تو بھی میرے ہی ساتھ رہے گا۔ یہ میں جانتی ہوں، تیرا کوئی اپنا وجود تو ہے نہیں کلیم۔ تو میرے ہی صے کا ایک نام ہے۔ پھر تو مجھ سے علیحدہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو یہاں سے بدیس جائے یہاں رہے میرے پاس ہو چاہے کہیں اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اور چلا جائے۔ کوئی علیحدہ ہو سکتا ہے تو مجھ سے۔

کلیم: پھر؟ پھر کیوں روکا کرتی ہے مجھے شر جانے سے؟

پشینہ: بس جدائی بری لگتی ہے۔۔۔۔ تو یاد آتا رہتا ہے۔

کلیم: اس بار بابا کو لے جانے دے شر۔ ڈاکٹر عثمان کو دکھا لاؤں اسے۔

پشینہ: ڈاکٹر کوئی آئی کو ٹال دے گا۔۔۔۔ موت اور محبت تو کسی کے بس کی چیز ہی نہیں کلیم۔۔۔۔ یہ تو اللہ کے حکم کی طرح اٹل فیصلے ہوا کرتے ہیں۔

(بابا اندر سے آواز دیتا ہے)

بابا: کلیم ادھر آ بیٹا۔ دیکھ تو یہ ریز کس نے جلایا ہے۔ خدم۔۔۔۔ اب جو تو سائیکل کار بڑ گھر پر لایا تو دیکھنا۔۔۔۔ (کھانسا ہے)

(کلیم اٹھ کر اندر جاتا ہے)

(کلیم ہوا میں سونگھنے کے انداز میں چہرہ اٹھاتا ہے۔)

ڈزالو

ان ڈور

رات

(کلیم اپنے پلنگ پر سویا ہوا ہے وہ تمام علامتیں جاری ہیں جو اس کے خواب میں جانے پر رونما ہوتی ہیں۔ پر وہ ہلتا ہے۔ کلیم کی مٹھیاں بچنی ہوئی آہستہ آہستہ کھلتی ہیں۔ سنگ مرمر کے لیلے سے آواز آتی ہے۔ بعد ازاں لاگ شٹ پلنگ کے پاس رانگ چیر پر عالیہ بیٹھی ہے غور سے کلیم کو دیکھتی ہے منظر آہستہ آہستہ دن میں ڈزالو ہوتا ہے۔)

اب کلیم پلنگ پر لیٹا ہے حامد اور راحت اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں۔ کلیم کا ایک بازو حامد کی گودی میں اور دوسرا بازو راحت کی گودی میں ہے۔)

راحث: بابا جی کی طبیعت اب کیسی ہے اباجی۔

کلیم: کون سے بابا جی۔

حامد: آپ بتا رہے تھے ناں کہ خدم اور مٹھا جان کے ناٹا جان بیمار ہیں۔

کلیم: ہاں وہ بابا جی۔

حامد: بیماری کیا ہے؟

کلیم: Brain Fever قسم کی کوئی چیز ہے عجیب عجیب سی چیزیں نظر آتی ہیں انہیں۔

حامد: کیسی چیزیں اباجی۔

کلیم: کبھی روشنی کے تختے کبھی جلتی مٹھلیں کبھی جلتے بجھتے چراغ۔۔۔۔ کبھی وہ فرشتوں سے باتیں کرنے لگتے ہیں کبھی آوازیں دینے لگتے ہیں۔ میرے اباجی کو۔

راحث: آپ ہمیں ان کے پاس لے چلیں کسی روز۔

حامد: ہم خدم اور مٹھا جان سے بھی مل لیں گے۔

راحث: وہ ہمیں پسند کریں گے ناں اباجی۔

کلیم: بچے تو ہمیشہ ہی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اگر ان کے درمیان بڑے نہ

آدھمکیں تو وہ کبھی ایک دوسرے کو ناپسند نہ کریں۔ مجھے ایک گلاس پانی تو پلانا
حاملہ بیٹے۔

راحت: وہ دونوں گلا جان اور ختم آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔
(حاملہ چھلانگ لگا کر چلا جاتا ہے)

کلیم: ہاں۔

راحت: ہم دونوں سے بھی زیادہ؟
کلیم: یہ کیسے بتایا جاسکتا ہے راحت بیٹے؟ ایسا تو کوئی پیمانہ ابھی ایجاد ہی نہیں ہو سکا۔

(حاملہ پانی کا گلاس لاتا ہے۔)

حاملہ: آپ کہاں جا رہے ہیں ابھی۔
کلیم: تم دونوں کھیلو جا کر میں ذرا ڈاکٹر عثمان کے کلینک پر جا رہا ہوں۔

کٹ

سین 7

ان ڈور

دن

(ڈاکٹر کے کلینک پر آتے ہیں عثمان کا کلینک عام ڈاکٹروں کا
ساکلینک ہے۔ عثمان کلیم کو اس بیڈ پر لٹا دیتا ہے جس پر عام طور پر
ڈاکٹر تشخیص کے لئے مریضوں کو لٹایا کرتے ہیں اور پھر ارد گرد پردہ
کھینچ لیتا ہے۔ کلیم اپنے سر تلے بازو رکھ کر باتیں کرتا ہے۔ عثمان
اس کے ساتھ ساتھ باتیں سنتا ہے۔)

آج آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

میں۔۔۔۔ میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں ڈاکٹر صاحب، اسی لئے میں آج آپ
کے پاس خود آیا ہوں۔

عثمان:
کلیم:

With Pleasure

بڑی دیر میں نے کوشش کی ہے کہ۔۔۔۔ کہ میں کسی سے اس بات کا ذکر نہ
کروں۔ لیکن مجھے لگتا ہے جب بلا فوت ہو جائے گا تو میں یہاں نہ رہ سکوں گا۔
اور اتنا بڑا بوجھ میں اپنے سینے پر لا کر جانا بھی نہیں چاہتا۔
فرمائیے۔

میری ایک بیوی اور دو بچے اور بھی ہیں۔

کیا کہہ رہے ہیں آپ؟
لیکن وہ یہاں نہیں رہتے ان کے گاؤں کا مجھے پتہ نہیں ان کے خاندان کا مجھے
علم نہیں صرف میں وہاں پہنچ جاتا ہوں خود بخود۔ جس طرح آگ چولہے میں
جلتی ہے اور اس کا دھواں بہت دور پہنچ جاتا ہے۔

آپ کیسے جاتے ہیں ان کے پاس۔

کبھی کبھی رات کے وقت۔ کبھی ہفتے میں ایک بار۔۔۔۔ کبھی سال کے بعد کبھی
دو مہینے میں۔۔۔۔ کبھی کبھی ہر روز لگاتار ہفتہ بھر۔ میں سوتا ہوں اور مجھے محسوس
ہوتا ہے کہ اس کلیم سے اس گوشت پوست کے کلیم سے ایک اصلی کلیم
اٹھتا ہے جس کے پاؤں میں کوئی مجبوری نہیں۔۔۔۔ جو کسی زنجیر سے بندھا ہوا
نہیں ہے وہ ہوا سے بھی ہلکا اور خوشبو سے بھی زیادہ لطیف کلیم ہے وہ اس
وجود سے اوپر اٹھتا ہے اور ہوا کی لہروں پر تیرتا ہوا پشیمین کے پاس چلا جاتا ہے۔
کس کے پاس!

پشیمین! میری بیوی ہے اسے میں نے کسی ہمدردی کسی مجبوری کسی ضرورت
کے تحت نہیں چنا۔ پس وہ میری بیوی ہے میں اس سے اس طرح ملتا ہوں جیسے
ہوا کا ایک جھونکا دوسرے جھونکے سے ملے۔۔۔۔ بلا مطلب! بے ساختگی
سے۔ آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آ رہا۔

جی ہاں میں غور سے سن رہا ہوں۔

مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی فیصلہ ہو جائے گا جلدی پھر۔۔۔۔ پھر مجھے عالیہ پر ترس
آتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کیا یہ ممکن ہے کہ۔۔۔۔ کہ میں کسی طرح اپنے
دوسرے اصلی گھر جاسکوں۔۔۔۔ حقیقت میں۔

دیکھئے کلیم صاحب کئی بار دماغ میں ایسے Tumour ہو جاتے ہیں جن سے

عثمان:
کلیم:

عثمان:
کلیم:

عثمان:
کلیم:

عثمان:
کلیم:

عثمان:
کلیم:

عثمان:
کلیم:

عثمان:

مریض Serious Complications کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ کئی بار اس سے بھی کئی نتائج نکلتے ہیں۔ Disastrous قسم کے۔ ہو سکتا ہے آپ کی Ailment ---- کا تعلق Mental Health سے ہو۔ بہر کیف آپ کو Medical Aid کا سارا لینا ہو گا۔

کلم: میں آپ سے کہہ رہا ہوں اس کا بیماری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے دل پر ایک بوجھ سا ہے۔ کیا مجھے عالیہ کو ---- یہ سب کچھ بتانا چاہئے؟ وہ ---- شاید سمجھ نہ سکے میرے نقطہ نظر کو۔

عثمان: شاید وہ آپ کی بہتر طور پر مدد کر سکیں۔
(اٹھ کر باہر کی طرف جاتے ہوئے)

کلم: وہ شاید اسے میری بے وفائی پر محمول کرے شاید ---- وہ مجھے۔

عثمان: عالیہ پڑھی لکھی خاتون ہیں وہ خواب کی کسی بیوی سے اس قدر نہیں چڑ سکتیں۔ دیکھئے میں پھر کہوں گا کہ آپ کسی وقت میں مجھے Ring کریں۔ میں ڈاکٹر سخاوت کے ساتھ مل کر آپ کے ایکس رے لوں گا۔ ہماری تسلی ہو گئی تو۔
(کلم بیڈ پر سے اٹھتا ہے)

کلم: مہربانی آپ کی مجھے بس اسی قدر کہنا تھا آپ سے ----
عثمان: سلام و علیکم کلم صاحب۔
کلم: وعلیکم السلام ----

ڈزالو

سین 8

ان ڈور

رات

(عالیہ راکنگ چیئر پر بیٹھی ہے کلم نیم دراز ہے)

کلم: تم ایک ہی وقت میں دو عورتوں سے کیسے محبت کر لیتے ہو ----؟
جس طرح تم حامد اور راحت سے ایک ہی وقت میں پیار کرتی ہو۔
یہ اور بات ہے۔

کلم: وہ بھی اور بات ہے عالیہ۔

کلم: (منہ پرے کر کے) تمہیں مجھ سے کبھی محبت تھی ہی نہیں۔ میں جانتی ہوں۔ ---- پہلے پہل تم بیٹھے بیٹھے خیالوں میں گم ہو جاتے تھے۔ تمہارے خیالوں کی رانی کوئی اور تھی ہمیشہ ---- رفتہ رفتہ اس فرار نے ایک صورت اختیار کر لی ہے۔ یہ خوابوں کی ملکہ جس کا ذکر تم کر رہے ہو۔ یہ تمہارے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ یہ تمہارے فرار کی راہ ہے۔ تم مجھ سے فرار ہو کر اس کی آغوش میں پناہ لیتے ہو۔ میں جانتی ہوں، جانتی ہوں، جانتی ہوں۔

کلم: اگر وفا کرنا میرے بس کی بات ہوتی تو میں ہمیشہ تمہارا وفادار رہتا۔ مرد اور کتے میں ایک فرق ہے۔ کتا زنجیر سے بندھ کر اسی گھر اسی زنجیر کی رکھوالی کرتا ہے۔ مرد زنجیر سے بندھ تو جاتا ہے لیکن اندر سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس کا ہمزاد کبھی زنجیر پا نہیں ہوتا عالیہ۔ ----

کلم: تم اس خیالی محبوبہ کی خاطر ---- ایک بے ہوئے گھر کا سکون تباہ کر رہے ہو۔ ---- مجھے ---- حامد ---- راحت کو ---- اذیت کے حوالے کر رہے ہو۔
کون جانے عالیہ ---- کیا سچ ہے کیا جھوٹ ہے۔ کون جانے جب ہماری آنکھ کسی دوسرے جزیرے میں کسی دوسرے سیارے میں کھلے تو یہ زندگی یہ ساری اس کرۂ عرض کی زندگی کا دور ایک نغصے سے اچھٹے خواب کی طرح بے معنی ہو۔
کون جانے وہ زندگی اصلی ہے۔ اور یہ خواب ہے یا یہ اصلی ہے اور وہ خواب ہے۔ اس کا تعقیب کون کرے میری جان؟

کلم: تم علاج کرو لو کلم سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا کے لئے میرے ساتھ ہسپتال چلو۔ ----

کلم: تم چاہے میری حالت کی کچھ بھی Interpretation کرو اسے فرار کو یا بے وفائی کی آرزو کا منجمد ہو جانا کو۔ ڈاکٹر عثمان اسے Brain Tumour کہیں کوئی Analyst اسے Schizophrenia کہے چاہے، Hallucination

پکارے، چاہے Split Personality کے ---- لیکن تمہیں بتانا اپنا فرض

سمجھتا ہوں کہ جسم جس سطح پر زندہ رہتا ہے اس سطح پر انسانی روح کا مقام کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔

عالیہ: راحت کا کیا بنے گا۔ حامد کے متعلق تم نے کیا سوچا ہے۔ مجھے گولی مارو میں تو پرانی بیٹی ہوں۔ پر ان کا کیا بنے گا۔ وہ تو تمہاری اولاد ہیں۔

کلیم: بچے تو جذبہ تخلیق کی اولاد ہیں اور تحفظ اور بقا کے فرشتے انہیں پروان چڑھاتے ہیں ہم کون ہوتے ہیں انہیں اپنی ملکیت بنانے والے۔ بچوں سے میرا کیا تعلق؟

عالیہ: کلیم! کیا سوچ رہے ہو تم؟۔۔۔۔۔ کلیم میں عالیہ بلا رہی ہوں تمہیں۔ کلیم؟ کلیم؟؟

(عالیہ زور زور سے کلیم کو جھنجھوڑتی ہے۔ عقب میں بکریوں کی صدائیں ابھرتی تھیں۔ یکدم عالیہ ایسے چہرہ بناتی ہے جیسے کچھ سو گھم رہی ہو۔)

کٹ

سین 9

ان ڈور

کچھ لمحے بعد

(دروازے کے ساتھ پشینہ رو رہی ہے اور کلیم اسے جھنجھوڑ

رہا ہے۔)

کلیم: پشینہ۔۔۔۔۔ کیوں رو رہی ہے تو۔۔۔۔۔ کیا ہوا۔

پشینہ: اب آیا ہے تو شر سے لوٹ کر۔ بابا تو تیری راہ دیکھ دیکھ کر چلا بھی گیا۔ جا چلا جا شر۔۔۔۔۔ چھوڑ جا ہمیں۔

کلیم: مت بول پشینہ۔۔۔۔۔ چپ رہ۔ تو بولے گی تو پھر میرے لئے کوئی جگہ ایسی نہ رہ

جائے گی جہاں جا کر میں آرام سے بیٹھ سکوں ٹھنڈی ہوا سے باتیں کر سکوں۔ بابا چلا گیا ہمیں چھوڑ کر۔۔۔۔۔ کلیم میرا بابا چلا گیا۔

کلیم: جانے دے مت روک۔۔۔۔۔ مت اس کی راہ کھوٹی کر۔ آنسو تو زنجیر ہوتے ہیں باندھ لیتے ہیں آدمی کو۔ مت باندھ مجھے کسی زنجیر سے۔

پشینہ: اب میں کیا کروں گی اکیلی۔۔۔۔۔ تو تو اپنے شر چلا جائے گا۔ میں جانتی ہوں تجھے اپنے ڈیرے سے شر اچھا لگتا ہے۔

کلیم: اور شر والے کہتے ہیں تو یہاں ہوتے ہوئے کہاں چلا جاتا ہے کلیم۔

پشینہ: مجھ سے وعدہ کر اب کہیں نہ جائے گا تو۔۔۔۔۔

کلیم: وعدہ کرنے کو نہ کہہ۔۔۔۔۔ دیکھ کسی دوسرے سے کیا ہوا وعدہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اپنے دل سے کیا ہوا وعدہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ مت بول چپ رہ۔

دیکھ تو کلیم میں بلاتی ہوں پر یہ بولتا نہیں۔ دیکھ ایسا سنگ دل تو کبھی نہ تھا بابا۔

پشینہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتی ہے بابا پٹنگ پر لیٹا ہے۔ اس

کے چہرے پر چادر ہے۔ بچے سسے ہوئے بیٹھے ہیں۔

(کلیم بابا کے پاس بیٹھتا ہے۔ شدم اور گلا جان دائیں بائیں

آکر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہیں کلیم باری باری دونوں کے

ہاتھوں کو چومتا ہے۔)

ڈزالو

سین 10

ان ڈور

صبح

(کیمرہ پٹنگ کے نیچے رکھے ہوئے بوتلوں پر مرکوز ہو جاتا ہے۔

یہ بوٹ گرد سے اٹے ہیں۔ اب کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے۔ کلیم حسب

معمول پلنگ پر لیٹا ہے اس کی آنکھیں کھلی ہیں۔ وہ ایک عزم کے ساتھ اٹھتا ہے اپنے کندھوں پر کیاں مارتا ہے۔ دوسری جانب سے عالیہ کیتلی اٹھائے آتی ہے۔

مگ میں گرم پانی ڈال کر دوں شیو کے لئے۔

آج میں دفتر نہیں جاؤں گا۔ بہت تھکان ہو گئی ہے مجھے۔

تھکان؟

رات ---- قبرستان دور تھا۔ اور گاؤں کے لوگ کم تھے مجھے دور تک کندھا دینا پڑا۔

کندھا دینا پڑا۔۔۔ کیسے؟ کون سا قبرستان۔

(اب کلیم اٹھتا ہے اور جوتوں میں پاؤں ڈالنا چاہتا ہے یکدم

اس کی نگاہ اپنے بوٹوں پر پڑتی ہے۔)

دیکھ عالیہ میرے بوٹوں کی طرف دیکھ۔ میں جھوٹ نہیں کہتا تھا تجھے۔ قبرستان کی مٹی سرخ تھی۔ جب میں نے بابا کو لحد میں اتارا۔۔۔۔ دیکھ عالیہ میرے بوٹ دیکھ۔ دیکھ میں جھوٹ نہیں کہتا۔ وہ میرا انتظار کرے گی اب۔۔۔۔ بابا کے بغیر کیا بنے گا اس کا۔

(عالیہ پاس آکر بوٹ سے مٹی اپنی انگلی پر اتار کر دیکھتی

ہے۔)

کیسی عجیب و غریب مٹی ہے۔ کہاں سے پڑی آپ کے جوتوں پر۔

میں نہیں کہتا تھا تجھے۔۔۔۔ وہاں پشینہ ہے میرے بچے ہیں۔ میری روح اور تمنائوں کے جانشین۔۔۔۔ خدم اور گلا جان۔۔۔۔ پشینہ اور میں دو نہیں ہیں ایک ہی آواز کی بازگشت ہیں۔ ہم دونوں۔۔۔۔ عالیہ آئی ایم سوری۔

(عالیہ گم سم اس کی طرف دیکھتی ہے کلیم یکدم شرمندہ سا

ہو جاتا ہے۔)

کہہ دو۔۔۔۔ سب کچھ کہہ دو۔ کم از کم مجھے دہرا عذاب تو نہ ہو۔

دوہرا عذاب۔

ایک عذاب تو یہ ہوا کہ تم پشینہ کو مجھ سے زیادہ چاہتے ہو دوسرا عذاب یہ کہ تم نے یہ بات مجھ سے چھپائے بھی رکھی۔

میرے لئے ایک گلاس پانی لاؤ گی عالیہ۔

(عالیہ جاتی ہے۔ سنگ مرمر کے لیٹے سے میاں کی آواز

آتی ہے۔ اب کلیم رانگ چیر میں بیٹھ جاتا ہے۔ ساتھ ہی کھڑکی کا

پردہ ہلتا ہے۔ الارم بجنے لگتا ہے۔ کلیم مٹھیاں بھینچتے ہوئی بڑا

Tense ہوتا ہے۔ کیمرو پہلے سارا منظر دکھاتا ہے۔ بعد میں مڈ شاٹ

دکھاتا ہے کہ کلیم بے سدھ پڑا ہے اور اس کی جان کرسی پر بیٹھے

بیٹھے نکل جاتی ہے۔ اوپر سے عالیہ آتی ہے پانی کا گلاس میز پر رکھتی

ہے کلیم کے پاس جاتی ہے نبض دیکھتی ہے پھر بھکتی ہے۔ سرخ

مٹی بوٹوں سے کانڈ پر جھاڑتی ہے اور کانڈ کی پڑیا بناتی ہے۔ منظر

فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔ چند ثانیے منظر بالکل سیاہ رہتا ہے۔ پھر دن کا

سوریا جیسے نکلتا ہے۔ اب اسی کرسی پر عالیہ بیٹھی ہے۔ پاس ڈاکٹر

عثمن مثل رہا ہے۔

آپ اس وقت تو ہم پرستی اور ضعیف اعتقادی سے کام نہ لیں بیگم کلیم میں سمجھتا ہوں یہ صدمہ آپ کے لئے برداشت کرنا مشکل ہے۔ لیکن اگر آپ ان لائنز پر سوچیں گی تو میرا خیال ہے کہ آپ کی اپنی Thinking خراب ہو جائے گی۔

تو میں کیا سوچوں؟ آپ کی طرح یہ سوچوں کہ اس کے دماغ میں ٹیو مر تھا؟ یا اس بات پر ایمان لے آؤں کہ اس نے مجھ سے فرار حاصل کرنے کے لئے اتنے جتن کئے بالاخر وہ اندر ہی اندر سانس روک کر مر گیا۔۔۔۔

اس کے مرنے کا Reason جو بھی ہو بہر کیف بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے بچوں کو یہی بتائیں کہ ان کے ابا ٹیو مر کے مریض تھے کم از کم سکول جا کر انہیں یہ بات اپنے ہم جماعت بچوں کو سمجھانی تو آسان ہو۔

(عالیہ پڑا کھول کر سامنے پیش کرتے ہوئے) شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن صدیوں سے کچھ ایسی حیران کن باتیں کچھ مافوق الفطرت واقعات کچھ ایسے حیرت انگیز حادثات ہوتے چلے آئے ہیں کہ ان کا کوئی جواز ہمارے پاس موجود نہیں۔ انسانی روح کے تجربات تو ہوا کی مانند ہیں یہ دکھائے تھوڑی جاسکتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے آپ بھی اس وقت کلیم صاحب کی طرح سوچ رہی ہیں میں

کلیم:

عثمن:

عالیہ:

عثمن:

عالیہ:

عثمن:

شام کو آپ کو پھر دیکھنے آؤں گا۔

(اب عثمان چلا جاتا ہے۔ عالیہ چپ چاپ بیٹھی ہے۔)

کلیم میں نے اپنی ہتھیلی کھول دی ہے۔۔۔۔۔ محبت کا پارہ مٹھی بھینچنے پر انگلیوں کی درزوں سے نکل جاتا ہے۔ اب ہتھیلی کھلی ہے۔ تو لگتا ہے کہ تم یہیں کہیں ہو۔۔۔۔۔ بالکل پاس۔ جیسے تم کہیں کبھی گئے ہی نہیں کبھی۔۔۔۔۔

(الارم کلاک بجنے لگتا ہے پردہ ہلتا ہے۔ کھڑکی میں لمحہ بھر کے لئے کلیم اپنے نیگیٹو کی صورت میں نظر آتا ہے۔ پھر وہ کھڑکی سے اندر آتا ہے اور پلنگ پر لیٹتا ہے۔ ہلکی ہلکی موسیقی رواں ہو جاتی ہے۔ پھر پلنگ پر کلیم کا نیگیٹو موجود نہیں ہوتا۔ اب کارنس پر جو کھلونا لیلا موجود ہے۔ اس کی جگہ وہی لیلہ موجود ہے۔ جو پشیمینہ کے گھر ہوا کرتا تھا۔ عالیہ اٹھتی ہے اس لیے کو گود میں لیتی ہے اور اپنی آرام کرسی پر آ بیٹھتی ہے۔ اب وہ کرسی کو Rock کرتی ہے۔ موسیقی اس پر اوور لیپ کرتی ہے عالیہ کے چہرے پر پہلی بار اطمینان بھری مسکراہٹ طاری ہے۔)

پیغام زبانی اور ہے

(اوپر والی منزل کا ایک اپارٹمنٹ، جس میں پشت کی جانب ایک لمبی سی کھڑکی ہے اس کھڑکی سے کچھ فاصلے پر ایک نیون سائین ہے جو رات کے مناظر میں چمکتا ہے اس پوسٹر پر لکھا ہے۔

Dont take risk Buys speed tyres for safety.

اس سائین بورڈ پر دو بڑے بڑے ٹائروں کی تصویریں بنی ہیں۔ دن کے مناظر میں صرف یہ حروف بلیوں سے بنے نظر آتے ہیں۔ اور رات کے وقت یہ سارا بورڈ جگمگانے لگتا ہے۔ ٹائسل کے فیڈ آؤٹ ہونے پر کیمرو ڈریسنگ ٹیبل کا کلوڑا پ لیتا ہے یہاں فریم میں یوسف دالمانی کی بیگم اور اس کے دس بارہ سال کے بیٹے کی ایک انٹارجنڈ فوٹو لگی ہوئی ہے کیمرو ٹریک بیک کرتا ہے۔ یوسف دالمانی جو نیوہی کا تاجر ہے اور درمیانی عمر کا آدمی ہے۔ غسل خانے سے برآمد ہوتا ہے۔ وہ اس وقت دانت برش کر رہا ہے۔ یوسف دالمانی الناری کھول کر تولیہ نکالتا ہے اس وقت اس کا ملازم نصیر اندر آتا ہے۔ نصیر ایک دسویں پاس نوجوان ملازم ہے۔ باتونی ہے۔ بڑی پریت سے بال بناتا ہے خوبصورت نہیں ہے لیکن آئینہ دیکھنے کا بہت شوق ہے مالک سے بات کرتے ہوئے بھی کئی بار جب سنگھار میز کے شیشے پر اس کی نظر پڑ جاتی ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ وہ صرف ایک معمولی ملازم ہے اس وقت نصیر کے ہاتھ میں ایک عدد جوتے کا جوڑا ہے اور وہ اسے کپڑے سے چمکا تاؤ داخل ہوتا ہے۔

سرجی دوپہر کو کیا کپے گا۔ کرلیے گوشت، بھنڈی گوشت؟

(قدرے آلتا ہٹ کے ساتھ) کچھ ہی پکا لو نصیر۔

نصیر:

یوسف:

کردار:

عمر پچاس کے لگ بھگ
منہ چڑھا ملازم عمرتیں برس
اخباری نمائندہ
فوٹو گرافر
تارگھر کا بابو
سیٹھ دالمانی کے کارخانے کا
سیٹھ صاحب کا دوست
ایک چھوٹی سی بچی
نونی کا باپ
ایک اور لڑکا
ایک چھوٹی بچی جو ابھی بولتی نہیں

◆ سیٹھ یوسف دالمانی
◆ نصیر
◆ فضل
◆ ندیم
◆ محمد علی
◆ پی۔ اے
◆ انور
◆ فونی
◆ ارشاد
◆ جمیل
◆ صومی

نصیر: سر وہ جو آپ کے دوست غلام ربانی صاحب ہیں نا۔ میں نے چار مہینے ان کے گھر نوکری کی تھی۔ بیگم صاحب ایک دن سات سالن پکا کر فریج میں رکھ دیتی تھیں۔ پھر بھرتے بھر کے لئے ان کو بھی چھٹی مجھے بھی چھٹی۔

یوسف:

کوئی فون تو نہیں آیا تھا۔

نصیر:

(اپنی رو میں) سر آپ شادی کر لیں جی دوبارہ بیگم ہو تو بڑا آرام رہتا ہے جی سات سالن ایک دن پکانے کا۔

یوسف:

تم خود ہی پکا لیا کرو ایک ہی دن۔

نصیر:

خود کوئی تھوڑا پکا سکتا ہے سرجی۔ اس کے لئے تو ایک بیگم درکار ہوتی ہے۔ جب تک کام ختم نہ ہو بیٹھنے نہ دے۔ ہاں سرجی وہ فاروق کہہ رہا تھا دن یونٹ توڑ کر برا کیا لوگوں نے۔

یوسف:

کون سا فاروق؟

نصیر:

کھوکھے والا فاروق بڑا۔ بہت اخبار پڑھتا ہے۔ پہلے میں بھی اخبار پچا کرتا تھا سر جی۔

یوسف:

کیا کیا کام کئے ہیں تم نے۔

نصیر:

فلوں میں ٹولی میں نے دھکیلی، اخبار میں نے پیچہ کلینز میں رہا سرجی ٹرک پر۔ ڈیری فارم پر میں نے کام کیا ایئر پورٹ پر پورٹریں رہا پانچ مہینے پانچ دن۔

یوسف:

یہاں سے کہاں جانے کا ارادہ ہے نصیر؟

نصیر:

نہیں جی۔ آپ کے ساتھ تو میں ساری عمر رہوں گا آپ نیروبی جائیں گے تو ساتھ جائے گا بندہ۔

یوسف:

اب نیروبی جا کر کیا ملے گا نصیر؟

نصیر:

سرجی آپ برا نہ مائیں تو کوں۔

یوسف:

کہو؟

نصیر:

وہ سر میں ملک قیصر کے پاس جب کام کرتا تھا۔

یوسف:

ملک قیصر کون؟

نصیر:

جن کی فرنیچر کی دکان ہے، میکلوڈ روڈ پر۔ ان کی بیوی مرگئی تو چوتھے مہینے انہوں نے دوسری شادی کر لی۔ پانچ بچے تھے جی ان کے۔ چار مہینے سر۔ صرف چار مہینے بعد۔ آپ کو تو دو سال ہو گئے ایک فلم دیکھی تھی میں نے سرجی اس میں

دوسری بیوی بڑی اچھی تھی دوسری بیوی کبھی کبھی کافی اچھی ہوتی ہے سر۔ (اس وقت وہ غسل خانے کی طرف لوٹتا ہے۔)

یوسف:

دوسری بیوی تو ہمیشہ ہی اچھی ہوتی ہے نصیر۔

نصیر:

جی فاروق کہہ رہا تھا کہ دن یونٹ توڑ کر برا کیا لوگوں نے۔

یوسف:

(جالتے ہوئے) تمہیں اس سے کیا مزے سے بھنڈی گوشت پکایا کرو نصیر الدین احمد خاں۔

نصیر:

لیکن سرجی سیاست میں دلچسپی لینا بھی ہر آدمی کا فرض ہے۔

(اب یوسف غسل خانے میں داخل ہوتا ہے نصیر آئینے میں

دیکھتا ہے سر کا سینٹ سپرے استعمال کرتا ہے اس وقت نوٹی آتی

ہے گود میں چھوٹا سا کتا ہے یوں لگتا ہے جیسے وہ تازہ تازہ روٹی

ہے۔ نصیر ان بچوں سے بہت چڑتا ہے جو صاحب سے ملنے آتے

ہیں۔ نوٹی کو دیکھ کر وہ ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کرتا ہے۔)

جاؤ نوٹی جاؤ۔ (دلی آواز میں)

نصیر:

انکل کہاں ہیں؟

نوٹی:

(دانتوں میں بھیج بھیج کر) کیا لینا ہے انکل سے۔ کیا کہا؟

نصیر:

پل بوائے ہیں۔

نوٹی:

(اندر سے آواز آتی ہے۔)

نصیر:

وہ تیری آپا ہیں؟ تیرے نوکر ہیں آجاتی ہے اوھر سے منہ اٹھا کر۔

یوسف:

کس سے باتیں کر رہے ہو نصیر؟

نصیر:

کوئی نہیں سرجی۔ اپنی دھوبن کی لڑکی ہے بش شرٹ دینے آئی ہے۔

نوٹی:

(اوپنی آواز میں) میں آئی ہوں انکل نوٹی۔

یوسف:

(آواز میں ابھی آتا ہوں بیٹے۔)

نصیر:

خبردار جو میری شکایت کی۔ بڑی امی سے شکایت لگا دوں گا جا کر۔

نوٹی:

کیا شکایت لگا دو گے میری۔

نصیر:

بتا دوں گا کہ تو نے ہمارے روشن دان کا شیشہ توڑا ہے۔ بل مار کر۔

نوٹی:

کب توڑا ہے میں نے شیشہ۔

نصیر:

توڑا نہیں تھا شیشہ۔ بچلی جعرات جب ہم ٹیلی ویژن دیکھ رہے تھے۔

باہر کیا ہو رہا ہے، کیا کر رہے ہو نصیر۔

کچھ نہیں جی ہم دونوں تاش کھیل رہے ہیں۔

یہ آواز کیسی ہے باہر۔

کیسی آواز سرجی۔

(داخل ہو کر) یہ ---- یہ آواز کیسی تھی؟

(نصیر اور نونی قالین پر بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں۔)

کیسی آواز مہرجی۔ ٹریکٹر گزرا تھا نیچے سڑک پر۔

ٹریکٹر کی آواز نہیں تھی۔

(تاش پھینک کر) کیسی آواز اٹکل۔

کیا بات ہے نونی۔

(یوسف کھڑکی کی طرف جاتا ہے۔ اور نیچے دیکھتا ہے۔ نونی پاس آتی ہے۔)

میں ابھی آتا ہوں باہر۔

بالکل سمنان سڑک پڑی ہے نیچے تو۔

میزے بل بنا دیجئے انکل۔

چمکی رہ۔ دیکھتی نہیں انکل دفتر جارہے ہیں۔

یہ بات نصیر سرگوشی میں کہتا ہے۔)

بڑی عجیب اور بڑی صاف آواز تھی (آہستہ آہستہ) جیسے کوئی تار دے رہا

-----جیسے-----

آپ ٹیلی گرام لکھ دیں سر میں ابھی چھوٹے ڈاک خانہ جا کر تار دے آتا

ہوں۔ تار والا بابو میرا واقف ہے رہنگ کا مہاجر ہے جی۔

بیٹھتے ہوئے) میرے لئے ایک گلاس پانی لانا نصیر۔

بھی سر جی۔

نصیر چلا جاتا ہے۔ نونی پاس آکر محبت سے کنگھی پکڑاتی ہے

یوسف کتنی لے کر نونی کے بالوں میں پھیرتا ہے۔)

سب آپ کنگھی پھیرتے ہیں تو ذرا درد نہیں ہوتا انکل امی تو یوں کنگھی چلاتی

سب یوں جیسے آراجل رہا ہو۔

بھی نونی آواز آئی تھی تمہیں۔

یسی آواز انکل۔

لٹ لٹ، گرر گرر، گٹ گٹ۔۔۔ گٹ میں غسل خانے میں شیو کر رہا تھا۔

ان ڈور

وہی وقت

اس وقت یوسف چہرے پر ریزر چلا رہا ہے یکدم ایسی آواز آنے لگتی ہے جیسے تار گھر میں گنگل آنے لگے۔ یوسف رکتا ہے آواز جاری رہتی ہے وہ ریزر کو دیکھتا ہے۔ پھر غسل خانے میں ادھر ادھر دیکھتا ہے برش کو کان سے لگاتا ہے یوسف نکلے کے ساتھ کان لگا کر سنتا ہے۔ آواز باقاعدہ اور اونچی آتی ہے یوسف جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکلتا ہے۔

نونی: انکل کوئی جھینگڑ ہوگا۔

یوسف: جھینگڑ نہیں تھا نونی۔

نونی: انکل جس کمرے میں، میں سوئی ہوں اس کی چھت پر تھوڑی سی سفیدی اتری ہوئی ہے رات کو میں غور سے دیکھتی ہوں تو زیرو کے بلب میں کم روشنی ہوتی ہے نا انکل۔

یوسف: ہوں۔

نونی: مجھے اس طرح لگتا ہے جیسے چھت پر ایک بھالو بیٹھا چرخہ کلت رہا ہے۔ اسی کستی ہیں یہ تیرا وہم ہے۔

یوسف: آواز تھی نونی بالکل ٹیلی گراف سنل جیسی۔

(اب دروازہ ذرا کھلتا ہے ارشاد اندر جھانکتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں چینی مینڈک جیسا کھلوتا ہے۔ یہ پتڑی کا بنا ہوا کھلوتا ہے۔ دباؤ تو بینڈے جیسی ٹک ٹک کی آواز آتی ہے۔)

نونی: آجاؤ ارشاد۔ آجاؤ نصیر نہیں ہے۔

یوسف: آؤ ارشاد۔

(اب ارشاد اندر داخل ہوتا ہے اور مینڈک کلکاتا ہے۔)

نونی: یہ آواز ہوگی انکل۔ ارشاد جب تم اوپر آرہے تھے تو تب تو اسے بجاتے آتے تھے نا۔

ارشاد: ہاں۔۔۔۔ میرے لئے یہ کل لائے تھے انکل۔

(اب پھر ٹیلی گراف کا ساؤنڈ ایکٹ شروع ہوتا ہے دونوں بچے اس دم بخود ہو کر سنتے ہیں۔ ساتھ ساتھ ارشاد بھی بیٹھا بجاتا ہے۔ اب آواز ذرا اونچی ہو جاتی ہے۔ نونی یوسف کی گود میں چڑھ جاتی ہے۔)

نونی: یہی آواز تھی نا انکل؟ بند کرنا اسے ارشاد۔

ارشاد: یہ کیسی آواز ہے انکل یہ کہاں سے آرہی ہے نونی۔

(نونی یوسف کا چہرہ اپنی طرف کرتی ہے آواز اونچی ہوتی ہے تینوں حیرانی سے فضاء میں دیکھتے ہیں یہ تصویر فیڈ آؤٹ ہوتی ہے۔)

نونی: چپ رہو۔۔۔۔۔ انکل انکل۔

کٹ

سین 2

ان ڈور

دن چڑھے

(یوسف کا دفتر۔۔۔۔۔ بڑی اعلیٰ قسم کی جگہ ہے بڑا ماڈرن دفتر ہے جس میں تین ٹیلی فون لگے ہوئے ہیں اس وقت یوسف ٹیل

کٹر سے اپنے ناخن تراش رہا ہے اس کے پاس ہی اس کا سیکرٹری کھڑا اسے قانونوں کے فٹ ڈیزائن کے سائل پیش کرتا ہے۔)

پی اے: سر یہ ان قانونوں کے سائل ہیں جو آپ نے۔۔۔۔۔

یوسف: آپ یہ سیمپل مجھے دکھانے کی بجائے سردار علی اینڈ برادرز کو بھیج دیجئے اور کونٹیشن بھی ساتھ بھجوائیئے۔ زیادہ سے زیادہ ہم ان کے لئے یہ رعایت کر سکتے ہیں کہ یا تو Ex.Mill ریٹ پر مال دے دیں یا پھر وہ Damaged مال لے لیں ہم سے۔ کچھ اور رعایت کرویں گے اس صورت میں۔

(فون کی گھنٹی بجتی ہے۔)

یوسف: (جو نگا اٹھا کر ہاں، ہاں، کون فضل چوہدری صاحب تو روک کیوں لیا انہیں۔) سیمجئے، ہاں۔ فونو گراف کو بھی بھیجئے۔

پی اے: سر میرز طفیل نے کہا تھا کہ آپ اگر Jute کا کارخانہ نہ لگائیں اور دول کا استعمال ہی کریں تو۔۔۔۔۔

یوسف: بابا ان کو میں نے کتنی دفعہ کہا ہے کہ وہ اپنے Suggestions سے ہمیں معاف رکھیں۔

پی اے: بس سر۔

یوسف: لکھ دو انہیں مال اٹھانا ہے تو اٹھائیں ورنہ کسی اور جگہ کھاتے کھولیں۔

پی اے: سر میں ایل سی کے لئے چلا جاؤں بیک کی طرف۔

یوسف: کل نہیں گئے تھے۔

پی اے: کل سر بیک بند ہو گیا تھا۔

یوسف: (گھڑی دیکھ کر) ضرور جاؤ۔

(پی اے جاتا ہے اس کے جاتے ہی پھر ٹیلی گراف کی آواز

آنے لگتی ہے یوسف فون کا چونکا اٹھا کر دیکھتا ہے کلن سے لگا کر

سنتا ہے کوئی آواز نہیں آ رہی ہے ادھر ادھر جھانکتا اور کلن لگا کر

سنتا ہے اب فضل چوہدری اور فوٹو گرافر ندیم داخل ہوتے ہیں۔

آواز بند ہو جاتی ہے۔)

دونوں: مے وی کم ان سر۔

یوسف: آئیے آئیے! (کچھ غائب اور کچھ حاضر رہے۔)

فضل: یہ جی میرے کلنگ ندیم، فوٹو گرافر ہیں۔

یوسف: آپ نمائش رسالے میں کام کرتے ہیں نا فضل چوہدری صاحب۔

فضل: بالکل سر۔ میں آپ کو ایک زحمت دینے آیا ہوں۔ ہم نے ایک نیا سلسلہ

شروع کیا ہے اپنے رسالے میں۔ ملک کے مشہور بزنس مین کی پرائیویٹ

لائف، میں نے سوچا کہ بسم اللہ آپ سے کرنی چاہئے۔

یوسف: بڑی مہربانی ہے آپ کی۔ لیکن۔۔۔۔۔ میری ایک ضروری میٹنگ ہے کچھ دیر

میں۔

(فوٹو گرافر اٹھ کر دو چار تصویریں بناتا ہے۔)

فضل: میں آپ سے چند ضروری سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ بس ہلکا سا لائف Sketch

باقی مضمون میں خود تیار کر لوں گا۔

ندیم: سر ذرا اس طرف چہرہ کیجئے۔

(فلش جلا کر تصویر کھینچتا ہے۔)

فضل: آپ کب سے نیروبی میں ہیں سر۔

یوسف: وراصل میرے والد صاحب وہاں پہلے سیٹل ہوئے۔

فضل: بزنس کیا تھا جی ان کا۔

یوسف: تین دکانیں تھیں ان کی جنرل مرچنٹ قسم کی، ڈرگ سٹور اور بیک سٹور بھی

ساتھ میں تھا۔ یہ قالینوں کا کارخانہ تو ادھر پاکستان میں اس بچت سے لگا ہے جو

وہاں ہوئی تھی۔

آپ اب پاکستان میں مستقل رہائش رکھیں گے کہ نیروبی لوٹ جائیں گے

یوسف: دالمانی صاحب؟

یوسف: اب ہم کیا لوٹیں گے نیروبی۔ نیروبی سے کچھ ایسی یادیں وابستہ ہیں کہ وہاں لوٹ

جانا اب ممکن نہیں رہا۔

سر آپ کے بچے۔

یوسف: ایک بیٹا تھا۔ سرفراز دالمانی آٹھویں میں پڑھتا تھا۔

فضل: وہ۔۔۔۔۔ (ذرا رک کر) وہ وہاں نیروبی میں ہے کہ آپ کے ساتھ۔

یوسف: وہ اور میری وائف اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔

(یوسف اٹھ کر جاتا ہے فضل کاپی لے کر ساتھ ساتھ جاتا

ہے۔)

ندیم: اگر آپ برائے نامیں تو ادھر آکر کھڑے ہو جائیں دیوار کے ساتھ میں آپ کی

ایک پورٹ بنانا چاہتا ہوں۔

فضل: اگر آپ اپنی زندگی کا کوئی واقعہ مجھے بتائیں۔ ایسا واقعہ جو آپ کے لئے بہت

اہم ہو تو۔۔۔۔۔ تو میں بہت ممنون ہوں گا سر۔

یوسف: سرفراز اور میری بیوی میمونہ ممباسا سے نیروبی آرہے تھے۔ Holiday Trip

لی تھی انہوں نے۔ میں ان کے ساتھ نہیں جاسکا تھا۔ جس روز انہیں لوٹنا

تھا۔۔۔۔۔ یعنی سات اکتوبر 68ء کو بڑا روشن دن تھا۔ صبح مجھے۔۔۔۔۔ اسی طرح

میں اپنے دفتر میں تھا کہ مجھے ایک تار ملا۔

(ندیم تصویر کھینچتا ہے اور شکریہ ادا کرتا ہے یوسف واپس

اپنی کرسی پر آکر بیٹھتا ہے۔)

فضل: آپ کی وائف کی طرف سے۔

یوسف: جی۔۔۔۔۔ انہوں نے مجھے ایئر پورٹ پر پہنچنے کی تاکید کی تھی۔

فضل: پھر۔۔۔۔۔

یوسف: میں ایئر پورٹ پر پہنچا لیکن وہ دونوں نہیں آئے۔

فضل: یعنی۔

یوسف: میں نے مہاسا سے آنے والی اٹھائیس Flights دیکھیں لیکن ---- لیکن وہ کیسے آتے؟

فضل: میں سمجھا نہیں سر۔

یوسف: (جیب سے رومال نکال کر آنکھوں پر رکھتا ہے۔) ان کے ہوائی جہاز کا Crash ہو گیا تھا۔۔۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔۔ مجھے دراصل اس واقعے کا ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔

ندیم، فضل: بڑا افسوس ہوا سن کر سر۔

یوسف: افریقہ کے جنگل بھی بڑے ظالم ہیں۔ جہازوں کو نگل لیتے ہیں تو پھر ان کی خبری نہیں ملتی۔ یہ واقعہ اگر آپ رقم کرنا چاہیں اپنی خوبصورت زبان میں۔ کیونکہ میں تو سادہ آدمی ہوں میں تو سیدھی سادی باتیں جانتا ہوں فضل چوہدری صاحب، میری عمر میں زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنا آسان نہیں ہوتا نئے دوست نئے رابطے، نئی بیوی، پھر سے بچے پھر سے خوشی، پھر سے تعلق، پھر سے غم۔۔۔۔ یہ سب کچھ غالباً میرے لئے اب قاتل قبول نہیں ہے۔

فضل: سر ابھی آپ کی کوئی خاص عمر تو نہیں ہوئی۔

یوسف: دوپہر جب ہو جائے فضل صاحب تو اس کے بعد دن ڈھلتا ہی جاتا ہے۔ شام آتی ہے، پھر پھیلتی ہے، پھر رات آجاتی ہے۔ (ندیم اٹھ کر تصویر بنانے کی تیاری کرتا ہے۔)

ندیم: ذرا بازو میز پر رکھ کر اسی طرح دیکھتے رہیے۔ اسی طرح فضاء میں بہت دور۔۔۔۔

یوسف: دراصل جو لوگ اپنے دل کے قریب ہوں وہ چاہے پاس رہیں یا دور جا بیس، زندہ رہیں یا مرجائیں ان سے دل کا تار ملا ہی رہتا ہے۔ ان کی باتیں دل کرتا ہی رہتا ہے وقت بوقت۔

فضل: بالکل درست کہتے ہیں آپ یوسف دامانی صاحب۔

یوسف: اگر سرفراز اور۔۔۔۔ میمونہ میرے پاس ہوتے تو میں خوشی سے انہیں یاد کرتا اب وہ۔۔۔۔ (رومال نکال کر آنکھوں سے لگاتا ہے۔) اس دنیا میں نہیں ہیں تو میں انہیں اپنی تمنائی کے ہاتھوں آنسوؤں کے ساتھ یاد کرتا ہوں۔ مقصد تو انہیں یاد رکھنا ہے فضل صاحب کیوں ندیم صاحب؟

(اب ندیم یکدم فلیش جلاتا ہے اور تصویر کھینچتا ہے ساتھ ہی تار کی آواز آنا شروع ہو جاتی ہے۔)

یوسف: سینے۔۔۔۔ سینے فضل صاحب آواز سینے ذرا۔۔۔۔ جیسے۔۔۔۔ جیسے تار گھر سے گنجل آرہا ہو کوئی۔ آپ کو آواز نہیں آری ندیم صاحب۔ (ندیم اور فضل نظریں ملاتے ہیں۔ جیسے انہیں یوسف کے دماغ پر شبہ ہو۔)

فضل: (صاف جھوٹ بولتا ہے) ہاں جی کچھ آواز سی تو آری ہے۔ شاید آپ کے سینے ٹائپ کر رہے ہیں۔

یوسف: غور سے سینے۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ اس کے معنی تو نہیں سمجھتا لیکن یہ آواز۔۔۔۔ یہ آواز مجھے اندری اندر جھنجھوڑتی ہے۔

فضل: اچھا سر۔ ہمیں آپ اجازت دیجئے۔ ہم نے آپ کا بہت قیمتی وقت لیا۔

یوسف: (حاضر نہیں ہے) جی نہیں۔۔۔۔ بالکل نہیں۔

فضل: (دونوں ہاتھ ملا کر رخصت ہوتے ہیں۔)

شکریہ سر۔

ندیم: خدا حافظ سر۔ شکریہ۔

یوسف: میں جانتا ہوں آپ کو آواز نہیں آری۔ لیکن وہ اس کمرے میں اسی طرح موجود ہے جیسے کوئی بھنورا گھس آیا ہو اندر۔

(فضل اور ندیم نکلیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔)

یوسف: (اوپر چہرہ اٹھا کر) خدا کے لئے مجھ سے کچھ کہو۔۔۔۔ میری زبان میں سرفراز۔۔۔۔ میمونہ، تم دونوں کہاں ہو۔۔۔۔ کس حال میں ہو؟ افریقہ کے شفاک جنگلوں نے تمہیں مجھ سے کیوں چھین لیا؟ کیوں کیوں کیوں؟

(پریشانی کے عالم میں بازو میز پر رکھ کر اپنا سر بازوؤں پر رکھتا ہے۔ آواز جاری رہتی ہے۔)

(کمرہ بظاہر خالی ہے، پھر پلنگ کے نیچے سے نونی نکلتی ہے باہر کی کھڑکی کی طرف سے ایک چھوٹا بچہ آتا ہے۔ ارشاد غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر آتا ہے۔ سب ایک دوسرے کو چپ کرانے کے انداز میں ہونٹوں پر انگلی رکھے ہوئے ہیں۔ ایک سال سوا سال کی بچی یوسف کے پلنگ پر بیٹھی بوٹی کھانے میں مشغول ہے۔ سب بڑی دبی دبی آوازوں میں باتیں کرتے ہیں۔ کھڑکی میں نیون سائمن جلتا ہے۔)

نونی: (آہستہ) اگر نصیر کو پتہ چل گیا تو وہ انکل سے ملنے نہیں دے گا۔

ارشاد: میں نے تو کہا تھا کہ غسل خانے میں چل کر چھپ جاؤ۔

جیل: بالکونی میں چلے جاتے ہیں۔

نونی: مجھے ڈر لگتا ہے نیچے سڑک کو دیکھ کر۔

ارشاد: آج انکل سے شکایت کریں گے نصیر کے بچے کی۔

نونی: پھر تو وہ تمہیں اس گھر سے بھی نکلا دے گا۔

(اب نصیر اندر آتا ہے۔ اس کے بازوؤں میں دھوبی کے

کپڑے کی دھلائی ہے۔ یہ کپڑے اتنے زیادہ ہیں کہ اس کے

چہرے تک آئے ہوئے ہیں اس طرح اسے بچے نظر نہیں آتے

(ہیں۔)

(گاتے ہوئے) سن دے بلوری اکھ والیا

نصیر:

اساں دل تیرے ٹال لالیا۔

تیری مہربانی، میرے ہانی، میرا بن جا۔۔۔۔ سن دے بلوری۔۔۔۔

(اب وہ کپڑے میز پر رکھ کر سیدھا آئینے کی طرف جاتا ہے

اور پھر گاتا ہے۔ آئینے میں تینوں بچے نظر آتے ہیں۔ یکدم جیسے

اسے غصہ چڑھ جاتا ہے۔)

نصیر: کیا کہا تھا بے ارشاد میں نے تجھ سے۔

ارشاد: میں تو ابھی آیا ہوں۔

نصیر: تو کیوں آئی ہے نونی۔۔۔۔ اور تو جیل۔

جیل: میں تو ایک سوال پوچھنے آیا تھا انکل یوسف سے۔

نصیر: ہاں وہ تیرا ماسٹر ہے پچاس روپے ٹیوشن لینے والا۔ تجھ سے جو میں نے کہا تھا نونی

کہ اب شام کو تجھے نہیں آنا میاں۔

نونی: میں تھوڑی آئی ہوں میرا ربن رہ گیا تھا میاں۔

نصیر: کچھ نہ کچھ چھوڑ جایا کر میاں ہر پھیرے میں۔ اور یہ صومی کو کون لایا ہے اور

لائے ہی بٹھا دیا اسے سیٹھ صاحب کے پلنگ پر۔ کر دے پلید۔۔۔۔ تیرے باپ

کا پلنگ ہے ناں۔

نونی: (چھوٹی بچی کو اتار کر فرش پر بٹھا دیتا ہے۔)

جیل: ہم نے اسے نہیں بٹھایا خود چڑھ گئی تھی یہ۔

نصیر: دو چار محلے کے اور لفٹ کے بچے ساتھ ملا لو اور ٹولی بنا کر ہانگتے پھرو گلی کو چوں میں۔

بہت پیسہ ہو جائے گا دنوں میں۔ اور اس ماسی مکاراں کو لیڈر بنا لیتا اپنا۔

جیل: ہم کیوں مانگیں خدا نخواستہ۔

ارشاد: اور وہ کیا ہوتا ہے ہر شام۔۔۔۔ انکل ہمیں ٹانی لا دو۔ انکل ہمیں Cones

کھلانے لے چلو۔۔۔۔ انکل ہمیں ایک نیا کھلونا خرید دو بہت مہنگا ہے می لے

کر نہیں دیتیں۔ وہ کیا ہوتا ہے ہر شام۔ ریشم کا کیرا اور انسان کا بچہ دونوں تباہی

ہیں، تباہی۔ چلو نکلو میاں سے۔

نونی: نصیر ہم صرف انکل سے مل کر چلے جائیں گے۔

ارشاد: دو منٹ کے لئے۔

نصیر: وہ تو اگر میں نہ ہوتا تو اس گھر میں بادشاہت ہی تمہاری ہو جاتی۔ چل نونی باہر ہو

چل کر۔

نونی: نصیر پلیز ہم آدھے گھنٹے میں چلے جائیں گے انکل کو دیکھ کر۔

نصیر: کوئی تیرے ڈیڈی کی طرح ساڑھے سات سے لے کر ڈیڑھ بجے تک کھیاں

تفسير:

نونی:

تفسير:

ارشاد:

یوسف

...

نوٹی:

تفسير:

جمیل

تفسير:

ارشاد

تفسير:

(تینوں بچے بادل نخواستہ دروازے کی طرف بڑھتے ہیں۔)

بتادے بتادے تیرے ڈیڈے سے تو گلی کا کتا بھی نہیں ڈرتا۔ نصیر کیا ڈرے گا،
نکل ارشاد۔ تو پھر کھڑی ہے۔

نصیر بھائی۔

نفسیر بھائی! خوشامدی بشرے لے جا اس اپنی بندریا کو بھی ساتھ۔ اس کو کیوں چھوڑ چلا ہے۔ رونے لگتی ہے، تو فرمائشی پروگرام کی طرح بندی نہیں ہوتی۔ لے جا اس لالی پاپ کی پیاری کو۔ بھیج دیتی ہے اسے تمہاری اماں۔ ہر منٹ کے بعد منہ تو اس کا مجھے ہی دھلانا پڑتا ہے ناں۔۔۔۔ چلو نکلو۔

(سارے بچے آہستہ آہستہ باہر جاتے ہیں۔ جمیل چھوٹی

صومی کو اٹھا کر لے جاتا ہے بعد میں نصیر کھٹاک سے دروازہ بند کرتا ہے گاتا ہے اور چادر ٹھیک کرتا ہے۔)

سن وے بلوری اکھ والیا۔۔۔ اسماں دل تیرے نال لالیا

(اب نصیر ڈرینگ فیمل کے آگے جا کر آئٹرشو لوٹن اپنے چہرے پر لگاتا ہے۔ ساتھ ساتھ اپنا جائزہ آکھینے میں لیتا ہے تھوڑا سا ٹانچا ہے۔ اب باہر سے نونی وغیرہ کی آوازیں آتی ہیں۔ نصیر یکدم Alert ہو جاتا ہے دروازہ کھلتا ہے یوسف چاروں بچوں سمیت داخل ہوتا ہے اس کی گود میں چھوٹی صوی ہے چاروں بچے باتیں کرتے آتے ہیں۔)

میں گھر پر نہیں تھا تو تم لوگ انتظار کر لیتے میرا۔

یوسف

سلام علیکم سرجی۔ یہ لوگ رکتے ہی نہیں تھے۔ میں نے تو کہا بھی ٹیپ ریکارڈ لگا دیتا ہوں۔

کب کہا تھا تم نے؟

کہا نہیں تھا جب تم صومی سے ٹائی چھین رہی تھیں۔

یہ جھوٹ بولتا ہے انکل۔

اپنے سے بڑے کو اس طرح نہیں کہا کرتے ارشاد بیٹا۔

(جھوٹ موٹ روتے ہوئے) دیکھ لیجئے جی ان کی میں کیسی کیسی خد متیں کرتا ہوں۔ پورا دو پونڈ کا تو یہ جیم کھا گئے۔ Honey کی بوتل ختم کر دی۔ Corn Flakes سارے ہضم کر گئے۔ ساتھ میں آپ کی نظروں میں چور بنوں ساتھ یہ مجھے جھوٹا کہیں۔

جب سے ایک پلاسٹک کا غبارہ نکالتا ہے۔) ناں بھی نصیر بھائی تو اپنا آدمی ہے پرانا۔ اسے کچھ نہیں کہتے۔ یہ دیکھو ہم کیا لائے ہیں۔ سب کے لئے۔

میرے لئے پنسلوں کا ڈبہ نہیں لائے انکل۔

نکال کر دیتا ہے) لائے ہیں لائے کیوں نہیں۔

(جس وقت یوسف سب کو چیزیں دیتا ہے نصیر بزاری کے

عالم میں حسد کے ساتھ سبز ہوا جاتا ہے

میرا پینٹ بکس؟

وہ بھی آیا ہے۔

اور انکل میرے لئے؟

تمہارے لئے یہ پا جا۔۔۔۔ اس میں ذرا ہوا بھرو نصیر۔۔۔۔

(چھوٹی بچی صوی یوسف کی گود میں ہے۔ اسے یوسف لال پاپ دیتا ہے۔ نصیر بڑے بال میں ہوا بھرتا ہے یوسف ٹیپ ریکارڈ لگاتا ہے اور بال کو اوپر ہوا میں اچھالتا ہے۔ بچے اسے ہاتھوں سے اڑتے ہیں۔۔۔۔ بڑی تیز موسیقی جاری ہوتی ہے۔ یوسف اپنے ہاتھ میں صوی کا ہاتھ پکڑ کر بال کو ہٹ کرتا ہے۔ نصیر خاموش سا ہو کر تاش کے پتے پھینکتا ہے۔ یکدم اس پر تاریکی گٹ گٹ غالب آجاتی ہے۔ یوسف جلدی سے جا کر ٹیپ بند کر دیتا ہے۔)

دن

یوسف: تمہیں آواز آئی نونی۔

نونی: آئی ہے انگل۔

نصیر: (نقل اتارتے ہوئے لیکن قریباً زیر لب) آئی ہے انگل۔

یوسف: یہ۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ ارشاد تمہیں؟

ارشاد: یہ ٹیپ ریکارڈ کو کیا ہوا انگل گٹ گٹ کی آواز کیوں آنے لگی ہے اس میں سے؟

جیل: انگل یہ ٹیپ ریکارڈ خراب ہو گیا ہے آپ کا۔ آپ میرے ڈیڑی جیسا خریدیں۔

(آواز اونچی ہو جاتی ہے۔)

نصیر: (نقل اتارتے ہوئے) میرے ڈیڑی جیسا۔۔۔۔۔ اونہ۔

یوسف: سن رہے ہو نصیر۔۔۔۔۔ یہ کیسی آواز ہے؟

نصیر: کیسی آواز سرجی۔

یوسف: یوں لگتا ہے۔ سنو۔۔۔۔۔ سنو کوئی تار دے رہا ہے۔۔۔۔۔

تار گھر کی آواز آ رہی ہے۔ پہلے تو یہ آواز کبھی نہیں آئی۔ یہ گٹ گٹ گر گر۔

نصیر: کیسی آواز سر۔۔۔۔۔ کیسی آواز؟

یوسف: غور سے سنو۔۔۔۔۔ ادھر ہوا میں جیسے۔۔۔۔۔ سنگل ہو رہا ہے کوئی مجھے بلا رہا ہے۔

سنو نصیر تار گھر سے اطلاع آ رہی ہے۔ غور سے پوری توجہ سے سنو۔

(یوسف آواز کی طرف اس درجہ متوجہ ہے کہ اپنے دونوں

ہاتھ نصیر پر رکھتا ہے یکدم نصیر کا چہرہ بدلتا ہے اور اسے بھی جیسے

آواز آنے لگتی ہے وہ چہرہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھتا ہے۔)

گٹ

سین 4

ان دور

(یوسف اپنے دفتر میں بیٹھا ہے فون کی گھنٹی بجتی ہے۔

فون اٹھاتا ہے۔

پی اے اندر آتا ہے۔)

ہوں۔۔۔۔۔ ٹھیک یہ نصیر کیوں آیا ہے؟ کیا؟ اچھا بھیج دو۔

جناب، میسرز ایور لائٹ کا فیجر آیا ہے۔

ابھی بلاتا ہوں ایک منٹ۔

اچھا سر۔

(پی اے چلا جاتا ہے)

(اب نصیر آتا ہے اس کے ساتھ ایک بابو قسم کا آدمی ہے

محمد علی سلام کرتا ہے۔)

سرجی۔۔۔۔۔ میں اسے لایا ہوں۔ سلام کر۔ بھی، اس کا نام محمد علی ہے۔

اس کی نوکری کے لئے تم کہتے تھے نصیر؟

جی نہیں۔ اسے میں نوکری کے لئے نہیں لایا۔ بھائی محمد علی بات یہ ہے کہ کبھی

کبھی جہاں صاحب موجود ہوں وہاں سے ٹیلی گرام کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔

اچھا اچھا یہ تار گھر سے آئے ہیں۔۔۔۔۔ بیٹھو بیٹھو۔۔۔۔۔ محمد علی صاحب کبھی کبھی

اچانک مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہوا میں کوئی سنگل آ رہا ہے۔ چونکہ میں اسے

نہیں سمجھ سکتا اس لئے مجھے بہت الجھن ہوتی ہے۔

میں نے اسے بتایا ہے سرجی۔

کسی خاص وقت، کسی مقررہ وقت پر یہ سنگل آتا ہے جناب؟

نہیں اس کا کوئی خاص وقت تو مقرر نہیں ہے لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ

صبح کے وقت اور شام کے وقت جب بچے میرے پاس ہوں تو۔۔۔۔۔ یہ آواز

ضرور آتی ہے تم اسے گھر کیوں نہیں لائے نصیر۔۔۔۔۔

وہاں کیا فائدہ سرجی۔ وہاں تو بچوں کی پلٹن بات ہی کرنے نہیں دیتی۔

یوں لگتا ہے جیسے ہوا میں سے میرے لئے کوئی پیام آ رہا ہے۔ جیسے کوئی روح

مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن میں کچھ سمجھ نہیں پاتا۔ میری آرزو ہے کہ تم چند دن کی چھٹی لے کر میرے پاس رہو۔ میں تمہیں خدمت کا اچھا معاوضہ دوں گا۔

فٹ کلاس جگہ ہے محمد علی۔

بات یہ ہے کہ جی میری چھٹی Due نہیں ہے اس سال کی۔

اگر تم مان جاؤ تو ہم تمہارے صاحب کو فون کر کے سب طے کر لیں گے۔

وہ آپ کی مرضی ہے سر۔

تمہیں کچھ دن کے لئے میرے ساتھ رہنا ہو گا کون جانے ابھی آواز آنے لگے۔

کون جانے دو چار گھنٹے لگ جائیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو۔

غریب آدمی ہے جناب۔

(اب یوسف نمبر ملاتا ہے یکدم آواز آنے لگتی ہے۔)

سنو۔۔۔۔۔ سنو نصیر پھر آواز آئی۔۔۔۔۔ سنو محمد علی صاحب آواز آ رہی ہے۔

دیکھو گڈ گڈ گڈ۔۔۔۔۔ صاف۔۔۔۔۔ تار گھر کا گنٹل ہے۔ سنو نصیر۔

مجھے تو آواز نہیں آ رہی سر۔

تم غور سے سنو توجہ سے پلیز کلن لگاؤ۔ آواز آ رہی ہے آواز آ رہی ہے اب

ذوب گئی۔۔۔ اب پھر اونچی ہوئی۔

(محمد علی اور نصیر کو آواز نہیں آ رہی وہ خالی خالی بیٹھے ہیں

منظر ڈوبتا ہے۔)

کٹ

سین 5

ان ڈور

شام

(کمرے میں نصیر اور محمد علی کے سوائے کوئی نہیں ہے۔ محمد

علی ایک غریب سالانہ پیشہ آدمی ہے۔ وہ چپ چاپ بیٹھا ہے۔

نصیر کھانے کے کمرے کی میز پر سے جیم کی بوتل اٹھا کر پیچ سے کھاتا

ہے۔)

کھالے یار امروزوں کی جیلی ہے بڑا عمدہ مزہ ہے۔

بس۔۔۔۔۔ مہربانی۔

مرے کیوں جا رہے ہو۔ کارن فلیک کھاؤ شد اڑاؤ جان بناؤ۔

اچھے کام پر لائے ہو تم مجھے ایک ایسا سنگٹل جو سٹائی نہیں دیتا۔ اسے میں کیسے

Interpret کر سکتا ہوں۔

نہ کرو، اعلیٰ کو ارٹر پکھے والا، شاور والا غسٹوانہ، اچھا پسینے کو اچھا کھانے کو فلم دیکھنے

کو Extra Money اتنے مزے ویا میں نے اس وقت بھی نہیں کئے جب

میں گیٹ کیپر تھا زمر وٹائیز میں۔

مجھے تو تم چھٹی لے دو اپنے صاحب سے۔

گدھے کو نون دیا اس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں۔

میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں بیکاری کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

یہ بیکاری ہے ڈبل تنخواہ لوگے اور کیا چاہئے تمہیں۔

دیکھو میں تو جا رہا ہوں۔ تمہارے صاحب آئیں تو میرا سلام کہنا میں کب تک

سنگٹلوں کا انتظار کرتا رہوں بیٹھا۔

(چلنے کے لئے اٹھتا ہے اس وقت یوسف بھاگتا ہوا اندر

داخل ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی سنگٹل کی آواز آنے لگتی ہے۔)

سنو محمد علی کتنی صاف آواز ہے میں دفتر سے گاڑی واپس لا رہا ہوں سنو خدا

کے لئے توجہ دو سنو۔۔۔۔۔ ضرور کوشش کرو۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ یہ

آواز ضرور مجھے دیوانہ کر دے گی۔ غور کرو۔ غور۔

(اس وقت وہ محمد علی کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیتا

ہے۔ جس وقت ہاتھ محمد علی کے کندھے پر رکھتا ہے۔ محمد علی جسم

توجہ بن جاتا ہے اب اسے آواز سنائی پڑتی ہے۔ محمد علی یکدم

بھڑک کر کہتا ہے۔)

یوسف: سنو۔۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔۔ سگنل آ رہا ہے۔۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔۔ غور سے توجہ سے۔

محمد: کانڈ پنل۔۔۔۔۔ پن۔۔۔۔۔ کانڈ کچھ دو مجھے کوئی چیز کانڈ پنل۔۔۔۔۔

(نصیر بھاگ کر اسے کانڈ پنل دیتا ہے محمد علی سنتا ہے اور

لکھتا ہے۔)

محمد:

Reach airport, Bring car. Important. Very Important Report

Bring your own car.

(اس وقت آواز بند ہو جاتی ہے۔)

نصیر: کیا کہا۔۔۔۔۔ کیا مطلب ہوا اس تار کا۔

محمد: ہوائی اڈے پر پہنچو۔۔۔۔۔ کار ساتھ لاؤ۔۔۔۔۔ بہت ضروری۔۔۔۔۔ اپنی کار ساتھ

لاؤ۔۔۔۔۔ لیکن یہ سگنل آ کہاں سے رہا ہے۔

یوسف: ایسا ہی تاریخات اکتوبر 68ء کو بھی آیا تھا۔ میمونہ نے بالکل یہی تار دیا تھا بالکل

یہی۔ ایئر پورٹ پر پہنچو۔۔۔۔۔ کار ساتھ ہو یہ ضروری ہے۔۔۔۔۔ یہ ضروری

ہے۔۔۔۔۔ یہ ضروری ہے۔

کٹ

سین 6

ان ڈور

دن

(اب ہم ایئر پورٹ پر پہنچتے ہیں۔ یوسف کی گاڑی پورچ میں

آکر رکتی ہے یوسف اترتا ہے۔ اسے ہم جلدی جلدی اندر کی

طرف جاتے دکھاتے ہیں۔ وہ کاؤنٹر پر جاتا ہے اور پوچھتا ہے اب

یوسف کو اضطراب کی کیفیت میں ایئر پورٹ کے مختلف مقامات پر

آتا جاتا دکھاتے ہیں۔ پھر وہ باہر کی ریلنگ پر جا کر کھڑا ہوتا ہے۔

ایک ہوائی جہاز اترتا ہے۔ سواریاں سیڑھیوں پر اترتی ہیں۔ یوسف

غور سے دیکھتا ہے۔ اب پیچھے سے ایک آدمی اس سے بغلیں ہوتا

ہے۔)

کراچی کی فلائٹ سے کون کون سی سواریاں آ رہی ہیں ابھی۔

ابھی لسٹ نہیں آئی سر۔

اچھا آدمی ہے بھئی وہ بیچاری صبح کی فلائٹ سے آئی اور تو اسے Receive

کرنے اس وقت آ رہا ہے شاباش۔ صرف برنس کرنا ہی سیکھا ہے بیوی کا دل

رکھنا نہیں سیکھا۔

بیوی۔۔۔۔۔؟ صبح کی فلائٹ سے۔

(آنکھ مار کر پھر کسی اور دلبر کو Receive کرنے آئے ہو۔

کسی اور دلبر کو۔۔۔۔۔ انور کیا کہہ رہے ہو تم صبح کی فلائٹ پر۔۔۔۔۔ تمہیں

دھوکہ ہوا ہے۔

بھابھی میمونہ اور سرفراز اترے تھے صبح کی فلائٹ سے میں ان کے ساتھ آیا

ہوں۔ دوسری فلائٹ سے راولپنڈی جا رہا ہوں۔

لیکن وہ تو۔۔۔۔۔ وہ دونوں تو Air Crash میں۔ ختم ہو چکے تھے۔

یہی تو بھابھی کہہ رہی تھیں کہ اب وہ جائیں کہاں ممباسہ سے نیروبی پہنچے کئی

مہینوں میں جنگل جھلس عبور کر کے ہوائی جہاز Crash ہو گیا تھا پر ان کی جائیں

بچ گئی تھیں۔ بیچاری بہت پریشان تھیں۔ تم کو اطلاع تھی تو یار صبح ہی آ جاتے

خدا کے بندے۔

یہ تم کس میمونہ اور سرفراز کی باتیں کر رہے ہو۔ (انور ہنستا ہے) تو اب وہ

دونوں کہاں گئے ہیں۔ میں کہاں تلاش کروں انہیں؟

بھابھی ذکر کر رہی تھیں کہ کسی ہوٹل میں قیام کریں گے۔ انہیں تو شاید علم

نہیں ہے کہ تم یہاں ہو۔

تم انہیں میرے پاس لے آتے۔

انور مجھے کیا معلوم ہے کہ جناب ان دنوں یہاں رہتے ہیں، میں نے کہا تھا ان

یوسف:

انکوائری:

انور:

یوسف:

انور:

یوسف:

انور:

یوسف:

انور:

یوسف:

انور:

یوسف:

انور:

سے کہ ہے تو پاکستان میں لیکن معلوم نہیں آج کل کہاں ہے۔ سہٹ سے کب آئے۔

یوسف: وہاں سے آئے ہوئے تو مجھے دو سال ہو گئے۔ اچھا۔۔۔ اچھا کوئی نہیں میں انہیں تلاش کر لوں گا۔

(چلنے لگتا ہے)

انور: میں نے انہیں خود ٹیکسی لے کر دی تھی۔ وہ مل کے کسی ہوٹل میں ٹھہری ہوں گی یوسف۔

یوسف: اس شہر کی ہر گلی ہر مکان ہر عمارت کو قسم ہے میری بیوی بچہ مجھے لوٹا دے یا میرے اللہ۔ مجھے کیوں تو ادھ کھلی آنکھوں سے خواب دکھلا رہا ہے۔ یہ کس گناہ کی سزا ہے؟ کیا کیا ہے میں نے؟ کیا کیا ہے میں نے؟

(وہ جلدی جلدی باہر نکلتا ہے۔ L Shot میں اسے باہر جاتے ہوئے دکھاتے ہیں۔)

کٹ

سین 7

ان ڈور

صبح

(یوسف کھانے کے کمرے کی میز پر اکیلا بیٹھا ہے سامنے ناشتے کا سامان لگا ہے۔ یوسف گلے میں سرویٹ لگا کر اس وقت پکارن فلیک کھا رہا ہے نصیر خوشی سے داخل ہوتا ہے۔

نصیر: سر یہ تصویر چھپی ہے آپ کی رسالے میں دیکھئے جناب۔
(اب کیمرہ رسالہ نمائش کا C.W. دکھاتا ہے اس پر یوسف کی تصویر چھپی ہے۔)

اندر مضمون بھی چھپا ہے سرجی۔ میں جب ریلوے میں ملازم تھا تو وہاں کے افسر کی تصویر چھپی تھی سرجی۔ اخبار میں انہوں نے سارے ریلوے سٹیشن کی ٹی پارٹی کی تھی جناب بیع قلیوں کے۔ یہ دیکھئے مضمون بھی چھپا ہے آپ کا۔ کیا لکھا ہے مضمون میں۔

(پڑھتے ہوئے) یوسف دامانی صاحب کے دل و دماغ پر شدت غم کی وجہ سے دیوانگی کا دورہ۔۔۔۔

کیا مطلب؟

یہ سرفی ہے جی مضمون کی۔

کیا؟

(پڑھتے ہوئے) ہم یوسف دامانی صاحب کے عالیشان کارخانے میں جہاں قالین بننے ہیں اور کافی دور تک جوٹ کی بو آتی ہے۔ داخل ہوئے تو ہمارے دہم و گمن میں بھی نہ تھا کہ جناب دامانی صاحب کا دل اس قدر غم آشنا ہے۔ (آہستہ) واقعی میرا دل غم آشنا ہے۔

جب وہ اپنی مرحوم بیوی کی باتیں کرنے لگے تو ان پر ایسی بھونٹانہ کیفیت طاری ہو گئی کہ انہیں فضاء سے اس تار کی آوازیں آنے لگیں۔ جو تار سات اکتوبر 68ء کو انہیں دیا گیا تھا۔ گو ہمیں اس سگنل کی آواز نہ آسکی لیکن سینٹھ دامانی کی شکل سے واضح تھا کہ وہ ماشی کی طرف لوٹ چکے ہیں۔ (یکدم) گولی ماریں جی آپ ان رسالے والوں کو۔ ان کے سینے میں دل ہی نہیں ہوتا۔ آپ اخبار پڑھیں سرجی۔

(یوسف یکدم بڑے تھکے ہوئے انداز میں اپنا سر کرسی کی پشت سے لگا دیتا ہے۔)

(رسالہ پرے پھینک دیتا ہے۔)

(بغیر اخبار کھولے) کل کا سارا دن سرفراز اور میمونہ کو ڈھونڈنے میں لگا۔ آدی جب تک اپنے عزیز کی لاش اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے ایک امید سی بندھی رہتی ہے۔ میں بھی کیسا احمق ہوں کہ گزر جانے والوں کو تلاش کرتا رہا۔ اور انور بھی کیسا وہمی آدی ہے کہ ہوائی جہاز میں کسی عورت کو میری بیوی سمجھتا رہا۔ لیکن شاید۔۔۔۔ نصیر الدین یہ دھوکا ہو واہمہ نہ ہو۔۔۔۔

نصیر

یوسف

نصیر

یوسف

نصیر

یوسف

نصیر

یوسف

نصیر

یوسف

نصیر

نصیر: آپ اخبار میں اشتہار دیں سر جی۔ تھانے میں رپورٹ کریں۔۔۔۔ ریڈیو پر کھلوائیں آپ کو سیٹھانی جی ضرور مل جائیں گی اخبار پڑھیں جی آپ غم نہ کریں۔ بس ایک دفعہ ریڈیو پر اعلان کرا دیں۔ کیا بات ہے سر جی۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔۔

(یوسف اخبار پڑھنے لگتا ہے اخبار کے صفحے پر بچے کی طرف میمونہ اور سرفراز کی تصویر لگی ہے۔)

(یوسف اب کھل غم کی تصویر بن چکا ہے۔)

یوسف: کچھ نہیں نصیر میں گاڑی وقت پر نہیں لے جا سکا۔
نصیر: کیسی گاڑی سر جی۔ کس وقت۔

(خبر پڑھتا ہے)

یوسف: سیٹھانی یوسف دامانی اور سرفراز ایئرپورٹ سے ٹیکسی میں روانہ ہوئے ابھی ان کی ٹیکسی ہل کے پار ہی ہوئی تھی کہ ٹائی راول کھل جانے سے گاڑی ایک پینل کے درخت سے جا ٹکرائی مسز یوسف دامانی اور سرفراز موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ ٹیکسی ڈرائیور ہسپتال میں ہے اور اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ (اس وقت تھوڑا سا دروازہ کھول کر نونی ارشد، جمیل اور عاصی جھانکتے ہیں۔)

انکل ہم آجائیں اندر۔

نونی: ان سب سے کہو اس وقت چلے جائیں۔۔۔۔ میں کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔ میں یوسف: نے۔۔۔۔ یہ بچے کیوں چلے آتے ہیں ہر وقت، کیا چاہئے انہیں سمجھے؟ کس کے بچے ہیں یہ۔۔۔۔۔
انکل۔

جمیل: ہم آپ کے لئے پھول لائے ہیں۔

نونی: (یوسف اپنا سر اخبار پر رکھ کر آہستہ آہستہ سسکیاں لیتا ہے)

نصیر جاتا ہے۔ دروازہ کھولتا ہے اور پھول نونی سے پکڑتا ہے۔

آہستہ آہستہ نصیر انہیں سمجھاتا ہے۔)

نصیر: تم لوگ یہاں سے نہ جانا۔ تمہارے انکل کی طبیعت خراب ہے جب وہ سر اٹھائیں ان سے لپٹ جانا دیکھو اپنے انکل کو ایک منٹ کے لئے اکیلا نہیں

چھوڑنا ورنہ میں جان سے مار دوں گا۔ تم سب کو خاص کر تجھے نونی ہر وقت ساتھ رہنا انکل کے کارخانے گھر ہر جگہ۔ کبھی نہیں چھوڑنا اپنے انکل کو۔۔۔۔۔ (پھول پکڑ کر لاتا ہے کیمرو اخبار کی تصویر دکھاتا ہے۔ سیٹھانی اور سرفراز کی تصویر ہے۔ نصیر یہ پھول اس تصویر پر رکھتا ہے پھر پشت کی جانب جا کر یوسف کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ بچے سے ہوئے دروازے کے پاس کھڑے ہیں۔)

کٹ

ایسی بلندی ایسی پستی

کردار:

- ◆ قریشی
- ◆ صدر مشاعرہ
- ◆ فیم
- ◆ پروڈیوسر
- ◆ جبین
- ◆ ماسٹر سلیپی
- ◆ عقیلہ
- ◆ غیاث
- ◆ جبین
- ◆ بابا
- ◆ اشرف

(شاہدہ کے قریب گلشن کالونی قسم کی جگہ میں ایک دو منزلہ مکان کا نچلا برآمدہ، یہ برآمدہ اندرونی صحن سے ملحق ہے جیسا کہ پرانی حویلیوں میں ہوا کرتا تھا۔ اس طرح صحن کا کچھ حصہ اور برآمدہ نظر آتے ہیں۔ منظر میں قریشی صاحب جو مالک مکان ہیں ہاتھوں میں چابیوں کا گچھائے کھڑے ہیں فیم جی ایک ٹین کی بکسی اٹھائے کھڑے ہیں برآمدے میں کچھ ٹوٹا سامان پڑا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں اور کچھ نہیں مالک مکان ایک موٹر سائیکل پر سے ردیال کے ساتھ مٹی جھاڑ کر بیٹھتا ہے اور فیم جی بالا خر اپنے ہی بکس نما ٹرنک پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس وقت جبین صراحی اور ایک سوٹ کیس اٹھائے اندر آتی ہے۔)

قریشی:

سارے کمرے کھول دوں گا فیم جی آپ فکر نہ کریں۔

فیم:

نہ جی۔ ایک میرا بوڑھا دم ایک جبین، ہمیں کتنے کمرے چاہئیں دو نہ سہی چار سہی۔

قریشی:

تین کمرے تو کوٹھے پر ہیں چھ نیچے ہیں۔

فیم:

بیٹے سب کچھ نکال لیا تھا تانگے میں سے؟

جبین:

جی ابا۔ تانگے کا نمبر بھی میں نے نوٹ کر لیا ہے۔

فیم:

ہے نا پگلی۔ ہمارا کون سا قیمتی سامان تھا۔ کہ تو نمبر نوٹ کرتی رہی اتنی دیر۔

قریشی:

جس وقت مجھے کریم صاحب کا خط ملا اوکاڑے سے میں نے ارادہ کر لیا کہ آپ کو مکان دے دوں گا۔

فیم:

قریشی صاحب (پچکچا کر)

قریشی:

جناب۔

فیم: بات یہ ہے کہ ---- جبیں تو ذرا گھوم پھر کر مکان دیکھ لے تیری پسند ہو تو رہیں اس میں۔

جبیں: کوٹھے کو یہ سامنے سے بیڑھیاں جاتی ہیں قریبی صاحب؟

قریبی: ہاں بیٹی سات بیڑھیوں کے بعد فیم چھتی آتی ہے سیدھی چلی جاؤ گی تو کوٹھے پر جانکو گی۔ (جبیں جاتی ہے)

فیم: آپ جانتے ہیں اب مجھ جیسے فیم کے لئے رزق کا کال ہو گیا ہے۔ اس لئے لاہور آنا پڑا۔

قریبی: فکر نہ کریں کسی دکان پر کسی جگہ اکبری منڈی میں کام مل جائے گا حساب کتاب کا۔

فیم: کام تو انشاء اللہ مل ہی جائے گا۔ میں، میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کا مکان بہت بڑا ہے اور میں ---- میں کرایہ نہیں دے سکتا فی الحال۔ (قریبی کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھ کر)

قریبی: لیجئے۔ کرایہ کون مانگ رہا ہے آڑھتی کریم دین سے پرانا بھائی چارہ ہے۔ آپ کا روزگار لگ جائے گا تو کرایہ بھی دیکھا جائے گا۔

جبیں: (واپس آکر) اباجی۔ اوپر والے کمرے میں، میں رہوں گی۔ رنگین شیشے لگے ہیں کھڑکیوں میں۔ وہاں سے جہانگیر کا مقبرہ بھی نظر آتا ہے۔

قریبی: (چابیاں دیتے ہوئے) لیجئے فیم جی یہ چابیاں اوپر والے دو کمرے میرے سلمان سے بند ہیں ان کے سوائے سارا گھر آپ کے لئے حاضر ہے اور کوئی چیز۔

فیم: جی نہیں شکریہ آپ نے پہلے ہی بہت تکلیف کی ہے۔

قریبی: کوئی روٹی پانی؟

فیم: ہم انتظام کر لیں گے جی۔

قریبی: ساتھ ہی گھر رہتے ہیں۔ فسط کلاس دودھ ملے گا۔ سبزی والا ریڑے پر گزرتا ہے موڑ پر کھوکھا ہے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ دس دس منٹ میں بس چلتی ہے داتا کے دربار کی۔

جبیں: اباجی اوپر دیکھیں ذرا۔

فیم: کیا ہے؟

جبیں: وہ مٹی پر چیل کیسی بیٹھی ہے۔

قریبی: گرمی کا موسم ہے بیٹی چیلیں بیٹھا ہی کرتی ہیں۔

جبیں: میں نے کوٹھے پر سے اسے اڑایا تھا اباجی۔ شہ نشین پر کوٹھے پڑے تھے وہ بھی مارے تھے مگر یہ فیم صاحب لٹ سے مس نہیں ہوئی۔

قریبی: فیم جی میں تو چتا ہوں کل میرے بیٹے کا عقیقہ ہے کچھ انتظام شہنظام کروں گا چل کر۔ خدا حافظ۔

جبیں، فیم: (بیک وقت) بہت بہت شکریہ جی۔ سلام علیکم۔ شکریہ آپ کا۔ خدا حافظ

جبیں: اباجی۔ اندر چل کر دیکھیں کیسا خوبصورت مکان ہے۔ میں نہ کہتی تھی ہماری قسمت اتنی خراب نہیں ہو سکتی اب تو مان جائیے۔ جس اللہ نے مکان کا انتظام کیا وہ نوکری کا بھی کر دے گا۔

فیم: کچھ شہر سے دور ہے جبیں۔

جبیں: پر آپ چل کر دیکھیں تو سہی کیسے کیسے ڈیرائن بنوائے ہیں قریبی صاحب نے چھتوں پر۔

فیم: تو چل میں ذرا دو سجدے ادا کر لوں اپنے مالک کے سامنے۔

جبیں: (دو قدم چل کر) اباجی۔

فیم: (بکسی میں سے تولیہ نکالتے ہوئے) کیا ہے جبیں؟

جبیں: اباجی۔ اتنا بڑا مکان لاہور جیسا منگا شہر۔ ذرا سوچنے اباجی سوچنے بالکل مفتا مفت۔ کبھی سنا ہے کسی نے؟ ہوا ہے ایسے کبھی اب بھی کئے۔ خدا کسی کسی کی کبھی نہیں سنتا۔ دیکھ لیجئے۔

فیم: (یہ کہہ کر جبیں چلی جاتی ہے۔)

فیم: (کھانٹ کر سر پر تولیہ رکھتا ہے۔)

کٹ

اب ہم جبین کے ساتھ کوٹھے کے اس کمرے میں آتے ہیں جہاں رنگین شیشوں والی کھڑکیاں ہیں۔ لمبی لمبی الماریاں ہیں جن کے سامنے بڑے بڑے شیشے جڑے ہیں اس کے علاوہ کمرے میں اور کوئی آرائشی چیز نہیں ہے ایک خالی چارپائی بھی ہے جس پر کوئی بستر وغیرہ نہیں ایک طرف ایک ترچھا سا ڈرینگ ٹیبل پڑا ہے۔

جبیں اندر گھستی ہے چھینک مارتی ہے پر کھڑکی کی طرف بڑھتی ہے اور کھڑکی کھول دیتی ہے۔ دور ایک ٹیلی ویژن کا انشیا نظر آتا ہے۔ جس سے اسٹبلش ہوتا ہے کہ چھت ہے۔ اب آہستہ آہستہ تانپورہ بجنے لگتا ہے جبین واپس آکر چارپائی کو اپنے تن سے دوپٹہ اتار کر جھاڑتی ہے اودائن والی سائیڈ پر سر رکھ کر جوتوں سمیت لیٹ جاتی ہے۔ آہستہ سے ایک پرسوز خوش الحان آواز میں غزل کا مطلع شروع ہوتا ہے جبین سر ہلا کر سننے کے انداز میں کہنی کے بل ہوتی ہے۔ آواز اونچی ہوتی ہے۔ جبین اٹھتی ہے۔ کھڑکی کی طرف دیکھتی ہے پھر کھڑکی سے باہر کی طرف جھک کر جھانکتی ہے واپس کمرے میں لوٹتی ہے۔

اب آواز اور بھی اونچی ہو جاتی ہے۔ جبین بھاگ کر جاتی ہے۔ آواز آتی رہتی ہے چند ثانیے بعد جبین نیم جی کو بازو سے پکڑ کر اندر لاتی ہے۔

غزل

ہم اٹک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مرہ پہ آن کے نک جم رہے رہے نہ رہے
رہیں وہ لوگ جو یزم جہاں کی زمیت ہوں

ہمارا کیا ہے جہاں ہم رہے رہے نہ رہے
نظیر آج ہی چل کر بتوں سے مل لیجئے
پھر التفات کا عالم رہے رہے نہ رہے

جبیں: سنیں۔ اباجی۔ سنیں۔
فیم: (منہ ہاتھ تولنے سے پونچھتے ہوئے) کیا بیٹا؟
جبیں: کتنی خوبصورت آواز ہے، رہے نہ رہے، سنیں اباجی۔
فیم: کیسی آواز۔ کس کی آواز، کیا ہوا ہے تجھے؟
جبیں: کوئی غزل گارہا ہے بڑی سوز بھری آواز ہے۔ غور سے سنیں۔
فیم: سات بار درود پڑھو۔ پھر گیارہ بار لاجول پڑھو۔ دوبارہ سورۃ والناس پڑھو۔ کوئی آواز شواہ نہیں آئے گی۔ انشاء اللہ
جبیں: آپ سنیں تو سہی۔
فیم: تم نیچے ہی چلو جبین۔ میرے ساتھ والا کمرہ بھی بہت بڑا ہے۔
جبیں: نہیں اباجی یہاں بہت اچھی ہوا آتی ہے۔
فیم: اچھا تو پھر بیٹے آرام سے کوئی کتاب پڑھو بیٹھ کر۔
(باپ جاتا ہے اور جبین اپنے کس میں سے کتاب نکال کر
الانی چارپائی پر لیٹتی ہے کتاب کھولتی ہے غزل جاری رہتی ہے منظر
فیڈ آؤٹ ہو جاتا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 3

ان ڈور

صبح کا وقت

(جب دوبارہ منظر فیڈ ان ہوتا ہے تو ایک کبوتر کھڑکی کی طرف سے اڑ کر کمرے میں آتا ہے ساتھ ہی عقب سے آواز آتی ہے۔ ہمسائے کی لڑکی عقیلہ آواز دیتی ہے۔)

آپا۔۔۔۔۔ بی بی جی۔۔۔۔۔ بائی۔ کوئی ہے اندر۔ بائی؟

عقیلہ:

(اندر آکر عقیلہ سب طرف دیکھتی ہے وہ قدرے ڈری ہوئی ہے ہاتھوں میں ایک طشت ہے جس میں ایک طرف پاؤ لگا ہے اور دوسری طرف زردہ۔ اوپر سرپوش سے یہ طشت ڈھکا ہے عقیلہ ادھر ادھر دیکھتی ہے اب جبیں اندر کی طرف سے گنگنائی داخل ہوتی ہے۔)

عقیلہ:

ہائے بائی، میں تو بڑی مشکل سے یہاں آئی ہوں کوٹھے پر آپ کیسے رہتی ہیں یہاں؟ اتنی پیاری ہیں آپ اور اتنا برا ہے یہ مکان۔

جبیں:

کیوں۔

اماں نے آج نیاز دی تھی۔ یہ آپ کا حصہ بھجوا دیا ہے۔ مجھے کتنے لگیں عقیلہ تم دے آؤ ساتھ والوں کو۔ میں کوئی آتی تھی اکیلی پر یہ بلو میڑھیوں سے ہی بھاگ گیا۔

جبیں:

آپ کی مہربانی ہے شکریہ۔

عقیلہ:

میں تو آپ کی طرف روز آتی بائی۔ میرے بھیا نے کبوتر پال رکھے ہیں میں جب کوٹھے پر ان کے ساتھ آتی ہوں آپ کی چھت پر ضرور دیکھتی ہوں پر ڈر لگتا ہے آپ کی طرف آتے ہوئے۔

جبیں:

ڈر، کیسا ڈر۔

عقیلہ:

آسیب زدہ مکان ہے یہ بائی آپ کو نہیں پتہ۔

جبیں:

آسیب زدہ؟ ایسے آسیب زدہ مکان تو خدا سارے کرے گانے کی آوازیں آیا کرتی ہیں وقت بے وقت۔

عقیلہ:

گانے کی آوازیں؟ یہاں سے تو وہ چیخوں کی آوازیں آتی ہیں کہ نیند اڑ جاتی ہے محلے والوں کی۔ کبھی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ جاتے ہیں کبھی سارا گھر خود بخود بیاہ کے گھر کی طرح جگمگا اٹھتا ہے کبھی چاندنی رات میں بھی اس کا کوئی کونہ

روشن نہیں ہوتا۔

کس مکان کی باتیں کر رہی ہو عقیلہ۔

جبیں:

اس مکان کی جی۔ قریبی صاحب کا گھر ہے یہ۔ میں جانتی ہوں۔ پہلے وہ خود رہے یہاں پتھر پڑتے تھے گھروالوں پر پھر ایک ہیڈ مسٹرس نے کرائے پر مکان لیا اس کے نرکوں کو آگ لگ گئی بیٹھے بٹھائے پھر اومنی بس کا ایک افسر آکر رہا۔ ایسا بخار اس کو چڑھا بائی، ایسا بخار، ہسپتال جا کر دم دے دیا پچارے نے۔ آپ یہ گھر چھوڑ دیں جی بڑا منحوس ہے۔

جبیں:

لیکن عقیلہ۔

عقیلہ:

کچی جگہ ہے بائی۔ قریبی صاحب نے نہ بکرا قریان کیا نہ نعت میلاد نہ دم دارو۔ آپ خود بتائیں جی ٹھیک بات ہے یہ ڈر کے مارے ادھر کوئی آئے بھی سب جانتے ہیں۔ کوئی کھائے دار نہیں آئے گا۔ (نیچے سے آواز آتی ہے۔)

فیم:

جبیں۔۔۔۔۔

عقیلہ:

بائی آپ نہ رہیں اس مکان میں، خدا قسم ہمارے پاس ہی ایک مکان خالی ہوا ہے ایک سو بیس روپے کرایہ ہے وہ لے لیں آپ۔

فیم:

(فیم اوپر آتا ہے اس کے ہاتھ میں ایک نان اور تین سیبی کبابوں کا پیکٹ ہے۔)

عقیلہ:

یہ تجھے پتہ نہیں کوٹھے کا کمرہ کیوں پسند آگیا ہے اس قدر۔

جبیں:

اچھا جی میں چلتی ہوں اب۔

عقیلہ:

کچھ دیر بیٹھیں آپ۔

فیم:

کئی گھروں میں ابھی نیاز دینے جاتا ہے۔ سلام علیکم جی۔

عقیلہ:

وعلیکم السلام۔ جیتی رہو۔

عقیلہ:

(عقیلہ چلی جاتی ہے باپ لمبی سی آہ بھر کر خالی چارپائی پر بیٹھ جاتا ہے۔)

جبیں:

آپ بھی کبھی آئیں جی ہمارے گھر۔ کھجور کا درخت ہے ہمارے گھر کے آگے۔

فیم:

نو کری ملی کوئی ابا۔

میں سمجھتا تھا اوکاڑے کا خدا کوئی اور ہے لاہور شہر کا رازق کوئی اور ہے۔ یہاں

’آکر پتہ چلا کہ دونوں ایک ہیں نوکری اس کو دینا ہوتی تو وہیں دے دیتا۔ لے
پکڑ۔

جیس: یہ کیا ہے ابا۔

نان کباب۔ ایک نان ہے اور تین کباب ہیں تیرے لئے۔

لیکن آپ کی جیب میں تو بس کے پیسے بھی نہ تھے۔ یہ، یہ کہاں سے خریدے
آپ نے۔

بس سناپ پر مل گئے مجھے۔ بس یونہی۔

نوکری آپ کو نہیں ملی۔ پیسے آپ کے پاس نہیں تھے۔ بتائیے ابا کس طرح
انتظام کیا آپ نے ان نان کبابوں کا۔

(منہ پھیر کر) بھوک بہت لگ گئی تھی جس، پیروں پر جسم کا بوجھ اور پیٹ پر
بھوک کا دباؤ بہت ہو گیا تھا میں نے ایک۔۔۔ ایک شریف زادہ تھا بس سناپ
پر۔ میں نے اس سے کہا بھائی مجھے دو نان اور چھ کباب خرید دو۔

جیس: ابا۔

وہ کہنے لگا جابا معاف کر۔ دماغ نہ چاٹ میرا۔

پھر۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔ بھی۔

میں نے اس سے کہا۔ میں کوئی پیشہ ور فقیر نہیں ہوں۔ عداوی گداگر نہیں
ہوں۔ فیم ہوں، یہی کھاتے بھرتا ہوں لڑے لکھتا ہوں اور ان دنوں اس فن
کی بہت کساد بازاری ہے وہ کہنے لگا جابا اتنی لفاظی نہ کر سبھی یونہی کہتے ہیں
پیسے تو میرے پاس نہیں تھے پر میں بس کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ چپ چاپ بیٹھ
پر۔ چلا نہیں جاتا تھا مجھ سے دو قدم بھی۔

تو نے بھیک مانگی ابا۔ توکل نہ کیا اپنے رب پر۔ راہ نہ دیکھی کہ وہ تیرے لئے کیا
انتظام کرتا ہے۔ بڑا بے صبرا ہے تو ابا۔

تھوڑی دیر کے بعد اسے۔ اس شریف زادے کو مجھ پر خدا جانے کیوں رحم
آگیا اس نے مجھے نان کباب خرید دیئے جس۔ اپنے جیسے کا نان تو میں نے وہیں
کھا لیا۔۔۔۔ (آہستہ) اگر نہ کھاتا تو شاید تجھ تک نہ پہنچتا۔ راہ میں ہی کہیں گر
گیا ہوتا۔

تیرے لئے تو اس نے رزق حلال بھیجا تھا ابا پر تو صرف سجدہ کرتا ہے اپنے اللہ

جیس:

کو اس کو ماننا نہیں ہے دل سے۔ لے کھالے۔

(جیس سرپوش کھول کر پلاؤ زردے کا طشت باپ کی طرف

بڑھاتی ہے۔)

(باپ شرمندہ ہو کر طشت ہاتھ میں لیتا ہے۔)

اور تو۔ تو کیا کھائے گی۔

فیم:

(باپ طشت لے کر چلا جاتا ہے۔)

میں یہ کھاؤں گی جو تو لایا ہے۔ ساری عمر مجھے یہ روٹی یاد رہے گی۔ اونچا اڑنے
سے روکا کرے گا مجھے یہ واقعہ۔ اپنی اوقات یاد رہے گی مجھے یہ کھا کر۔

جیس:

(جب باپ چلا جاتا ہے تو جس دو لقمے توڑتی ہے ساتھ ہی

اس کے دو آنسو نکل آتے ہیں وہ نان کباب رکھ دیتی ہے اپنے

بستر کی شکنیں دور کرتی ہے ٹکیہ سیٹ کرتی ہی آرام سے بستر پر

بیٹھی ہے۔ ادھر ادھر دیکھتی ہے اور پر بستر پر لیٹ جاتی ہے۔ اس

کے لیٹنے ہی کرے سے نان پورے کی جھنجھٹ آنے لگتی ہے وہ

تڑپ کر اٹھتی ہے اور بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ جاتی ہے۔ تانپورے کی

آواز ڈوبتی ہے اور اس کے ساتھ سرگوشی میں آواز آنے لگتی

ہے۔

جیس، جیس، بیٹی جیس۔

بابا:

کون ہے؟

جیس:

میں ہوں بابا۔

بابا:

میں کون؟

جیس:

بابا۔

بابا:

کون بابا۔

جیس:

ایک شاعر، ایک موسیقار، جسے اس کے زمانے میں شہرت نصیب نہ ہو سکی۔

بابا:

مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

جیس:

اپنی آرزو کی تکمیل۔

بابا:

کیسی آرزو۔

جیس:

شہرت کی۔ مقبولیت کی۔ اس آرزو کی تکمیل جو میری جسمانی زندگی میں پوری

بابا:

نہ ہو سکی۔

جہیں:

میں آپ کی یہ آرزو کیسے پوری کر سکتی ہوں بابا۔

بابا:

اٹھو کانفڈنشل نکالو۔ میں تمہیں ایک شاعرہ ایک گلوکارہ کے روپ میں دیکھنا

چاہتا ہوں۔

جہیں:

مجھے بابا؟

بابا:

میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور تمہارے سوا کوئی اور اس دنیا میں نہیں

ہے جو میری حسرتوں کی پیمائش کر سکے۔ اٹھو اور کانفڈنشل نکالو۔

جہیں:

لیکن بابا۔۔۔۔

بابا:

اٹھو جہیں۔

(جہیں اٹھ کر جاتی ہے اور میز کے دراز سے پیڈ اور قلم

نکالتی ہے۔ واپس آکر اس چارپائی پر بیٹھ جاتی ہے۔ پھر آنکھیں بند

کر کے چہرہ اوپر اٹھا لیتی ہے اور فضاء میں جیسے سو گھسنے لگتی ہے۔

اس عالم میں اس کا قلم کانفڈ پر چلنے لگتا ہے اور وہ غزل کے اشعار

لکھ رہی ہے۔ اس کانفڈ پر اس کا قلم چلتا ہوا کلوڑاپ میں بھی دکھایا

جائے۔ آخری شعر لکھ چکنے کے بعد وہ اس Trance سے چونکتی

ہے۔)

بابا:

یہ غزل جو میں نے ابھی تمہیں لکھوائی ہے میں نے کل ہی تمہارے کوشے پر

چمک چمک کر تھی۔ اب یہ غزل تمہاری ہے۔

جہیں:

میری غزل! لیکن میں اسے کیا کروں بابا۔

بابا:

یہ کل تم اس مشاعرے میں پڑھو گی جہاں ملک کے عظیم شاعر جمع ہو رہے ہیں۔

جہیں:

لیکن مجھے وہاں گھسنے کون دے گا۔

بابا:

تم جاؤ گی اور کوئی کہ میں اس مشاعرے میں شرکت کرنا چاہتی ہوں اور تم کو

اجازت مل جائے گی۔ لوگ تم کو عقیدت کی نظر سے دیکھیں گے اور محبت کے

دل میں جگہ دیں گے۔ لیکن غزل ترنم کے ساتھ پڑھنا۔

جہیں:

ترنم کے ساتھ!۔۔۔۔ مجھے تو گنگنا بھی نہیں آتا۔

بابا:

میرا ہاتھ تمہارے کندھے پر ہو گا بیٹا اور میری روح تمہارے سر کی اوڑھنی

ہو گی۔۔۔۔ تم گاؤ گی اور اس جلتے ہوئے شہر پر شبنم کا نزول ہو گا۔

یہ ناممکن ہے۔

جہیں:

یہی ممکن ہے کیونکہ میں ایک صدی سے اسی بات کا انتظار کر رہا تھا اور میری

بابا:

تفویم میں آج کا ہی دن لکھا ہے۔

(تاپورے کے تار زور سے جھنجھاتے ہیں اور جہیں پکارتی

ہے۔)

جہیں:

بابا۔۔۔۔ بابا۔۔۔۔ بابا۔۔۔۔

(اور کھلی ہوئی کھڑکی کا پٹ دھڑ سے بند ہو جاتا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 4

ان ڈور

شام

(مشاعرے کی سٹیج، بہت سے پرانی اور نئی وضع کے شاعر

ڈائس پر بیٹھے ہیں۔ ایک شاعر نوجوان اپنا کلام سنا رہا ہے۔ اپنے

آخری دو شعر سنانے کے بعد وہ ختم کرتا ہے اور صاحب صدر

بزرگ صورت کہتے ہیں۔)

جناب جلیل سیتی کے بعد عزیزی اختر جہیں سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنا

صدر:

کلام سنائیں۔

(جہیں مائیک پر آتی ہے خوفزدہ ہے اور ادھر ادھر دیکھتی ہے۔

کھنکھاتی ہے۔ پھر اپنے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر بابا کا ہاتھ

محسوس کرتی ہے اور گانے لگتی ہے۔)

جہیں:

ستم ہے آدمی کے واسطے مجبور ہو جانا

زمیں کا سخت ہونا آسمان کا دور ہو جانا
(اس کی غزل کے ہر شعر پر بڑی داولتی ہے اور چھوٹے
بڑے شاعر سب اس کے کلام پر سردھنتے ہیں۔)

کٹ

سین 5

آؤٹ دور

وی وقت

میں ---- معاف کیجئے گا یہ دھن کس کی تھی۔
(مسکرا کر میری اور کس کی۔)

پروڈیو سر: کیا آپ ہماری ایک اور سچوائیشن کے لئے بھی کوئی گیت لکھ سکتی ہیں۔
جیہیں: کیوں نہیں۔

پروڈیو سر: اور اس کی دھن بھی بنا سکتی ہیں؟
جیہیں: ضرور۔

پروڈیو سر: معاف کیجئے ---- If You Dont Mind مجھے اپنے گھر کا پتہ لکھ دیجئے۔
(اپنا کارڈ اور پین نکال کر) میں خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔
(جیہیں اس کے وزیٹنگ کارڈ کی پشت پر اپنا پتہ لکھ کر اسے
دے رہی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 6

ان دور

چن چڑھے

(ہارمونیکا فلز میں گانے کی ٹیک ہو رہی ہے۔ مائیکروفون لگا
ہے۔ ایک طرف سازندے ہیں دوسری طرف کانوں پر ہیڈ فون
لگائے جیہیں ہے۔ اس کے سامنے الگ مائیکروفون ہے۔ ایک کونے
میں ریکارڈنگ ٹیبل نظر آتا ہے۔ یہاں ہمارے کنٹرول روم کے
پینل کو بڑی خوبصورتی سے دکھایا جاسکتا ہے۔)
سین کھلتے ہی ہم دیکھتے ہیں کہ میوزک اسٹنٹ ماسٹر سلیمی
سازندوں کے سامنے کھڑا ہے اور ہدایات دے رہا ہے۔)

(غزل کے خاتمے پر اسے ایک چھوٹا سا لڑکا ایک چٹ لاکر
دیتا ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہے اور اس لڑکے کے ساتھ
دروازے سے باہر نکل جاتی ہے۔ وہاں اسے ادھیڑ عمر کا ایک آدمی
کوٹ پتلون میں لمبوس ملتا ہے۔)

پروڈیو سر: معاف کیجئے گا مجھے آپ کو اس طرح زحمت نہیں دینا چاہئے تھی۔
جیہیں: کوئی بات نہیں۔ ---- فرمائیے۔

پروڈیو سر: میں ہارمونیکا فلز کا مالک ہوں اور میرا نام ایراجیم سبحان ہے۔
جیہیں: آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔

پروڈیو سر: مجھے آپ کی یہ غزل اپنی فلم کے لئے چاہئے۔
جیہیں: (کاغذ آگے بڑھا کر) لے لیجئے۔

پروڈیو سر: اس طرح سے نہیں۔ آپ کو ہمارے ساتھ باقاعدہ معاہدہ کرنا ہوگا۔ غزل کا بھی
اور آواز کا بھی۔

جی۔

پروڈیو سر: میں آپ کی غزل آپ ہی کی آواز میں ریکارڈ کرنا چاہتا ہوں۔ بالکل ایسی ہی
سچوائیشن میری فلم کی ہے کہ ہیروئن شاعرہ ہے اور وہ اسی طرح مشاعرے

سلی:

Piccolo بہت دھیمی بجے گی سردار، پچھلی ٹیک میں تم اوپر چلے گئے تھے۔
وائیلن ایک ساتھ بجا کے۔۔۔۔ استھائی پر آنس دینی ہے صرف، لیکن بھر
کے۔۔۔۔ پورا ماحول بنا کے نیچے اترتا ہے۔۔۔۔ لیس ریڈی۔۔۔۔ دن۔ ٹو۔ قہری۔
فور۔۔۔۔

(سازندے ابتدائی دھن بجاتے ہیں ساز کا چکر پورا ہونے کے بعد سلی دور
بیٹھی ہوئی جیس کو اشارہ دیتا ہے۔)

کٹ اٹ، (ساز ختم جاتے ہیں) سلی میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب
پھر کہتی ہوں کہ مجھے اشارہ نہ دیا کرو۔

ٹھیک ہے میڈم۔۔۔۔ ویری سوری۔

جب یہ گیت میرا لکھا ہے۔ دھن میری بنائی ہوئی ہے سازندہ میرا سیٹ کیا ہوا
ہے تو کیا مجھے پتہ نہیں چلے گا کہ مجھے کہاں سے بول پکڑنے ہیں۔

ویری سوری میڈم۔

چلو شروع کراؤ۔

ریڈی، دن۔ ٹو۔ قہری۔۔۔۔ فور۔

(ساز شروع ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی جیس گیت

گانے لگتی ہے۔ اس گیت کی Taking پر ہر طرح کے شٹ جی

کھول کر لئے جاسکتے ہیں۔۔۔۔ گیت کے آخری بول ختم ہوتے

ہیں اور اندر بوتھ سے Intercom پر آواز آتی ہے۔)

ٹیک قہری او کے۔

مبارک، مبارک۔

(سازندے خاص طور پر انگوٹھا اور انگلی ملا کر واہ واہ میڈم

واہ واہ کرتے ہیں۔ پروڈیو سر جلدی سے لڈوؤں کا ایک ڈبہ لے کر

اندر آتا ہے اور میڈم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جیس مسکراتی ہے

اور ایک لڈو اٹھا کر شائستگی سے Bite لیتی ہے۔)

ان دور

رات

(جیس کا بالا خانہ۔ میز پر پورٹریٹ ٹیپ ریکارڈ سے گیت کے

آخری بولوں کی صدا آ رہی ہے۔ کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے۔ جیس چارپائی

پر بیٹھی ہے گیت ختم ہوتا ہے تو آواز آتی ہے۔)

دوسرے انترے میں تمہارا بے سرا ہونا ہمیں اچھا نہیں لگا بیٹے۔

بابا:

بے سری نہیں ہوئی بابا۔ یہ گانے کی ڈیمانڈ تھی۔ سچو ایشن ہی ایسی تھی اس

جیس:

گانے کی۔

جو دھن ہم تمہیں بنا کر دیں اس سے بل برابر بھی ادھر ادھر نہ ہوا کرو۔

بابا:

آخر میں بھی اس فن کو کچھ سمجھتی ہوں بابا۔

جیس:

شاید۔

بابا:

شاید کی بات نہیں ہے، اگر آپ کہیں اس دنیا کے ہوتے تو آپ کو پتہ چلتا کہ

جیس:

میری کس قدر ڈیمانڈ ہے۔

ہمیں معلوم ہے۔ ہماری حسرت کی کوئل پھوٹ رہی ہے اور گلہائے رنگا رنگ

بابا:

کی شدت شعرو نغمہ کے گلستان میں جھومنے والی ہے۔

ابھی آپ کو دو غزلیں اور تین گیت اور لکھ کر دیتے ہیں۔

جیس:

پانچوں چیزیں تیار ہیں بیٹا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا شہرت سے خود سر نہ ہو جانا۔

بابا:

نہیں ہوتی، نہیں ہوتی۔۔۔۔ آپ لکھوائے تو سی۔

جیس:

(اٹھ کر کاپی پسل لیتی ہے اور اسی طرح آنکھیں بند کر کے

چہرہ اوپر اٹھاتی ہے۔ پسل کانڈ پر چلنے لگتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

غیاث:

دن کا وقت

پروڈیوسر:

غیاث :

جبیں:

پروڈیوسر:

٤١

پروڈیوسر:

جہیں:

غیاث :

جبیں:

جی جی میں سمجھ رہی ہوں۔

جبیں :

فیڈ آؤٹ

سین 9

ان ڈور

ششم

جبیں کا کمرہ

(تانبورہ لئے جبین بیٹھی ہے اس کے بل کھلے ہیں اور اس نے ایک منگی سی ساڑھی پن رکھی ہے اس وقت وہ اپنے زعم میں مکمل آرٹسٹ بن چکی ہے۔ تانبورہ چھیڑتی ہے۔ ساتھ ایک بول گاتی ہے۔)

بن دیکھے جو نیند نہ آوے مو ہے۔

سگری رین جگاوے تڑپاوے ستاوے --- موہے ---

بن دیکھے جو نیند نہ آوے۔۔۔۔۔ موہ ہے

عقل

لیتا ہی پڑتا ہے یا باجی۔

لیکن عصا اگر جھوٹ کا پکڑو گی تو کسی نہ کسی دن منہ کے بل گرو گی۔

آپ مجھے زیادہ نصیحتیں نہ کیا کریں ہاں۔ آخر تین فلموں کا پورا میوزک میں نے خود بنایا ہے میں اتنی یو قوف تو نہیں ہاں۔

کچھ لوگ پاکستان میں ایسے تھے جہیں جن کے پاس ایک نوٹی پھوٹی جھگی بھی نہ تھی۔ پر وہ یہاں آئے انہوں نے جھوٹے کلیم دیئے اور بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہائش اختیار کر لی۔

ان کا کیا تعلق ہم سے؟

سنٹی جاؤ۔۔۔۔۔ رفتہ رفتہ ان کو خفی والوں کو یقین ہو گیا کہ وہ پہلے بھی صاحب جائیداد تھے۔۔۔۔۔ جھوٹ میں یہی عیب ہے کہ رفتہ رفتہ اس پر خود اعتبار آ جاتا ہے۔ آدمی اس شدت سے اپنے جھوٹ پر اعتماد کرنے لگتا ہے کہ اسے شبہ ہی نہیں رہتا کہ وہ جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔

کیا کہہ رہے ہو؟

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ فراوانی، شہرت، کامیابی عیش کچھ ان کے زور بازو کچھ ان کی محنت کچھ ان کی ذات سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ۔۔۔۔۔ کہ اس میں کچھ شائبہ خوبی نقدیر بھی ہوتا ہے۔ آپ مجھے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔ میرے عہد میں بھی کچھ ایسے کوئے تھے جو موروں کے پنکھ لگا کر پھرا کرتے تھے، کچھ ایسے لوگ تب بھی تھے جو اپنی تعریف کے ڈھول پیٹا کرتے تھے۔ انہیں بہت اعتماد تھا اپنی ذات پر۔۔۔۔۔ خدا حافظ۔

کہاں جا رہے ہو بابا۔

گمناہی کے کوئیں میں۔۔۔۔۔ گمناہی اس شہرت سے اچھی، جو اس طرح نیک لگا کر حاصل ہو۔۔۔۔۔ خدا حافظ۔

بابا۔۔۔۔۔ بابا۔

(جہیں آوازیں دیتی ہے، واپس آواز نہیں آتی۔)

فیڈ آؤٹ

سین 10

ان دور

بعد دوپہر

(جہیں اور اس کا باپ دونوں اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے

ہیں اور دونوں ہی افسردہ ہیں۔ باپ کا سر جھک کر گھٹنوں تک آگیا

ہے اور جہیں صوفے کے بازو کے ساتھ پچکلی بیٹھی ہے۔)

یہ سب کچھ کیا ہوا ابا۔۔۔۔۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ یہ آٹھ مہینے ایک خواب کی دنیا میں بسر کئے اور لوٹ کر پھر وہیں آگئے جہاں سے چلے تھے۔

ابا: نہ وہ عزت رہی، نہ شہرت، نہ دولت، نہ سر پر ٹھنڈی چھاؤں۔

جہیں: میں نے بہت کوشش کی ابا کہ گاؤں پورا زور لگا کر گاؤں لیکن جونہی میں نے ہائیک کے سامنے منہ کھولا مجھ پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا اور جس وقت میں اس کے سامنے سے ہٹی سب کھانسی سب خراش دور ہو گئی۔

ابا: تو نے اپنا سامان تو بند کر لیا ہے ناں۔

ہاں ابا۔

ابا: تو پھر۔۔۔۔۔ جہیں۔۔۔۔۔ میں سوچتا ہوں۔۔۔۔۔ پھر یہ سب کچھ جہیں۔

(دروازے پر دستک ہوتی ہے اور اندر قہقہی اور اس کا ایک

دوست داخل ہوتے ہیں۔)

السلام علیکم فیم جی۔

وعلیکم السلام۔

یہ میرے دوست ہیں اشرف اصلاحی صاحب۔

السلام علیکم (ہاتھ ملا تے ہیں)

السلام علیکم۔

قہقہی:

ابا:

قہقہی:

ابا:

اشرف:

ابا: (اٹھتے ہوئے) یہ آپ کی چابی ہے قربی صاحب اس گھر کی۔
 قربی: (چابی لے کر) شکریہ نیم جی۔ مجھے السوس ہے کہ آپ کو اس گھر سے جانا پڑا
 لیکن مجبوری یہ آپڑی کہ اب ہم خود اس گھر میں آ رہے ہیں۔ بڑی لڑکی کی
 شادی ہے ناں۔۔۔۔۔

جیس: آئیے ابا۔۔۔۔۔ اوپر سے سامان لانے میں میری مدد کیجئے۔

قربی: ہم بھی چلیں آپ کے ساتھ ہاتھ پٹانے کو۔

جیس: جی نہیں شکریہ۔ کچھ ایسا سامان نہیں ہے۔

(دونوں نکل جاتے ہیں)

اشرف: لیکن اب تم کس طرح اس گھر میں رہو گے قربی۔ کیا پھر وہی گت بنوانی ہے۔

قربی: اب یہ گھر آسیب زدہ نہیں رہا اشرف۔

اشرف: کیا مطلب۔

قربی: جب میں نے یہ گھر بنوایا تھا اور ہم سب یہاں آ کر رہے تھے تو اس کی مٹی پر

ایک چیل بیٹھی رہا کرتی تھی۔ میں نے اس چیل کو اڑانے کی بہت کوشش کی۔

پٹانے چلائے، پتھر مارے لالھی لے کر اس پر لپکا لیکن وہ نہ اڑی۔ سارا دن وہ

چیل اس مٹی پر بیٹھی ہمارے گھر کے اندر دیکھا کرتی اور رات کو یہ گھر اس

نادارہ روح کا مسکن بن جاتا جس نے ہم پر طرح طرح کی آفتیں توڑیں۔

مجھے یاد ہے لیکن پھر تم نے اس چیل کو بندوق سے ہلاک بھی تو کر دیا تھا۔

اشرف: جس شام میں نے اس چیل کو بندوق سے مارا ہے اور اس کے پنجے میں رسی

قربی: باندھ کر اسے دور گڑھے میں پھینک کر آیا ہوں اس رات تو ہمارے گھر پر

قیامت گزر گئی۔

اشرف: یہ وہی رات تھی ناں جب پوچھت سے گرا تھا۔

قربی: بالکل وہی۔۔۔۔۔ وہی میب اور خوفناک رات اور صبح جب میں سیر کرنے کے

لئے نکلا تو وہی چیل پھر ہمارے اس گھر کی مٹی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

اشرف: واقعی! سچ کہہ رہے ہو قربی؟

قربی: پچھلے آٹھ ماہ سے میں صبح و شام اس گھر کے آگے سے گزرتا رہا ہوں اور اس

چیل کو دیکھتا رہا ہوں۔ لیکن پچھلے ایک ماہ سے وہ یہاں نظر نہیں آئی۔۔۔۔۔

میرے خیال میں وہ نیم جی سے ناراض ہو کر چلی گئی ہے۔

اشرف: تمہارے یہ نیم جی بھی تو فائدہ زدہ گدھ سے کم نہیں۔۔۔۔۔ بیچاری چیل ایک
 گدھ کا کب تک مقابلہ کر سکتی ہے بھلا۔

(قربی اٹھ کر ڈرائنگ روم کی چیزوں کا جائزہ لیتا ہے اور

الماریوں کو اور آئینے وغیرہ کو اپنا رومال نکال کر پونچھے لگتا ہے اور

کہتا جاتا ہے۔)

قربی: کتنی آرزو تھی مجھے اس گھر میں رہنے کی۔۔۔۔۔ اور کس قدر آرزو ہے مجھے

اس گھر میں رہنے کی۔۔۔۔۔ لیکن وقت سے پہلے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ کسی

کا زور نہیں چل سکتا۔

کٹ

سین ۱۱

ان ڈور

صبح کا وقت

(نیم جی اور اس کی بیٹی جیس اس گھر کے بیرونی برآمدے کی

بیڑھیوں پر بیٹھے ہیں ساتھ ان کے سوٹ کیس اسور دو پوٹلیاں اور

کچھ اور سامان ہے۔)

اب کہاں چلیں بیٹی۔

(جیسے خواب سے چونک کر) جی ابا۔

میں نے کہا جیس اب ہم کہاں جائیں۔

وہیں ابا۔۔۔۔۔ اسی لاریوں کے اڈے پر جہاں سے آپ ایک دن ناں اور کباب

مانگ کر لائے تھے۔

(پھر جیس اپنا سر جھکا کر آنسو چھپاتے ہوئے پوٹلیاں اٹھاتی

ہے۔ اس کا باپ سوٹ کیس اٹھاتا ہے اور دونوں سر جھکائے ہوئے

فیلڈ سے نکل جاتے ہیں۔ میوزک

فیڈ آؤٹ

نیلی چڑیا

(ڈاکٹر فہیم کا کلینک---- اس کلینک کے دو حصے ہیں
 درمیان میں ایک ایسا دروازہ ہے جو اندر باہر کی طرف جھول کر
 کھلتا ہے۔ جس میں سے نچلا حصہ اور اوپر سے ہمیشہ نظر آتا ہے۔
 باہر کی طرف بچوں پر مریض بیٹھے ہیں۔ اور اندر کے کلینک میں
 ڈاکٹر کا دفتر ہے۔

ڈاکٹر کا اسٹنٹ منصور اور اس کے علاوہ پانچ چھ مختلف عمر
 اور جنس کے مریض بیٹھے ہیں۔ ڈاکٹر اندر کی طرف تیزی سے جاتا
 ہے۔ اب ایک بوڑھا سا مریض جھولنے والے دروازے کے اوپر
 سے سر نکال کر اندر دفتر میں لنگر کا ایکمرے دیکھتے ہوئے ڈاکٹر سے
 باتیں کرتا ہے۔ ڈاکٹر کے زیادہ بال سفید ہو چکے ہیں چرے پر
 بد مزاجی کی لائنیں پڑ چکی ہیں بولتا ہے تو ایک Superior آدمی کی
 طرح لہجے میں ایک خاص قسم کی پرے پرے قسم کی ٹون ہوتی
 ہے۔)

ڈاکٹر صاحب۔

بابا:

(اپنے کام میں گن) اب کیا ہے؟

فہیم:

سرکار میری ایک عرضی تھی۔

بابا:

(قدرے درشتی سے) میں نے تمہاری عرض سن لی ہے بابا جی کم از کم بارہ ٹیکے
 لگائیں گے۔

فہیم:

کوئی رعایت نہیں ہو سکتی بچیاں آیا؟

بابا:

بابا جی ہر کلینک کا ایک وصول ایک ضابطہ ایک نظام ہوتا ہے ہر مریض کے ساتھ
 فیس مشورہ بدلنے لگے ہر مریض کے ساتھ ٹیکہ لگانے کا طے کرنا پڑے تو
 مصیبت میں جان بھنس جائے۔ بزاز کی دکان نہیں کلینک ہے کلینک۔

فہیم:

(دروازہ کھول کر منصور آتا ہے)

ڈاکٹر صاحب ہیکش وائیلٹ سے سارے بازو پر پینٹ کر دیا ہے۔

منصور:

نسخہ جو میں نے لکھ کر دیا ہے وہ بنوا لیا ہے سیکنڈ بی بی نے۔

فہیم:

کردار:

◆ ڈاکٹر فہیم

◆ عورت

◆ منصور

◆ امی

◆ اقتدار

◆ پیر سٹریٹری

◆ سمیرا

◆ عالم

ٹارچ کی روشنی حلق میں ڈالتا ہے اس وقت اس کا دوست جو امریکہ سے آیا ہے کلینک میں داخل ہوتا ہے یہ آدمی اتنی دیر سے امریکہ میں ہے کہ اس کی چال ڈھال نشست و برخاست، انداز گفتگو سب پر امریکی چھاپ ہے۔

فہیم ہیلو۔

دوست:

ہیلو ڈاکٹر افتدار۔ What a Surprise! واہ واہ بالاخر امریکہ چھوٹا تم سے۔

فہیم:

چھوٹا نہیں۔ صرف چھٹی پر آیا ہوں ایک مہینے کی۔

دوست:

This Undeeds is a Surprise کیسے آئے۔ میرا پتہ کیسے ملا۔

فہیم:

So Many Questions آؤ بھی چلے آؤ میرا معمولی سا کلینک ہے۔ میں

ابھی آتا ہوں بی بی۔

(دونوں دفتر میں پہنچتے ہیں)

Home Sweet Home

دوست:

کیسا حال چال ہے تمہارا Brief Case History پلیز۔

فہیم:

اچھا حال ہے امریکی بیوی، دو اینگلو پاکستانی بچے ایک Joh میرا ایک Joh میری بیوی کا۔

دوست:

She is Drawing about 300 dollars.

سیرکری ہے ایک لائسنس کی۔ سیرا کا کیا حال ہے۔

اچھا ہی ہوگا۔

فہیم:

کتنے بچے ہیں۔

دوست:

(آواز دے کر منصور۔)

فہیم:

(الف) جی ڈاکٹر صاحب۔

منصور:

دو عدد ٹھنڈی بوتلیں۔

فہیم:

اچھا جی۔

منصور:

کتنے بچے ہیں تمہارے۔ How is Sumera

دوست:

میرے!

فہیم:

چلو میرا کے سی۔

دوست:

ہاؤ ڈو آئی ناؤ۔

فہیم:

جی۔

منصور:

پچھلا بل بھی اس سے اصول کر لیں۔

ڈاکٹر:

اچھا جی۔

منصور:

ڈاکٹر صاحب۔

بابا:

(گھبراہٹ اور جھلاہٹ کے ساتھ) بابا جی خدا کے لئے معاف کرو۔ یہ خیراتی

ڈاکٹر:

ہسپتال نہیں ہے۔ موٹر پر چلے جائیے کئی کلینک اور مل جائیں گے آپ کو۔

جان چھوڑیے میری خدا کے لئے۔

ڈاکٹر صاحب میری پہلی میں بڑا درد ہوتا ہے جی۔

دیکھو بابا جی اس کلینک پر جو بھی آتا ہے اسے کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور ہوتی

ہے۔ ہمارے دل میں اب ہر تکلیف کو دیکھ کر درد نہیں ہوتا۔ معاف کیجئے اور

جائیے۔ وقت نہ ضائع کیجئے میرا۔ (آواز دے کر) منصور! پشلیں کا ایک ٹیکہ لگا

دو نور بانو کو۔ جاؤ بابا جی جاؤ۔

ڈاکٹر صاحب نوکری میری چھوٹ گئی۔ صحت میری نہ رہی میں دو روپے فی ٹیکہ

دینے جو گا نہیں۔

اگر میں ہر مریض پر ترس کھانے لگوں تو بھوکوں مر جاؤں۔

جاؤ بابا جی۔ ہمارا مغز نہ کھاؤ خدا کے لئے۔

(بابا لمبی سی آہ بھر کر جاتا ہے)

کل دس روپے تو میں لایا تھا ڈاکٹر صاحب مانگ کر۔

(بابا کے جانے کے بعد ڈاکٹر باہر آتا ہے اور ایک مریض سے

جو برقعہ سر پر اٹھائے بیٹھی ہے بڑی Curt اور

Mattor of Fact قسم کے لہجے میں تفتیش کرتا ہے۔)

رات کو بخار تو نہیں تھا؟

بخار تو نہیں تھا۔ پنڈا دندا پھٹنا کوئی چیز نہیں۔ زبان دکھاؤ۔ منصور! ذرا اس

بڑھے کو وہ بابا جی ابھی گیا ہی اسے چھ ٹیکے دے آؤ۔ دور نہیں پہنچا ہوگا۔ ابھی

Run

اچھا جی۔

عورت:

(جس وقت عورت زبان کھولتی ہے اور ڈاکٹر ناک چڑھائے

۴. سر: یی سر

اقدار: معاف کیجئے۔ It was first aid nothing else.

(پہلے سین کو دہرایا جائے)

(کلینک میں اب اقتدار کے ہاتھ میں بوتل ہے وہ شرو سے

پانی پینے میں مشغول ہے۔ فہیم کے چہرے پر پرانی یاد کا غماز ہے۔)

یار فہیم! ایک بات کہوں گا کہ سیرا سے شادی نہ ہونا سب سے بڑی
Misfortune تھی تمہاری۔

(آہ بھر کر ہاں۔ تھی ہی۔)

لیکن وجہ کیا ہوئی؟ مگنی تو تم دونوں کی فٹ ایئر سے ہوئی تھی۔

Am I right or was that a rumour.

مگنی تو ہماری ازل سے ہوئی تھی بلکہ مجھے تو اپنی زندگی کا ایسا کوئی لمحہ یاد نہیں
جو میں نے واحد صحنے میں گزارا ہو میں نے جو کچھ بھی کبھی سوچا۔ جو کچھ بھی
کبھی Achieve کیا جہاں کہیں گیا یا جہاں کہیں جانے کی فطرت آرزوی رکھی ہر
ہر لمحے ہر ہر واقعے میں سیرا ہمیشہ موجود رہی۔ اس کا جسم اگر ساتھ نہ بھی دے
سکا تو ایک Presence ایک Positive Feeling ضرور میرے ساتھ رہی کہ

وہ میرے ساتھ ہے۔ Do you Understand

But what happend.

کبھی کبھی کچھ بھی نہیں ہوتا اور پھر بھی فیصلے بدل جاتے ہیں۔ شاہراہ پکڑنے والوں
میں بدل جاتی ہیں۔

Was it your mother? کبھی کبھی مائیں Jealousy کے تحت I mean

الہا؟ نہیں نہیں انہیں تو سیرا بہت پسند تھی۔ کچھ نہیں ہوا تھا بس ایک سنگ
میل آگیا تھا ایک دور اہا ایک نیا موڈ ایک اور شیٹیں ایک کیوڑی۔

(اب فہیم اٹھ کر عورت کے پاس جاتا ہے جس کے حلق کو

دیکھتا وہ اندر گیا تھا عورت منہ کھول دیتی ہے فہیم ٹارچ ڈالتا ہے۔)

فہیم: اچار تو نہیں کھایا تھا رات۔

عورت: (منہ کھولے ہوئے) نہیں جی۔

فہیم: گرم چائے پی کر ٹھنڈی بوتل۔

عورت: (پھر نفی میں سر ہلاتی ہے۔)

(اس وقت یہ منظر فیڈ آؤٹ ہو جاتا ہے۔)

(فہیم کا گھر۔ فہیم کی والدہ رٹائرڈ ہیڈ مسٹرس ہے۔ اس نے

بڑے بچن سے فہیم کی تعلیم و تربیت کی ہے۔ لیکن وہ خود

Idealist نہیں ہے اس وقت سیرا امی کے حلق میں ٹارچ ڈال کر

دیکھ رہی ہے پاس ہی فہیم کھڑا انجکشن بھر رہا ہے۔

امی جی کس سے علاج کروا رہی ہیں آپ۔ اس کے ہاتھ میں شفاء نہیں ہے۔

House Job سے نکل رہے ہیں اسے اور آپ۔

آپ نہ بولیں بیچ میں کل Cholic کے مریض کو اپنڈے سائنس بتا رہے تھے

امی جی۔

فہیم: تمہاری طرح چپ بت بنا تو نہیں کھڑا تھا۔ Duffer بن کر۔ کچھ جواب دے

رہا تھا ڈاکٹر صاحب کو کچھ اپنی کھوپڑی پر سنوڑی استعمال کر رہا تھا۔

سیرا: ہائے، قرین جائیں اس کھوپڑی کے۔

فہیم: امی جی میرا علاج کروائیں آپ کو دو تین دن میں آرام آجائے گا۔

امی: اس کے ہاتھ سے مجھے ہمیشہ آرام آ جاتا ہے فہیم۔

نہیم: ٹیکہ میں لگاؤں گا کہ آپ ڈاکٹر صاحب۔

میرا: نہ جی ٹیکہ آپ ہی لگائیں۔

میرا: جن کے میں ٹیکہ نہیں لگا سکتی روتے ہیں۔ باقی سارے ہسپتال میں پوچھ لیں

نہیم: ایک پنجابی کا محاورہ یاد آگیا۔ (نہیم ہاں کے ٹیکہ لگاتا ہے)

ای: کونسا محاورہ؟

نہیم: کانیا جتھ لگن تے جانی۔

میرا: دیکھ لیں آپ اب ای جی۔ آپ کو ملنے آجاتی ہوں تو یہ پتہ نہیں کیا سمجھنے

لگے ہیں۔

ای: سمجھنا اس نے کیا ہے میرا۔

میرا: (اٹھتے ہوئے) اچھا ای جی دن میں تین بار یہ کمپور۔۔۔۔ اور چار چار گھنٹے کے

بعد یہ گولیاں اور رات کو دودھ کی پیالی کے ساتھ یہ سیلینگ پل۔

نہیم: بیٹھے ڈاکٹر صاحب کچھ پلان ولان بناتے ہیں۔

میرا: کاہے کا؟

نہیم: کچھ اپنے مستقبل کا کچھ اپنے پروفیشن کا کچھ لوگوں کی خدمت کا کچھ مجڑے

معاشرے کا۔

میرا: یہ ای آپ نے ان کی کیسی تعلیم کی ہے؟ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں لوگ ہنستے

ہیں خدا قسم۔

نہیم: لوگوں کا کیا ہے۔ ایک زمانے میں پتھر مارتے تھے، دار پر چڑھاتے تھے، اب

بچارے ہنس لیتے ہیں، مذاق اڑا لیتے ہیں۔

ای: کیسا مذاق؟

میرا: یہ جو دیہات سدھار Level پر سوچیں گے ای تو تعلیم یافتہ ڈاکٹر تو نہیں گے

دیکھئے۔ Ideals ضرور ہونے چاہئیں لیکن اس طرح نہیں کہ دوسروں کی

آنکھوں میں انسان اپنی چمک سے لائیں مارتا پھرے۔ آدی اندر Superior

ہو لیکن دوسرے اسے اپنے میں ہی سے سمجھیں۔ یہ طریقہ ہوتا ہے اصلی

Ideals کا Platform، کھڑا آدی نظر نہیں آنا چاہئے نیچے بیٹھے ہوئے بنوں

کو۔۔۔۔

نہیم: کبھی یہ بھی ہوا ہے میرا کہ انسان بھیگا ہوا بھی ہو اور خشک بھی ہو؟

میرا: Wash and wear کپڑا پہنئے۔ گیلا ہو گا لیکن خشک نظر آئے گا۔ خدا قسم

Try it

ای: یہی اسے میں سمجھاتی رہتی ہوں۔

میرا: باقی آپ سمجھائیں ای جی خدا قسم یہ اپنی باتوں سے دشمن زیادہ بنا لیتے ہیں

لوگوں کو۔۔۔۔ اچھا جی خدا حافظ۔

نہیم: ایک منٹ ٹھہرو میرا۔

میرا: جی۔

نہیم: تم میرا ساتھ دو گی کہ نہیں؟ جو راستہ میں نے چنا ہے وہ بڑا پر خطر ہے۔

میرا: اس سوال کا جواب میں تقریباً سو مرتبہ پہلے بھی دے چکی ہوں اب آخری بار

سن لیجئے۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ ہاں زیادہ تنگ کیا تو Pathedue کا ٹیکہ لگا

دوں گی۔۔۔۔ خدا حافظ ای جان۔

نہیم: (میرا مسکراتی چلی جاتی ہے۔ نہیم کمری سوچ میں چلا جاتا

ہے)

ای: نہیم

نہیم: جی ای

ای: بیٹا! خیر سے تو پڑھا لکھا ڈاکٹر ہے میں کیا سمجھاؤں پر اپنی باتوں سے لوگوں کو

دشمن نہ بنایا کر بیٹا۔ مچکس سال سروس کی میں نے چھوٹے بڑے کئی سکولوں

میں پڑھایا لیکن حکمت عملی سے کام لیا ہمیشہ۔ نہ کبھی کسی پارٹی بازی میں حصہ

لیا۔ نہ ہیڈ ماسٹرس کو ہنستے پر چڑھایا۔

نہیم: لوگ اونٹ کے اس لئے دشمن ہوتے ہیں ای کہ وہ خود قد میں بکری کی مانند

حقیر ہوتے ہیں۔ لوگ اس لئے دشمن بننے ہیں کہ مشین کی ساری گراہیاں

ناکارہ ہوتی ہیں۔ ایک بھی پرزہ کام کرتا رہے تو جام شدہ پرزوں کو تکلیف ہوتی

ہے۔ جھوٹے لوگوں میں سچا آدی کڑوے پھل کی تیل ہے۔ کینچوے کی طرح

دونوں زخوں پر ریگنے والے اس لئے زندہ رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے

کہ کسی کسی کو تیر کی طرح چلنا آتا ہے۔ کیا بات کرتی ہیں آپ دشمن کی۔

تیری تو اب شادی ہو جانی چاہئے۔ میں میرا کے گھر جاؤں گی۔

ای:

نہیم: لیکن وہ تمام شرائط آپ پیش کریں گی جو میں نے آپ کو بتائیں ہیں۔

ای: نہیم تو خود روایات کے خلاف چل۔۔۔۔ تیری مرضی۔۔۔۔ تو خود رسومت توڑ، برے رواج نہ مان۔ تیری عقل مندی ہے پر لڑکی والوں پر دھونس جمانا شادی سے پہلے یہ کہاں کی شرافت ہے؟

نہیم: ساری دنیا کہتی ہے امی کہ لڑکے والوں کی مانگ اس قدر ہوتی ہے کہ لڑکی والے ان کی فرمائشوں کے سامنے ہنستے ہو جاتے ہیں کم از کم ایک گھرانہ تو ایسا نکلے جو لڑکی والوں پر اتنی کا بوجھ نہ ڈالے۔

ای: اکلوتی لڑکی ہے میرا۔ کوئی خالی ہاتھ تھوڑی پھینک دیں گے۔ ان کی خوشی جس میں ہو وہ تو۔۔۔۔

نہیم: مجھے ان کی خوشی سے کوئی سروکار نہیں۔ چاہے کوئی مجھے یہ قوف سر پھرا کے، لیکن میں ایک گھر کو چیز کی لعنت سے چھٹکارا دلا سکتا ہوں۔ میں دلا کر رہوں گا۔۔۔۔ آپ بات نہیں کر سکتیں تو میں بخاری صاحب سے بات کروں گا امی۔

ای: نہیں نہیں، میں خود فیصلہ کر لوں گی ان سے۔

نہیم: ذرا بازو اٹھائیے۔

(بازو اٹھا کر پی پی چیک کرتا ہے منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے)

فیڈ آؤٹ

سین 5

ان ڈور

شام

(بیرسٹر بخاری کا لاؤنج یہ بڑے پڑھے لکھے تھری پیس سوٹ پہننے والے مونوکل لگانے والے آدمی ہیں۔ تھوڑی سی فریج کٹ قسم کی داڑھی بھی ہے جس میں کچھ سفید بال بھی ہیں۔ انہیں منی پلانٹ پودے کا عشق ہے۔ ان کے کمرے میں جا بجا منی پلانٹ

گھلوں میں لگا ہے۔ ان کے پاس ایک بچوں کے کھلونے ساز کا فوارہ ہے۔ اور ایک چھوٹی قینچی ہے وہ بیلوں کی کتر بیوت کرتے ہیں۔ ساتھ ساتھ فوارے کے چھیننے دیتے ہیں اور باتیں کئے جاتے ہیں۔

سوشل ورکر عالم صاحب بڑے وضع دار تعلیم یافتہ خوش نصیب آدمی ہیں اور بیرسٹر صاحب کے دوست ہیں۔ وہ نہایت بڑھیا قسم کے سوٹ میں لمبوس ہیں اگر انہیں سمجھ نہ آئے تو ناخنوں کو دانتوں سے کٹکانے لگتے ہیں۔

(ان دو کے علاوہ اس وقت کمرے میں نہیم کی امی بیٹھی ہیں۔)

بخاری: آپ پریشان نہ ہوں اور غیر ضروری تفصیلات میں نہ جائیں جب چاند کی تیسری تاریخ Fix ہوگئی ہے تو ہم زبان والے آدمی ہیں۔ چاند کی تیسری کب ہوگی عالم صاحب؟

عالم: آج سے ٹھیک نو دن بعد۔۔۔۔۔

ای: جمعہ مبارک ہو گا اس دن۔

عالم: وقت کم ہے بخاری صاحب، سوچ لیجئے آپ۔۔۔۔ کارڈ چھپنے میں ہفتہ لگ جائے گا۔ پھر دو تین دن کانولس مہمانوں کو بھی ہونا چاہئے۔

ای: یہی سب کچھ تو میں سمجھا رہی ہوں کہ کارڈ وارڈ نہیں چھپیں گے۔

عالم: کیا مطلب؟

ای: کارڈ کی کیا ضرورت ہے آپ پیڈ کے کانڈ پر اطلاع دے دیجئے رشتہ داروں دوستوں کو۔۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔۔

بخاری: خیر آپ ہمارے انتظامات کے لئے Worry نہ کریں، بن جی۔ آپ اپنے گھر کی مختار ہیں۔ کارڈ چھپوائیں نہ چھپوائیں آپ کو اختیار ہے۔

ای: دیکھئے بخاری صاحب! مشکل یہ ہے کہ نہیم کی تعلیم دراصل میں نے درسی کتابیں پڑھ کر کی ہے چونکہ میں بیوہ عورت تھی کبھی بورڈنگوں میں رہی کبھی ایسے بند بند گھروں میں جہاں زیادہ لوگوں کا آنا جانا نہیں ہوتا۔ نہیم کو لوگوں سے ملنے کا اتفاق کچھ زیادہ نہیں ہو سکا وہ سمجھتا ہے کہ کیسے سمجھاؤں آپ کو

اب؟

فرمائیے فرمائیے۔

بخاری:

ہم سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں جی۔۔۔۔

عالم:

ای:

فہم کا خیال ہے کہ لوگ چاہتے ہیں انہیں دلدل سے نکل کر معطر اور کھلی روشن زندگی عطا کی جائے۔ لیکن انہیں ایسا آدمی نہیں ملتا جو یہ کر سکتا ہو۔ وہ اصولوں کو Values کو بالکل اسی طرح مانتا ہے جیسے پانچویں کا بچہ۔ لوگوں سے نہیں ملا تاں بخاری صاحب۔۔۔۔ ورنہ اسے پتہ چلتا کہ لوگ سبھی اصول پرست ہوتے ہیں، لیکن اپنے اپنے رنگ کے، کسی کا پارہ سو تک پہنچتا ہے کوئی ایک سو سولہ پر دم لیتا ہے۔ ایک چیز سمجھو یہ بھی ہے حکمت عملی بھی ہے۔ Considerations ہوتی ہیں سو رنگ کی۔۔۔۔ ابھی نا سمجھ ہے آپ فکر نہ کریں، میرا ٹھیک کر لے گی اسے۔۔۔۔

عالم:

معاف کیجئے گا محترمہ میں آپ کے مطلب کو سمجھ نہیں سکا۔

ای:

سیدھی بات یہ ہے کہ وہ کتاب ہے لڑکی والوں پر کوئی بوجھ ڈالنا گناہ ہے۔

عالم:

واہ واہ سبحان اللہ۔۔۔۔ ایسے نیک نفیس لڑکے کہاں ہیں آج کل۔

ای:

وہ کتاب ہے بچلی نہ لگی ہو، شامیانوں کا نشان نہ ہو، کھانا نہ ہو، فقط شربت پر نکاح ہو اور اس قدر چیز ملے جتنا رسول اللہ نے بی بی فاطمہؑ کو دیا۔ اب بتائیے درسی کتابوں جیسی باتیں نہیں تو اور کیا ہے؟

عالم:

بڑی اچھی سوچ ہے صاحبزادے کی۔

بخاری:

آپ فکر نہ کریں بہن جی آپ فہم سے کہیں کہ ہم اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں گے۔ کسی قسم کا اصراف، کسی قسم کی پھوپھیاں، شو شو نہیں ہوگی۔ وہ خاطر جمع رکھے۔ نہایت سلیقے سے بڑی سلوگی کے ساتھ بڑی انکساری اور

محبت کے ساتھ میرا اس کے سپرد کریں گے۔۔۔۔ اور کچھ؟

ای:

(اٹھتی ہے) بس جی اسی بات کی تسلی چاہئے تھی آپ سے۔

عالم:

بخاری صاحب تو خود کتاب لکھ رہے ہیں۔

On "The evil traditions in Pakistan."

پھر انہیں سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔

اچھا جی خدا حافظ۔

ای:

بخاری:

آپ بیٹھتیں میرا آنے والی تھی ہسپتال سے۔

ای:

فہم بھی آنے والا ہوگا۔ صبح ناشتہ کر کے نہیں گیا تھا۔

بخاری:

یہ بات ہے تو پھر مجبور نہیں کیا جاسکتا آپ کو۔

ای:

السلام علیکم۔

بخاری، عالم:

وعلیکم السلام۔ (ای چلی جاتی ہے بخاری اور عالم رہ جاتے ہیں)

عالم:

لڑکا آپ کو اپنے ڈھب کا مل گیا بخاری صاحب۔

بخاری:

اللہ کا شکر ہے اسی نے اسباب بنا دیئے ایسے۔

عالم:

مجھے پندرہ سال ہو گئے ہیں جملہ کرتے ہوئے سوشل خرابیوں کے خلاف، میں

جانتا ہوں کہ یہ کام کتنا مشکل ہے۔ لان میں گھاس لگاؤ بخاری جان تو گھاس کم

لگتی ہے اور Weeds زیادہ نکل آتی ہیں۔ معاشرے کا بھی یہی حال ہے۔

بخاری:

ہم تو ہر طرف سے رہناڑ ہو گئے۔ اب تو کتاب لکھیں گے اور ان مٹی پلانٹوں کی

خبر گیری کریں گے بس۔۔۔۔

عالم:

بقیمات ویتاں لگانے کے تو میں بھی خلاف ہوں بخاری صاحب۔ ہمارے ملک میں

قلت بہت ہے بجلی کی۔

بخاری:

چلے دوپہر کا کھانا سنی۔

عالم:

ایک بات سمجھ نہیں آئی بخاری صاحب فہم کی والدہ کی؟

بخاری:

کوئی بات؟

عالم:

دیکھئے ناں چیز کوئی بنیادی خرابی نہیں ہے معاشرے کی رشوت ستانی، جھوٹ،

ریاکاری، اونچ نیچ، حسب نسب کا فخر۔۔۔۔ یہ محترمہ اور ان کا بیٹا کچھ خدائی

فوجدار قسم کے لوگ لگتے ہیں۔ آپ اور ان کے معاملے میں چیز کا مسئلہ ہے

ہی نہیں۔ آپ afford کر سکتے ہیں آپ شوق سے دیں جو کچھ آپ کا جی

چاہے۔ آپ کی اکلوتی بیٹی ہے کسی اور کی حق تلفی نہیں ہو رہی۔

(اس وقت میرا آتی ہے۔ اس نے Overall پہن رکھا ہے)

السلام علیکم اباجی۔

میرا:

وعلیکم السلام۔ ہمارا بیٹا تو پورا ڈاکٹر ہو گیا۔

عالم:

فہم کی والدہ تاریخ مقرر کرنے آئیں تھیں۔

بخاری:

بخاری صاحب!

عالم:

بخاری: ہماری بیٹی منہ میں انگلی دے کر شرماتے والی نہیں ہے۔ آج سے ٹھیک نو دن بعد جمعہ کے روز طے پایا ہے۔

سیرا: (نظریں جھکا کر)

تم کو وہ گدھا فہیم ملے تو کتنا اٹکل کہتے تھے ہمیں سمجھانے کی کوشش نہ کرے۔ ہم خود کتاب لکھ رہے ہیں۔ پاکستان کی مذموم رسومات کے خلاف۔

بخاری: میرے ساتھ ذرا Red light area کی طرف چلے۔ میں آپ دکھاؤں۔

What is misery.

What is depression.

سوسائٹی کا ناسور دکھاؤں آپ کو۔ پتہ نہیں یہ نوجوان کہاں رہتے ہیں۔

بخاری: ہم ذرا Notes لینے جا رہے ہیں بیٹے تم کھانا کھالینا۔

سیرا: اچھا اباجی۔

(بخاری اور عالم جاتے ہیں سیرا ایک صوفے پر بیٹھتی ہے۔

دبے پاؤں فہیم آکر چپ چاپ پاس بیٹھ کر زور سے تالی بجاتا ہے)

سیرا: (ڈر کر) ویری فنی۔

فہیم: بخاری صاحب کہاں ہیں۔

سیرا: سیدھی طرح اٹکل کہا کریں انہیں۔

فہیم: اٹکل صاحب کہاں ہیں۔ وہ اور ان کے ہمزاد عالم صاحب؟

سیرا: کیوں؟

فہیم: اسی کچھ تھپلا ڈال گئی ہیں اچھی طرح کیل ٹھونک کر نہیں گئیں۔

سیرا: شادی ہو رہی ہے کوئی دروازے کھڑکیاں فٹ نہیں ہو رہے ہیں ہمارے ہاں۔

فہیم: سیرا تم آئیڈیلٹس نہیں ہو اور لڑکیوں کو ہونا بھی نہیں چاہئے کیونکہ انہیں

بچے پالنا پڑتے ہیں۔ لیکن تم سمجھتی نہیں ہو۔ میرے اندر کیسی آگ لگی ہے کیا

کچھ کرنا چاہتا ہوں، کیا کیا کچھ؟

سیرا: فہیم!

فہیم: جی ڈاکٹر صاحب

سیرا: خواہ مخواہ سیدھی سڑک پر پہاڑ نہ کھڑے کر لینا اپنی ٹاوانیوں سے۔

فہیم: کیسی ٹاوانیاں؟

سیرا: یہ جو تمہیں میخ لگی ہے کہ شادی پر نہ کوئی رسومات ہوں اور نہ جیز ہو نہ بلہ گلہ ہو نہ کھانا پکانا۔۔۔۔

فہیم: میں نے بلہ گلہ سے کب منع کیا ہے؟

سیرا: اباجی سلوگی پسند ہیں جو کچھ ہو گا حد سے بڑھا ہوا نہ ہو گا۔

فہیم: تمہیں کیا کچھ چاہئے سیرا۔ سچ سچ بتاؤ۔

سیرا: مجھے؟۔۔۔۔ دو اوور ہل، تین سر فنجیں، ایک بلڈ پریشر اپریٹس ایک جوتا

Comfortable قسم کا۔ چار ساڑھیاں، واش اینڈ ویزر ایک Sun glass دو

تھرمائیٹز، کچھ بلاؤز، کچھ Under clothes

اور سچ سچ بتانا کیا کچھ تیاری ہو چکی ہے اوھر۔

سیرا: بھی جو کچھ اباجی afford کر سکتے ہیں آسانی سے وہ۔

فہیم: تمہیں میری جان کی قسم! تین کپڑوں میں میرے ساتھ چلنا ہو گا تمہیں۔ میں تم

سے اس لئے شادی نہیں کر رہا سیرا کہ مجھے تم سے شدید محبت ہے۔ میں تم

سے اس لئے شادی کرنا چاہتا ہوں کہ تم عام لڑکیوں کی طرح چھوٹے دل والی

نہیں ہو۔ تم Mean petty اور Ego centric نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ

لوگوں کی خدمت کرنا آسان ہوگی۔ دو ہاتھ پٹی باندھیں تو جلدی آدی گرہ تک

پہنچ جاتا ہے۔ ہے نا؟

سیرا: (خوف کے ساتھ) شاید۔

فیڈ آؤٹ

سین 6

ان ڈور

صبح کا وقت

(ماں پٹنگ پر نیم دراز ہے اور کہنی کے بل سر کو سہارا دیئے

ہوئے ہے۔- فہیم کے ہاتھ میں اخبار ہے۔۔۔۔۔)

وہیے کیوں مجھے زہر نہیں دے دیتا۔ جیسی میری صحت ہے چٹکی بھر بہت ہو گا۔

ماں:

حد ہو گئی۔۔۔۔۔ آپ سمجھنے کی کوشش تو کریں۔

فہیم:

فہیم! تم نے برج نہیں کھیلی لیکن میں تمہیں بتاتی ہوں کہ کئی کھلاڑی شیخی میں

ماں:

Over hid کر دیتے ہیں۔ ان کے پاس دوسروں کے پتے نہیں ہوتے اور وہ

Grand slam کی سکیمیں بناتے ہیں۔

میں شیخی میں گھمڑ نہیں جا رہا۔ میرے دل میں آگ سی لگی ہے۔

فہیم:

پرسوں مندی کی رات ہے اور تو آج۔

ماں:

میرا آپ کی طرح نہیں ہے۔

فہیم:

میری طرح نہ سہی اول و آخر لڑکی ہے۔ وہ کیا سمجھے گی دولہا گھمڑ کے نواحی

ماں:

علاقے میں چلا گیا بیٹے کی Epidemic سے لوگوں کو بچانے۔۔۔۔۔ اور کوئی ڈاکٹر

نہیں ہے جانے والا۔

Contingency کم ہے ایمر جنسی زیادہ ہے۔

فہیم:

شادی کے بعد سہی میرا کو بھی ساتھ لے جانا۔

ماں:

ایک گھنٹے میں خدا معلوم کتنی جائیں تلف ہو جائیں آپ 72 گھنٹوں کی بات کر

فہیم:

ری ہیں۔

فہیم! اکیلا چٹا کیا بھاڑ جھونکے گا۔ میں نے مان لیا تو نیک نیت ہے تو بہت کچھ

ماں:

کرنا چاہتا ہے۔ پر معاشرے کے دکھ نہ ایک آدمی کے بس کا روگ ہیں نہ ایک

دن میں سمٹ جانے والے ہیں۔

آپ جو مرضی کہیں جس طرح چاہیں روکیں میں اپنی شادی کو Epidemic پر

فہیم:

ترجیح نہیں دے سکتا۔

کچھ عقل کو ہاتھ ڈال۔

ماں:

میں شادی سے انکار نہیں کر رہا۔ صرف دس بیس چھبیس دن کی مہلت مانگ رہا

فہیم:

ہوں۔ آپ بخاری صاحب سے بات کرنا چاہیں تو کر لیں ورنہ میں خود ان سے

عرض کروں گا۔

فہیم! وہ لڑکی کا باپ ہے ہوش کر۔۔۔۔۔ مصلحت سوچ کچھ۔

ماں:

آپ لوگ۔۔۔۔۔ آپ کی Generation کیا چیز ہے؟ سمجھوتے، حکمت عملی،

فہیم:

مصلحت، بہتری، کیا کیا ڈھالیں ایلچلو کر رکھی ہیں آپ لوگوں نے جھوٹ،
ریاکاری، بددیانتی کو محفوظ کرنے کے لئے۔

کیا کہہ رہے ہو تم۔

ماں:

پہلے تو لو پھر منہ کھولو۔۔۔۔۔ صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ سانچ کو آج

فہیم:

نہیں۔۔۔۔۔ نیکی کر دیا میں ڈال۔ یہ سارے محادروں کا جھٹڑ کیوں چلا رکھا ہے

آپ لوگوں نے۔۔۔۔۔ یہ آپ لوگ کیسی میراث ہمارے سپرد کر جاتے ہیں جو

نوادرات کی طرح محض تجھے سجانے کے قابل ہوتی ہے۔۔۔۔۔ آپ نے مجھ سے

انتا ظلم کیوں کیا۔۔۔۔۔ کیوں کیوں کیوں؟ میں کوئی آپ کا دشمن تو نہیں تھا۔ بیٹا

تھا آپ کا؟ بیوگی کا سارا تھا آپ کا۔۔۔۔۔ کیوں کیا انتا ظلم آپ نے مجھ پر۔

فہیم!

ماں:

آپ نے مجھے ان Values سے پیار کرنا کیوں سکھایا جو مشروط تھیں۔ آپ

فہیم:

نے میرے ہاتھ میں ایسے اصولوں کی تلوار کیوں تھمائی جو دیمک زدہ لکڑی کی

طرح بودی تھی۔ آپ نے مجھے سوسائٹی کے لئے جو کر کیوں بنایا امی۔ بولیں مجھ

پر ہنسنے کے لئے اتنا بڑا معاشرہ تھا۔ آپ جانتی تھیں اور پھر بھی۔۔۔۔۔ پھر بھی

آپ مجھے سکھاتی رہیں۔ ایسے اصول جو نہ کہیں استعمال ہوتے ہیں نہ ہوں گے

کس لئے آپ نے مجھ سے یہ بدلہ لیا کس لئے، کس لئے، کس لئے؟

(فہیم کا چہرہ دکھ اور کرب سے اٹا پڑا ہے کیمرو اس کی ماں پر

آتا ہے جو شرمندہ ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 7

ان ڈور

دن

(اس وقت فہیم پھرے ہوئے مزاج کے ساتھ بخاری صاحب کے لاؤنج میں کھڑا ہے بخاری صاحب اپنے مولوکل صاف کر رہے ہیں۔ عالم صاحب اخبار میں سے کوئی تراشا قینچی کے ساتھ کٹ رہے ہیں)

یاد کیجئے بخاری صاحب کیا کہا تھا پرسوں میں نے آپ سے۔

ہاں کہا تو تھا پر۔

میرا اندازہ یہی تھا۔

مجھ سے بات کیجئے عالم صاحب۔۔۔۔۔ کیا اندازہ تھا آپ کا۔

میں ان سے۔۔۔۔۔ کہہ رہا تھا بروخوردار کہ تم ان تلوں میں سے نہیں ہو جن میں تیل ہوتا ہے۔

جی؟

ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے ایک وقت ہوتا ہے۔

چ کی بھی؟۔۔۔۔۔ نیکی کی بھی؟۔۔۔۔۔ پانچ بیج کر بارہ منٹ پر نیکی نیکی ہوتی ہے اور پانچ بیج کر بائیس منٹ پر نیکی نیکی نہیں رہتی۔ یہ مطلب ہے آپ کا؟

تم ابھی جذبات کی جھاگ سے کھیل رہے ہو تم کو زندگی کے گہرے پانیوں کا احساس نہیں۔ یہ چیز تجربے سے، علم سے، صبر سے حاصل ہوتی ہے بیٹا جی۔

مجھے ایسا علم، ایسا صبر، ایسا تجربہ نہیں چاہئے جو رنگ دار عینک کی طرح سب کچھ اندھیر کر دیتا ہے۔

بیٹا کارڈ بٹ چکے ہیں تیاری ہو چکی ہے سارے شہر میں ہماری عزت ہے۔ تم اگر شادی نہیں کرنا چاہتے تو وہ اور بات ہے یونہی مفت میں جگ ہنسائی ہمیں پسند نہیں۔

بالکل۔

دیکھئے انکل میں پانچ آدمی بارات میں لا رہا تھا۔ یہی طے تھا ناں۔ آپ کے ساتھ۔۔۔۔۔ ایک میں ایک امی تین میرے دوست۔۔۔۔۔ انہیں میں آدمے گھنٹے میں لے آؤں گا آپ لوگ نکاح کا بندوبست کریں۔

میاں صاحبزادے تم ایک معمولی رٹائڈ ہیڈ مسٹرس کے لوطے ہو بخاری صاحب سے آدھا شہر واقف ہے۔ وہ کس کس کو اکٹھا کر سکتے ہیں۔ آدمے گھنٹے

میں۔

فہیم: تو پھر میری واپسی تک انتظار کر لیجئے۔

اچھا؟

بخاری:

فہیم:

عالم:

اگر میں نے دیکھا کہ صورت حال بہتر ہو گئی ہے تو میں بیچ میں ہی آجاؤں گا۔ بیٹے کے بعد چچک کی وہاں پھیلے گی پھر طوفان آئے گا مشرقی پاکستان میں۔ اس کے بعد ٹی بی کی مسم پر نکلے گی میاں صاحبزادے ہمیں دولہا چاہئے بیٹی سمیرا کے لئے خدائی فوج دار نہیں چاہئے۔

میں۔۔۔۔۔ میں سمیرا سے چند منٹ مل سکتا ہوں انکل۔

ہاں۔

فہیم:

بخاری:

فیڈ آؤٹ

سین 8

ان ڈور

شام

(سمیرا ایک ایسے کمرے میں مائیں بیٹھی ہے جس میں صرف ایک قالین اور چند گاؤں گھٹنے پڑے ہیں۔ کچھ سیلیاں دیوڑوں کو گونا لگا رہی ہیں۔ ایک لڑکی ڈھولک بجا رہی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی بھی گانہ نہیں رہی۔ ڈھولک جاری رہتا ہے بخاری صاحب آتے ہیں۔ سمیرا کے کھن میں کچھ کہتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ سمیرا ایک دوست کو بلا کر اسے کچھ کہتی ہے وہ باری باری سب کو کچھ کہتی ہے لڑکیاں شرارت سے مسکراتیں رخصت ہوتی ہیں فہیم آتا ہے۔)

- فہیم: سمیرا! ڈاکٹر صاحب۔
 سمیرا: (ناراضگی سے) خدا کے لئے کچھ عقل کریں آپ! کیا الٹی باتیں کر رہے ہیں۔
 فہیم: اٹھو سمیرا ہم دونوں گھر جا رہے ہیں آج۔ چاہو تو جانے سے پہلے نکاح ہو جائے۔ مجھ پر اعتماد کرنا چاہو تو واپسی پر نکاح ہو جائے گا۔
 سمیرا: فہیم!
 فہیم: جی؟
 سمیرا: میں فرض اور محبت کی جنگ و ٹک کا فلمی مسئلہ کھڑا کرنا نہیں جانتی۔ لیکن آج تمہیں چننا ہو گا۔۔۔۔۔ مجھے یا اپنی ہٹ دھرمی کو۔
 فہیم: (آنکھیں بند کر کے) یہی میں سوچتا تھا کہ کبھی نہ ہو گا۔۔۔۔۔ میں کبھی سوچتا بھی نہ تھا کہ میرا مشن اور سمیرا دو علیحدہ چیزیں ہیں مجھے کسی ایک کو چننا ہو گا ان دونوں میں سے۔
 سمیرا: میں بھی۔۔۔۔۔ ایک احقانہ خیال کو سہلاتی رہی ہوں اتنے سل۔۔۔۔۔ میرا خیال تھا تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ لیکن میں تو ایک Tool ہوں تمہارے ہاتھوں میں۔ فقط ایک پگڈنڈی ہوں میں۔ تم وہ Foolish خواب پورے کرنا چاہتے ہو جو نوں جماعت کے بعد ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ میں تمہارا ساتھ دے بھی دوں تو فہیم کہاں تک کب تک۔۔۔۔۔؟
 فہیم: جب میں چھوٹا تھا سمیرا۔۔۔۔۔ تو میں نے ایک دفعہ ایک چڑیا پکڑ لی تھی۔ مجھے اس چڑیا کا خاکستری رنگ اتنا برا لگا کہ میں نے۔۔۔۔۔ میں نے اسے نیلی سیای سے رنگ کر چھوڑ دیا۔۔۔۔۔ جانتی ہو پھر کیا ہوا؟
 سمیرا: کیا۔
 فہیم: جب وہ اپنی رشتہ دار چڑیوں میں پہنچی تو ٹھوٹکیں مار مار کر سب نے اسے لو لہان کر دیا۔۔۔۔۔ یہاں صرف خاکستری بد رنگ چڑیاں زندہ رہ سکتی ہیں۔۔۔۔۔ میں نیلی چڑیا ہوں۔۔۔۔۔ میں اپنے انجام سے واقف ہوں۔
 سمیرا: (جاننے لگتا ہے)
 سمیرا: کہاں جا رہے ہو؟
 فہیم: نیلی چڑیا کہاں جائے گی بچ کر۔
 سمیرا: فہیم کہاں جا رہے ہو تم۔
- فہیم: گھر۔۔۔۔۔ تم میرے ساتھ نہیں جاسکتیں۔ بس یہی بہت ہے میرے لئے برداشت کرنا۔
 سمیرا: تم کو رتی بھر پروا نہیں کہ جگ ہسائی ہوگی۔ باتیں نہیں کی۔۔۔۔۔ میری سیلیاں کیا کہیں گی؟
 فہیم: پہلے لوگ پتھر مارا کرتے تھے اب ہتے ہیں باتیں کرتے ہیں۔
 سمیرا: تمہیں اس بات کی پروا بھی نہیں کہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔
 فہیم: مجھے اس دل پر اتنا اعتماد ہے سمیرا کہ جب چاہوں اسے جوڑ سکتا ہوں۔ یہی اعتماد لے کر تو میں اتنے بڑے جملہ پر لکھا ہوں۔۔۔۔۔
 سمیرا: خدا حافظ فہیم! کاش تمہیں مجھ سے محبت ہوتی!۔۔۔۔۔
 (فہیم چلا جاتا ہے سمیرا پر کمرہ جاتا ہے)
 فیڈ آؤٹ
- سین 9
- کلینک
- پہلے سین کا وقت
- (بوٹلیں قریب قریب ختم ہو چکی ہیں۔ فہیم کرسی سے پشت لگائے بیٹھا ہے۔)
 فہیم: اقتدار جب پانی کے بلبلے میں اس کے خوابوں کی ہوا سا جاتی ہے تو وہ خوشی کے ساتھ پانی کی سطح پر آتا ہے لیکن جب وہ ارد گرد ہزاروں بلبلے دم توڑتے دیکھتا ہے تو چپکے سے اپنا پیراشوٹ کھول دیتا ہے۔ سارے خواب سارے Ideals ہوا بن کر نکل جاتے ہیں۔ اور اس کا وجود سپاٹ پانی کی سطح سے مل جاتا ہے۔
 Idealistic باتوں کی Idealistic لوگوں کی تو بس اتنی سی کہانی ہے۔
 لیکن تمہیں تو اتنا اعتماد تھا سمیرا پر۔۔۔۔۔ واپسی تک اس نے انتظار نہ کیا تمہارا۔۔۔۔۔

فہیم: دس برس کا لڑکا تلیوں کے پیچھے بھاگتا ہے لیکن دس برس کی لڑکی گھر بٹانے کا سوچتی ہے۔ سمیرا پوری بالغ لڑکی تھی۔ وہ تلیوں کے پیچھے بھاگنے والے انتظار کیوں کرتی بھلا!

Where is she now.

فہیم: کراچی میں ہے شاید۔ کچھ دنوں اس نے ایک مشنری ہسپتال میں کام کیا تھا۔ لیکن اس کے بزنس میں شوہر نے غالباً سمجھا لیا یا وہ خود ہی سمجھ گئی۔ کام نہیں کیا اس نے۔

اچھا بھئی۔ Its getting late. I better buzz off.

فہیم: ٹھیک یو۔۔۔۔ میں آؤں گا تمہارے ہوٹل۔

Welcome

السلام علیکم

وعلیکم السلام

فہیم: لیکن یار بخاری صاحب بڑے اچھے تھے۔ سمیرا Priceless لڑکی تھی۔

(اقتدار چند قدم چلتا ہے پھر آتا ہے)

فہیم: میں معاشرے کو الزام نہیں دیتا۔ میں ہمیشہ اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ وہ لوگ جو اس قدر اچھے تھے جو خود رسومات کی زنجیریں توڑنا چاہتے تھے وہ اندر سے اتنے Conventional اور روایتی نکلے۔

I am sorry.

فہیم: افسوس اس بات پر نہیں کہ معاشرہ پر اگندہ ہے۔ حیرانی دکھ اس بات پر ہوتا ہے کہ لوگ ایک بھی نیلی چیز یا کو زندہ نہیں چھوڑتے یہاں صرف خاکستری رنگ کو زندہ رہنے کی اجازت ہے اور بس۔۔۔۔

میں کراچی میں لوگوں کا سمیرا کو۔۔۔۔

فہیم: سمیرا سے مت ملنا۔۔۔۔ وہ تم سے کئی تہیں فہیم یاد ہے

فہیم: That Idealistic chap.؟ وہ تو بالکل Jew بن گیا۔۔۔۔ اور سمیرا ٹھیک

کہتی ہے۔۔۔۔ میں بالکل یہودی بن گیا ہوں۔

خدا حافظ۔

خدا حافظ۔

(فہیم چپ چاپ بیٹھا ہے)

اقتدار: بڑی معمولی اور بڑی چھوٹی سی بات ہے فہیم۔ میں سمجھ نہیں سکتا شادیاں عام طور پر بڑے بڑی واقعات کی وجہ سے رکا کرتی ہیں یہ تو معاف کرنا بڑی یہودی سی وجہ ہے۔

فہیم: بعض اوقات بڑی یہودی باتیں ہموار راستے کے پہاڑ بن جاتی ہیں

اقتدار: لیکن۔۔۔۔۔ ان دنوں سمیرا ہے کہاں؟

فہیم: ملتان میں۔۔۔۔۔ چند دن اس نے ایک خیراتی ہسپتال میں کام بھی کیا تھا لیکن پھر اس کے کارخانہ دار شوہر نے سمجھایا کہ۔۔۔۔۔ یا میرے خیال میں وہ خود ہی سمجھ گئی ہوگی کہ اس بک بک میں کیا رکھا ہے۔

اقتدار: تو پھر وہ اب کیا کر رہی ہے؟

فہیم: اب وہ ایک بڑی سیاسی شخصیت اور نامور سوشل لیڈر ہے۔

اقتدار: کیا مطلب؟

فہیم: تم نے بیگم ایس نادر علی کا نام نہیں سنا؟

اقتدار: ایس نادر علی سمیرا ہے؟

فہیم: ہاں۔

اقتدار: وہی جس نے سلج کی بڑی رسموں اور قبیح رواجوں کے خلاف ملک بھر میں جہاد کر رکھا ہے۔

فہیم: ہاں وہی۔

اقتدار: جس نے ملک سے جیز کی لعنت دور کرنے کے لئے ایک عظیم الشان تحریک چلائی ہے۔

فہیم: بالکل وہی۔

اقتدار: جو Social evils کے خلاف ہر زبان میں لڑچکچھوڑا کر تقسیم کر رہی ہے۔

فہیم: بے شک، وہی۔

اقتدار: ڈاکٹری چھوڑ کر یہ مصروفیت اپنائی ہے اس نے۔

فہیم: اس وقت دو ہی مصروفیتیں ہیں۔۔۔۔۔ جیز کی لعنت دور کرنے کے لئے اپنی تحریک کو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلانا اور ہر دوسرے تیسرے مینے لنڈی کو قتل اور کاٹل جا کر ابھی سے اپنی خورد سال بچی کے لئے جیز کی چیزیں خریدنا۔

(ڈاکٹر اقتدار کا منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے اور ڈاکٹر فہیم اپنی
سرج اٹھا کر شیشی ہلاتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

آدم زاد

کردار:

- ♦ ماریو
- ♦ سکیٹ
- ♦ کلثوم
- ♦ زینب
- ♦ باپ
- ♦ ڈاکٹر
- ♦ سائیں
- ♦ چیلا
- ♦ ماسٹر
- ♦ سلیم

(یہ حیرت کدہ سکیٹ پر ماریو جن کے سائے سے متعلق ہے۔
 ماریو سکیٹ سے محبت کرتا ہے۔ سکیٹ بھی اس سے پیار کرتی ہے۔
 دنیا والے اسے مرگی، سرسام، ہڈیان، پاگل پن، سایہ اور جانے کیا
 کیا سمجھتے ہیں۔ سکیٹ کا مختلف قسم کا علاج بھی کروایا جاتا ہے۔ آخر
 میں آدم زاد جن کی محبت سے سکیٹ کو رہا کر دیتا ہے اور جن ماریو
 روتا ہوا رخصت ہوتا ہے۔ اس سکرپٹ میں جن ماریو عموماً سکرین
 پر نہیں آتا صرف اس کے بوٹ اور گھٹنے تک کا حصہ نظر آتا ہے۔
 دانستے کے عہد کا لباس یعنی یونانی لبادہ بھی نظر آتا ہے۔

جب منظر فیڈ ان ہوتا ہے تو ہم ایک بند دروازہ دکھاتے ہیں
 یکدم اس کی کنڈی آہنی آپ کھلتی ہے۔ پھر دروازہ چوٹ کھل
 جاتا ہے۔ اب ماریو چلتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے۔ گھٹنے سے نیچے نیچے
 اس کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے ہم سکیٹ کے کمرے میں داخل ہوتے
 ہیں۔ ماریو ایک لکڑی کی بازو والی نیچی کرسی پر بیٹھتا ہے۔ اس کے
 گھٹنے ایک ٹکا ہوا ہاتھ بوٹ اور لبادہ نظر آتا ہے۔

سکیٹ کا کمرہ ایک آنٹھویں پاس متوسط طبقے کی لڑکی کا کمرہ
 ہے۔ جو اندرون شہر کے کلچر سے تعلق رکھتی ہے۔ سکیٹ اس وقت
 پٹنگ پر اوندھی لیٹی ہے۔ ایک مخصوص دھن جو سارے سکرپٹ
 میں ماریو کے آنے پر بجتی ہے۔ عقب میں جاری ہو جاتی ہے۔
 سکیٹ اس وقت سسکیاں بھرنے کے انداز میں ناہموار سانس لے
 رہی ہے۔

ایک گلدستہ گلاب کے پھولوں کا سکیٹ کے پٹنگ پر اوپر سے
 گرتا ہے۔

سکیٹ!

ماریو:

اب مت بلاؤ مجھے۔

سکیٹ:

میں تمہارے لئے نیپلز کے گلاب لایا ہوں۔

ماریو:

سکینہ: اپنے پاس رکھو اپنے نیلرز کے گلاب، بت دیکھے ہیں ہم نے ایسے مرہا جانے والے پھول۔۔۔۔۔
 ہو کیا ہے؟

(اب سکینہ اٹھ کر بیٹھ جاتی ہے۔ اس کے چہرے پر تازہ

آنسوؤں کے نشن ہیں۔۔۔۔۔)

سکینہ: یہ بھی اب میں ہی بتاؤں گی؟

مارو: ایک بار۔۔۔۔۔ صرف آخری بار۔

سکینہ: رات آئے کیوں نہیں۔۔۔۔۔

مارو: میں آیا تھا تم سو چکی تھیں۔

سکینہ: سچ کہ جھوٹ۔

مارو: مجھے تمہاری قسم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ تو صبح تک یہاں بیٹھا تمہیں دیکھتا رہا۔۔۔۔۔ میں

تو۔۔۔۔۔ کبھی نہ جاتا سکینہ پر تمہارے گھر والوں کو میرے یہاں رہنے سے بت

تشویش رہتی ہے۔ اسی لئے چلا گیا۔ کیا کرتا۔ (لمبی آہ)

سکینہ: گھر والوں کی بھلی کھی۔۔۔۔۔ مارو جس گھر میں نوجوان لڑکی ہو اس گھر کے لوگوں

کو تشویش ہوتی ہی ہے۔

مارو: کیا مطلب۔۔۔۔۔

سکینہ: (پھولوں کو اٹھا کر سینے سے لگاتی ہے اور ان کو پیار کرتے ہوئے کہتی ہے) جوان

لڑکی کھڑکی میں کیوں کھڑی تھی۔ جوان لڑکی نے عطر کیوں لگایا۔ جوان لڑکی کا

کاہل کیوں پھیلا۔ روٹی ہوگی چھپ چھپ کر، اٹھتے وقت سر سے پلا کیوں

کھسکا۔ بیٹھتے وقت دوپٹہ کیوں لٹکا رہا۔ ایک مصیبت ہے جوان لڑکی بھی۔۔۔۔۔

بھلی چلی جائے جوان لڑکی کا قصور۔۔۔۔۔ دودھ پھٹ جائے جوان لڑکی کی

غلطی۔۔۔۔۔ رکشے والا پیسے زیادہ مانگے جوان لڑکی ملزم۔۔۔۔۔ سارے گھر کی روتی

ٹوکری، جوان لڑکی، جوان لڑکی، جوان لڑکی۔

مارو: تمہارے گھر والے تمہیں بہت چاہتے ہیں۔

سکینہ: اونہ چاہتے ہیں۔ ان کی تو بس یہ مرضی ہے کہ کسی طرح میں ان کی مرضی کے

مطابق ٹھیک ہو جاؤں وہ دو کلمے پڑھو ادیس میرے کسی سے۔۔۔۔۔ وہ کیا جانیں

تمہاری دوستی نے مجھے کیا کچھ کر دیا ہے؟ میرے سارے دکھ جذب کر لئے ہیں

اس دوستی نے۔

مارو: آج سے کئی سو سال پہلے میں نے فلورنس کی بیٹرس سے محبت کی تھی۔ وہ

نوخیز و شیرہ محبت کے لفظ سے بھی نا آشنا تھی اس نے میری محبت کا جواب نہ

دیا۔ اسی محبت کی تلاش مجھے کوچہ کوچہ، قریہ قریہ۔۔۔۔۔ ملک ملک لئے پھری اور

صدیوں لئے پھری۔

اور میں مارو۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔

مارو: تم اسکول سے۔۔۔۔۔ واپس آ رہی تھیں باؤل آسٹن پر چھائے تھے۔ اندھیرا سا

تھا۔ برگد کے درخت کی جڑیں نیچے کو جھول رہی تھیں۔ جب تم ان کے نیچے

سے گزریں تو میری بھوبھلائی لٹوں کو تم نے درخت کی جڑیں سمجھ کر پکڑ

لیا۔۔۔۔۔ بیٹرس پھر زندہ ہو گئی۔

سکینہ: جس قدر میری تنہائی کا تم کو خیال ہے مارو اتنا تو میرے سائے کو بھی نہیں وہ

بھی اندھیرے میں میرا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔

مارو: سکینہ سیدھی لائن کیا ہے۔ فقط نقطوں کا تواتر۔۔۔۔۔ ساتھ ساتھ نقطے ڈالتے جاؤ

تو ایک سیدھی لائن بن جاتی ہے۔ مارو کیا ہے سکینہ۔۔۔۔۔ سکینہ، سکینہ۔۔۔۔۔

سکینہ۔۔۔۔۔؟

(اس وقت دروازے پر دستک ہوتی ہے، کیمرو دروازے کی

جانب رخ کرتا ہے۔ مارو کی کرسی خالی ہو جاتی ہے۔ زمین اور

کٹھوم اندر داخل ہوتی ہیں۔ کٹھوم کے ہاتھ میں دم کیا ہوا پانی ہے۔

اور زمین کے بازو پر ایک تھن کپڑے کا ہے۔ آہستہ آہستہ

زمین اور کٹھوم باتیں کرتی ہیں۔)

کٹھوم: اب طبیعت کیسی ہے اس کی ماسی جی۔

ماسی: تیرے سامنے ہے کٹھوم۔

سکینہ: (اطلاوی میں نظم پڑھتی جاتی ہے)

کٹھوم: (پاس آکر) سکینہ! میں بی بی پاکد امن گئی تھی وہاں سے پانی دم کرا کے لائی ہوں

تیرے لئے۔

میری بی بی بن ذرا پانی پی لے۔

کٹھوم: منت سے پانی پلاتی ہے۔ سکینہ دیوانوں کا ساتھ دے لگاتی ہے)

زینب: دیکھا۔۔۔۔ دیکھا تو نے کلثوم۔ اب جو کوئی اسے دیکھ لے تو بتا ہو سکتا ہے اس کا رشتہ کبھی۔ اٹھ کھڑی ہو سیکھ ذرا تیرا نپ لیتا ہے۔ (سیکنہ اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔)

(اطالوی میں) mama mie

سیکنہ: دیکھ دیکھ کیا بولتی ہے بکواس (اب زینب سیکنہ کے سر سے پاؤں تک تین دفعہ تھان سے کپڑا لے کر ناپتی ہے۔ اور بولتی ہے) چاچی عاشرہ نے بتایا تھا کہ اس کے قد سے تین بار کورا اٹھا نپ کر کسی کو خیرات کر دو کبھی سایہ رہ ہی نہیں سکتا انشاء اللہ۔

کلثوم: آپ فکر نہ کریں ماسی جی پانی بھی میں حاجی وارث حسین کی درگاہ سے دم کروا کر لائی ہوں۔

زینب: تو اب گھر سے باہر نہ نکلا کر کلثوم۔ تاریخ مقرر ہو جائے تو پھر نکلا نہیں کرتے گھر سے۔ (کلثوم یہ جملہ سن کر شرما جاتی ہے)

(زینب کپڑا ناپتی ہے مظرفیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 2

ان ڈور

شام

(یہ ایک چھوٹے سے گھر کا پیارا سامعن ہے۔ اس وقت سیکنہ بالکل نارمل حالت میں تخت پوش پر بیٹھی ہے۔ اس نے سر پر دوپٹے کی نکل مار رکھی ہے۔ اور کھڑے زانو پر بازو رکھ کر ٹھوڑی ٹکا رکھی ہے۔ دوسرے ہاتھ سے وہ پاؤں کے انگوٹھے اور انگلیوں سے کھیل رہی ہے۔)

تخت پوش کے پاس تپائی پر ڈاکٹر صاحب کا بیگ بلڈ پریشر کا آلہ اور کچھ دوائیاں ٹیکے پڑے ہیں۔ زینب اور باپ دائیں بائیں مودب کھڑے ہیں۔ باپ دستی پتکھی سے ڈاکٹر صاحب کو جمل دے رہا ہے۔)

زینب: بس ڈاکٹر صاحب جب دورہ پڑتا ہے پھر یہ سیکنہ سیکنہ نہیں رہتی میموں جیسی تو زمین بولنے لگتی ہے۔

باپ: (دبی آواز میں) اطالوی زبان ڈاکٹر صاحب۔

زینب: مجھے بتا تو لینے دو سارا معاملہ۔۔۔۔

ڈاکٹر: یہ دورے کب سے پڑ رہے ہیں؟

زینب: آٹھویں میں تھی تب۔۔۔۔ اب تو اسے سکول سے اٹھائے بھی تین سال ہو گئے ہیں۔ جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی۔۔۔۔ تین سال اور پانچ مہینے۔

ڈاکٹر: دیکھئے سیکنہ بی بی آپ پڑھی لکھی ہیں۔ اور ذہین نظر آتی ہیں اس لئے میں آپ سے عرض کروں گا کہ جب تک مریض ڈاکٹر کے ساتھ پوری طرح Cooperate نہ کرے۔ علاج بے معنی ہوتا ہے۔

سیکنہ: میں بیمار نہیں ہوں ڈاکٹر صاحب۔۔۔۔

ڈاکٹر: لیکن آپ کی والدہ تو کہتی ہیں کہ آپ کو سایہ ہے کسی جن کا۔

سیکنہ: وہ جن جس سے اماں اس قدر متشکر ہیں بالکل بے ضرر اور ہمدرد ہے۔ اس نے آج تک مجھے کوئی تکلیف نہیں دی نہ کبھی دے گا۔

باپ: (سرگوشی کے انداز میں) یہ ٹھیک ہو جائے گی ڈاکٹر صاحب؟

ڈاکٹر: آپ فکر نہ کریں۔ میرا خیال ہے کہ ہسٹریا کا مرض ہے۔

زینب: ہائے اللہ نہ کرے۔ یہ روگ تو عمر بھر کا ہوتا ہے۔ موٹی مرگی کی طرح۔

ڈاکٹر: کیا اس جن کو آپ دیکھ سکتی ہیں؟ (بلڈ پریشر کا آلہ لگاتے ہوئے)

سیکنہ: بالکل جس طرح میں آپ کو دیکھ سکتی ہوں۔

ڈاکٹر: گھر کا کوئی اور فرد بھی اسے دیکھ سکتا ہے؟ آپ کی طرح۔

سیکنہ: جی نہیں۔

ڈاکٹر: جس وقت یہ جن آتا ہے تو اس وقت آپ میں کیا تبدیلی آتی ہے؟ آپ کیا محسوس کرتی ہیں، کیا آپ کے جسم پر بھی اس کا کچھ اثر ہوتا ہے؟

سکینہ: کبھی کبھی میری ہتھیلیاں کھردری ہو جاتی ہیں اور میرے گلے میں رکلوٹ سی پیدا ہو جاتی ہے جیسے کچے کچے ہیر کھا کر گلہ بیٹھ سائیں جاتا ڈاکٹر صاحب۔۔۔۔۔؟
بس اور کچھ نہیں۔

باپ: لیکن۔۔۔۔۔ یہ مرض کیا ہے؟
ڈاکٹر: میں ابھی اچھی طرح تشخیص نہیں کر سکا لیکن جہاں تک میرا خیال ہے یہ ہسٹریا ہی کی ایک قسم ہے۔

سکینہ: ڈاکٹر صاحب میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھے کوئی مرض کوئی ہسٹریا، کوئی مرگی، کوئی دماغی مرض نہیں ہے آپ۔۔۔۔۔ آپ ابھی پریشان نہ ہوں۔ ماریوج سکا ایک بے ضرر حقیقت ہے وہ صرف میرا دوست ہے۔۔۔۔۔

زمین: ہائے ہائے دوست! کچھ شرم کر لڑکی! جوان لڑکی کا بھی کوئی دوست ہوا ہے۔۔۔۔۔ سنی بات آپ نے؟ کوئی اور سن لے تو قیامت آجائے۔
(ڈاکٹر نیکہ تیار کرتا ہے)

سکینہ: بد قسمتی سے اماں جی اس بد نصیب لڑکی کا ایک دوست ہے۔
زمین: یہ دیکھئے آپ۔ ابھی تو آٹھویں میں اٹھایا ورنہ خدا جانے کس کس طرح نام روشن کرتی ہمارا۔

سکینہ: میں تو حیران ہوں آپ ایک اڑتی اڑتی خوشبو سے، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے، مسجد سے آنے والی اذان سے تو کبھی حیران نہیں ہوئے ماریوجکا سے آپ کیوں خائف ہیں۔ وہ تو ان ہی چیزوں کی طرح لطیف اور بے ضرر ہے۔
(نیکہ لگانے کے لئے بازو اٹھاتا ہے لیکن سکینہ بازو پرے کرتی ہے) ڈاکٹر صاحب میں بیمار نہیں ہوں، نہیں ہوں میں بیمار، خدا کے لئے سمجھئے۔

(زمین آستین اوپر کرتی ہے ڈاکٹر نیکہ لگاتا ہے)
سکینہ: ڈاکٹر صاحب آپ کو پورا یقین ہے کہ آسٹریلیا نامی جزیرہ ہے کس؟

ڈاکٹر: (نیکہ لگاتے ہوئے) آپ نے دیکھا نہیں اٹلس میں۔

سکینہ: لیکن آپ نے آنکھوں سے تو نہیں دیکھا ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر: دیکھا تو نہیں لیکن سائنٹفک آدی ریسرچ کر چکے ہیں بی بی۔

سکینہ: جو باتیں سائنس آپ کو سمجھا دیتی ہے کتنی جلدی، سمجھ آ جاتی ہیں آپ کو۔ ذرا سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ ہو سکتا ہے کچھ ایسے تجربات بھی ہوں جن کا آپ کو

ادراک نہ ہو۔ آپ کو تجربہ نہ ہو لیکن آسٹریلیا جزیرے کی طرح وہ روحانیت کے چشمے واقعی وجود ہوں۔

(محبت کے ساتھ کندھا تھپتھا کر) اتنی اچھی تو باتیں کرتی ہیں آپ اتنی شستہ زبان استعمال کرتی ہیں اور پھر اپنی امی ابو کو پریشان کر رکھا ہے آپ نے۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کیجئے۔ اگر آپ اپنے ماحول سے اپنی ذات سے مکمل طور پر مفاہمت پیدا کر لیں گی تو یہ انتشار یہ اضطرابی کیفیت یہ ذہنی Splitting پیدا نہ ہوگی۔

سکینہ: میں آپ کو علاج کرنے سے منع نہیں کرتی ڈاکٹر صاحب کیونکہ آپ نیک نیتی سے مجھے بیمار سمجھتے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک بھی صرف حساب الجبرہ جیومیٹری، ہائیکجین فزیالوجی ہی علوم ہیں بس ان ہی کو سمجھنے میں عمر گنوناں سیکھا ہے آپ نے مغرب والوں سے۔۔۔۔۔ کچھ علم ایسے بھی ہیں ڈاکٹر صاحب جو تصوف کی آنکھ سے دیکھے جاتے ہیں جو روحانیت کے پردے اٹھا کر حاصل ہوتے ہیں جس طرح نیکی، سچائی، ہمدردی۔۔۔۔۔ ان کو (دل پر ہاتھ رکھ کر) ان کے دیکھنے کے لئے دماغ نہیں دل کام میں لانا پڑتا۔۔۔۔۔ ہے۔

ڈاکٹر: ایک پیالی گرم دودھ کی شکر یا شہد ملا کر انہیں پلا دیجئے اب نیند آجائے گی انشاء اللہ۔

سکینہ: ہم سب ایسے ہیں۔۔۔۔۔ ہم سب ایسے ہیں جو بات ہمیں سمجھ نہیں آتی وہ بے بنیاد ہے جھوٹ ہے۔ جس بات کا ٹھوس ثبوت نہیں ملتا وہ سرے سے غلط ہیں۔ کچھ علم دو اور دو چار نہیں ہوتے۔۔۔۔۔ ہیں ناں ماریوج۔۔۔۔۔؟ کچھ باتیں اس طرح نہیں سمجھائی جاسکتیں کہ بٹن دلیا اور بتی روشن ہوگئی۔ تم بتاؤ ماریوج چمکا۔۔۔۔۔ ہم سب کنوئیں کے مینڈک کیوں ہیں۔ کیوں ہیں۔ ہم سب کنوئیں کے مینڈک؟۔۔۔۔۔ کیوں ماریوج چمکا؟

(اب سکینہ آنکھیں موند لیتی ہے۔ آہستہ آہستہ سکینہ سوتی جاتی ہے۔ کیمرہ سکینہ پر مرکوز رہتا ہے۔ منظر آہستہ آہستہ فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

(کلثوم بھی سیکنہ کی طرح متوسط طبقے کی لڑکی ہے۔ اس وقت اس کی ایک سہیلی اس کے کمرے میں بیٹھی ایک دوپٹے کو پچکا لگا رہی ہے اس کے ارد گرد چیز کے کپڑے نئے نئے برتن، پلنگ، ڈرننگ ٹیبل وغیرہ پڑے ہیں۔ کلثوم نے زرد رنگ کا لباس اور زرد ہی چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔ اس کے ہاتھوں میں تازہ مندی لگی ہے۔ ہلکی ہلکی ڈھولک آواز فیڈ ان ہوتی ہے۔ گیت کی آواز بہت ہلکی ہونی چاہئے۔ بعد میں جب مکالمے شروع ہوں تو خالی ڈھولک کی آواز بالکل ہلکی سی کہ شبہ رہے نہ رہی ہے۔ جاری رہتی ہے۔)

گیت:

ٹکا موٹا باجرا مای دے میرا کون چیر لسی ڈھولا
ٹکا موٹا باجرا گوریئے تیرا میں چیریاں۔۔۔ ڈھولا
وگدی اے راوی مای دے وچ اک پھل کائی دا ڈھولا
میں نہ بھدی مای دے توں کیکر ویای دا ڈھولا
وگدی اے راوی گوریئے وچ سٹاں گنڈیریاں ڈھولا
توں نہ بھدی گوریئے میوں ککساں بتیریاں ڈھولا
(سیکنہ اندر آتی ہے۔ اس وقت سیکنہ نے گوٹے والا سونہ اور خاصا زیور پہن رکھا ہے۔ وہ آکر کلثوم کے پاس بیٹھتی ہے۔)

(گگہ آمیز لہجہ میں) رات تو کیوں نہیں آئی مندی پر۔۔۔۔
(دونوں نکلیوں سے تیری لڑکی کو دیکھتی ہیں)

کلثوم:

سیکنہ:
کلثوم:

(اودھرا دھردیکھ کر) وہ آگیا تھا۔
(میتو۔ ذرا ٹھنڈی بوتل تو لا سیکنہ کے لئے۔
(میتو اٹھ کر چلی جاتی ہے۔ اب دونوں بے تکلف انداز میں

باتیں کرتی ہیں۔)

سیکنہ:
کلثوم:
سیکنہ:

خدا قسم بہت آنے کی کوشش کی۔
ہم سے تو وی اچھا ہوا۔۔۔۔
(گگے لگا کر) ہائے ناں۔

کلثوم:
سیکنہ:

چلو اچھا۔ ہمارا تو ٹٹا آج ختم ہو جائے گا۔ کون آئے گا پھر ساہیوال سے پوچھنے پوچھانے۔۔۔۔ میں نے بہت راہ دیکھی تیری رات کو۔

سیکنہ:
سیکنہ:

(اس کے مندی والے ہاتھ احتیاط سے پکڑ کر) تیری طرح وہ بھی بہت راہ دیکھتا ہے میری۔۔۔۔ اگر میں آجائی۔

کلثوم:
سیکنہ:

بس اب اللہ کرے تیری بھی شادی ہو جائے۔
ہائے ناں۔

کیوں؟

سیکنہ:

شادی کے بعد تو ماں باپ بھائی بہن بھول جاتے ہیں۔

کلثوم:
سیکنہ:

تو اچھا ہی ہے ناں۔ بھولے وہ ماریو کا بچہ۔ ہماری اچھی بھلی سیکنہ کی جان کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔

اسے کچھ نہ کہا کر کلثوم۔

کیوں؟

سیکنہ:
سیکنہ:

وہ تو میری سہیلی ہے جو بات میں کسی سے کہہ نہیں سکتی جو بات کسی کو سمجھ آ نہیں سکتی جس بات کا کہیں سے جواب نہیں ملتا وہ ساری باتیں میں ماریو سے کرتی ہوں۔

کلثوم:

صرف باتوں سے کیا بنتا ہے سیکنہ۔۔۔۔ اور بھی تو بہت کچھ چاہئے زندگی میں۔

سیکنہ:

جب زندگی میں کوئی بات کرنے والا مل جائے کلثوم تو پھر اور کیا چاہئے۔ جب اپنی کسی دیواروں نے سنی تو پھر زندگی کس کام کی؟

کلثوم:

(کسی مار کر) ایک ہاتھ پکڑنے والا، چنگلی کاٹنے والا، دھکے دے کر پکڑنے والا بھی تو ہو کسی پردے کے پیچھے۔۔۔۔

سکینہ: تجھے ضرورت ہوگی اس کی۔۔۔۔ میں تو۔۔۔۔ بس ماریو۔۔۔۔ سے باتیں کرتی

ہوں آنکھیں بند کر کے۔ کلثوم اس کی زندگی کے سارے ورق میں نے پڑھ لئے ہیں میری زندگی کا کوئی واقعہ اس کے لئے غیر اہم نہیں۔۔۔۔ وہ بولتا ہے میں سنتی ہوں، میں بولتی ہوں تو اس کا رواں رواں سنتا ہے۔۔۔۔ اور کیا چاہئے انسان کو۔۔۔۔ میرے دماغ سے تمام چمگوڑیں اڑ گئی ہیں ہر طاق روشن ہو گیا ہے۔ میرے بند ایوانوں کا۔۔۔۔

کلثوم: پھر کے گی مجھے بیمار نہ کو۔۔۔۔ پھر کے گی مجھے کچھ نہیں۔۔۔۔ دیوانوں کی طرح

دیواروں سے باتیں کرتے چلے جانا اور کیا ہے۔۔۔۔؟

تجھے جو ماریو نظر نہیں آتا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ موجود ہی نہیں؟

ہمیں معاف ہی رکھ اس ماریو سے۔

اس یوسف ثانی کو دیکھ لے تو ابھی مندی دھو ڈالے اپنے ہاتھ سے۔

اتنی محبت ہے تجھے اس سے؟

خدا جانے یہ محبت ہے یا کچھ اور ہے کلثوم۔ میں نے آج تک کسی سے محبت نہیں کی۔۔۔۔ خدا جانے اسی طرح ہوتی ہے محبت۔۔۔۔ یا شاید کچھ اور ہوتا ہے محبت میں؟ میں تو بس اسی کی دوستی کے لئے جیتی ہوں۔ پہلے زندگی ایک بوجھ تھی اب بوجھ نہیں رہی۔۔۔۔ تو بتا اپنی؟

ہمارا حال تو اس مندی سے پوچھو۔۔۔۔ باہر سے بجھا ہوا سبز رنگ اندر سے کھلکھلاتا ہنسا سرخ انگارہ سا رنگ۔۔۔۔ تجھے بھی ایک دن یہی گلال رنگ چڑھے گا سکینہ ایسا ہی ہنسا کھلکھلاتا رنگ۔۔۔۔

(کیمرہ کلثوم کے ہاتھوں پر جاتا ہے ساتھ ہی ڈھولک کی آواز خوب اونچی ہو جاتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 4

ان ڈور

دن

(اب ہم پھر صحن میں آتے ہیں۔ صحن کا وہ نقشہ اب نہیں ہے جو ڈاکٹر کے وقت موجود تھا۔ اب انگلیٹھی میں سے لوہان کا دھواں اٹھ رہا ہے۔ تخت پوش پر اگر بتی اسٹینڈ میں اگر بتیاں روشن ہیں سکینہ کھلے بالوں کے ساتھ سیاہ کپڑوں میں تخت پوش پر بیٹھی ہے۔ باپ انگلیٹھی کے پاس ہے اور ہر مل کے دانے آگ میں پھینکتا ہے۔ زینب بیٹی کے پاس سیاہ مرغ بازوؤں میں لئے کھڑی ہے۔ سائیں گھڑوئی والا اور اس کا چیلہ بگا صحن میں دھال ڈالنے کے انداز میں زبردست طریقے پر بازو اٹھا اٹھا کر ناچ رہے ہیں۔ عقب سے ان کو اور بھی گرم کرنے کے لئے ڈھولک پر کھٹا کھٹ سی کی تال بجتی جاتی ہے۔)

(گیت)

سائیں:

چلو	جی	بھوت	پتندر
ہمارے	دل	دے	اندر
تیرے	سے	کشتی	لڑکے
بنے	ہیں	ہم	جہاں
سکینہ	کو	چھوڑ	شتابی
	کرو	ہم	سے
		نک	اندر

(اس گیت کو سائیں اور چیلہ حسب ضرورت دہراتے ہیں)

پھر سائیں چیلے کو دھمو کے نگاتا ہے اور کہتا ہے۔)

نکے گا کہ نہیں۔

نکل جاؤں گا۔

کیسے؟

پانچ میر شکر لے کر۔

سائیں:

چیلہ:

سائیں:

چیلہ:

سائیں:

اور؟

ایک جوڑابی جی کار-بشی۔

چیلا:

سائیں:

اور؟

دس چاندی کے سکے۔

چیلا:

سائیں:

اور؟

ایک مرغا سیاہ رنگ کا۔

چیلا:

سائیں:

اور؟

اور جو بی بی کی ماں دیتا چاہے۔

چیلا:

(اب سائیں ہاتھوں کو کھینچنے لگتی ہے۔ ساتھ ہی وہ گلے پر ہاتھ

رکھتی ہے پھر زور کا قہقہہ لگاتی ہے۔ سائیں سائیں کے پاس بیٹھ کر

عرق گلاب اس کے چہرے پر چھڑکتا ہے۔۔۔۔)

سائیں:

ہم کون ہیں سائیں بی بی؟

سائیں:

سائیں گھڑونجی والا۔۔۔۔

سائیں:

اور تو کون ہے؟

سائیں:

میں ماریو چسکا۔

سائیں:

کہاں کے رہنے والے ہو؟

سائیں:

فلورنس اطالیہ کا۔

سائیں:

تمہیں ہم حکم دیتے ہیں چلے جاؤ۔

سائیں:

نہیں جاؤں گا۔

سائیں:

تمہارا باپ بھی جائے گا ماریو۔۔۔۔

سائیں:

باپ میرا ڈرپوک تھا۔ میں نہیں جاؤں گا۔

سائیں:

(چیلا یکدم ہوا میں اچھل کر چت کرتا ہے۔ سائیں چیلے کے

سینے پر چڑھ کر بیٹھتا ہے اور چیلے کے سینے میں کے مارتا ہے۔)

سائیں:

بول ماریو۔۔۔۔! تو بڑا کہ میں۔

چیلا:

تو!

سائیں:

ہمارے حکم سے چلا جائے گا۔

چیلا:

پر سائیں جی تین جعفرات تک ہمارا پھیرا یہاں ہو گا۔

سائیں:

سائیں:

بول کیا چاہتا ہے؟

چیلا:

ایک کھیس، موٹھ کی کچھڑی۔

سائیں:

جا چلا جا۔۔۔۔۔ جا۔۔۔۔۔ ہمارے حکم سے۔

(اب پھر سائیں قہقہہ لگاتی ہے سائیں فرش سے اٹھ کر تخت

پوش پر آتا ہے۔)

سائیں:

بی بی سائیں!

سائیں:

ماریو بچے سکا۔

سائیں:

ہم تمہیں راجا بھوت پتھر کی قسم دیتے ہیں اس لڑکی کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔

سائیں:

یہ ناممکن ہے۔

(اب سائیں پاؤں سے سلیمپرا اتارتا ہے اور مارنے کے انداز

میں اٹھاتا ہے اس وقت سائیں پورے ہاتھ کا چائنا بھر پور طریقے سے

اس کے منہ پر مارتی ہے یکدم سائیں کو جیسے چکر آ جاتا ہے۔

سائیں:

وہ بھاگا۔۔۔۔۔ وہ گیا ڈر کے نکل گیا۔ گیا وہ بھاگا۔

(اب چیلا یکدم اٹھ کر زینب کے ہاتھ سے مرغ لیتا ہے۔

سائیں اسی طرح جوتا ہاتھ میں لئے باہر کی طرف بھاگتا ہے۔)

سائیں:

وہ قبرستان کی طرف گیا ہے ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے۔ جگے آ ہمارے

ساتھ۔۔۔۔۔ اب کچھ فکر نہیں وہ بھاگا۔۔۔۔۔ کسی تازہ قبر میں جا کر بیٹھے گا

گھڑونجی والا سائیں تجھے نکل لے گا۔۔۔۔۔ بچو آ چل میرے ساتھ جگے۔

چیلا:

تم چلو سائیں جی میں آتا ہوں کہیں دور نہ نکل جائے وہ۔

(جوتا ہوا میں علم کی طرح لہراتا چلا جاتا ہے۔)

سائیں:

سائیں گھڑونجی والا سے بھاگ کے کہاں جائے گا۔ بول بچ سکتا ہے تو۔

چیلا:

بی بی کاربشی جوڑا؟

(تخت پوش سے جوڑا اٹھا کر دیتے ہوئے۔ سائیں اب گاؤ

تکئے سے سر لگائے خالی الذہن نظروں سے دیکھے جا رہی ہے۔)

زینب:

یہ لو۔۔۔۔۔

(زینب دس روپے پلے سے کھول کر دیتی ہے۔)

چیلا:

اور جی صدقہ؟

زینب:
چیلہ:
سکینہ:

اب تو نہیں آئے گی ماریو کی روح۔
آپ فکر ہی نہ کریں بی بی جی۔
تو بتا ماریو۔۔۔؟ کس چیز کا علاج کئے جا رہے ہیں یہ لوگ؟ آخر ہوا کیا ہے
مجھے؟ کیا ہوا ہے مجھے۔

(سکینہ آہستہ آہستہ بولتی ہے کیمرو اس پر مرکوز رہتا ہے۔
منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

(یہاں سے ہم آؤٹ میں آجاتے ہیں)

(یہ دو تین چھوٹے چھوٹے سین باغ جنگ کے مناسب
مقامات پر Shoot کئے جائیں۔)

ایک تن آور درخت کی اوٹ میں ماریو کھڑا ہے۔ اس کا ایک پاؤں
اور ایک بازو اس طرح باہر ہے کہ ماریو پہچانا تو جاتا ہے۔ لیکن پشت
کی وجہ سے اور لبلوے اور درخت کی وجہ سے اس کا صرف ایک
ہیولا سا نظر آتا ہے۔ گھاس کے تختے پر سانسے سکینہ بیٹھی ہے۔ وہ
جھولی میں سے ایک کینو یا مائٹا نکال کر ماریو کی طرف پھینکتی ہے ماریو
اسے Catch کرتا ہے۔ ہلکی ہلکی رومانٹک موسیقی جاری رہتی
ہے۔

باغ کا ایک اور گوشہ ایک جھاڑی کی اوٹ میں سکینہ اور ماریو کچھ
اس طرح بیٹھے ہیں کہ ماریو جھاڑیوں میں لیٹا ہوا ہے۔ اس کے
بوٹ اور ٹانگوں کا کچھ حصہ نظر آتا ہے۔ سکینہ کی پشت کیمرو کی
جانب ہے وہ پھول توڑتی نظر آتی ہے۔

جناح باغ سے باہر نکلنے والی سڑک پر زینب اس کا شوہر اور برقعہ
پننے سکینہ پکک کا سامن اٹھائے باہر کی جانب آتے ہوئے دکھائی
پڑتے ہیں۔ منظر ڈالو ہوتا ہے۔)

ڈزالو

ان ڈور

دن کا وقت

(اس وقت صحن میں ایک راز قسم کا آدمی موجود ہے باپ
بڑی لجاہت سے پاس کھڑا ہے یہ ماسٹر ہے اس کے سائن والے
کوٹ پر ان گنت میڈل لگے ہیں اور سر پر اس نے قلعی دار گچری
پہن رکھی ہے۔)

باپ:

ماسٹر:

باپ:

ماسٹر:

باپ:

ماسٹر:

زینب:

باپ:

زینب:

ماسٹر:

زینب:

ماسٹر:

جو خدمت میں کرسکا کروں گا ماسٹر ڈون وان قلدرا۔
آپ کو معلوم ہے کہ میرا وقت کتنا قیمتی ہے میں محض آپ پر ترس کھا کر آیا
ہوں۔

میں جانتا ہوں جی۔ (جیب سے چھشیاں نکال کر)
یہ میرے بختیم پیلز کی چھشیاں ہیں۔ وہاں لیڈی فرائے ڈے نے مجھے یہ سونے
کا تمغہ دیا تھا۔ میں نے اسے مسما ستر کر کے اس کی چوری کا پتہ لگا دیا تھا۔

اگر میری سکینہ ٹھیک ہو گئی ماسٹر جی۔
ماسٹر ڈون وان قلدرا۔ ہم کوئی چینی ماسٹر نہیں ہے کہ آپ ہمیں ماسٹر جی ماسٹر جی
جاتے ہو ہر دوسرے منٹ۔

(اب زینب سکینہ کو سارا دیئے لاتی ہے)
دیکھ لیجئے ٹھنڈی برف ہو رہی ہے۔ جناح باغ تو لے جاہ بمانہ ہو گیا تب سے
تیار ہے۔

کھلی ہوا سے کون بیمار ہوتا ہے بھلی لوگ۔
تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔
کرسی پر بیٹھ جاؤ لڑکی۔

(سکینہ کرسی پر بیٹھتی ہے)
اس کا جی آج ٹھیک نہیں ماسٹر جی۔
میں سکول ماسٹر نہیں ہوں۔ میں ماسٹر ڈون وان قلدرا ہوں۔ لڑکی میری طرف

دیکھو۔

(سیکنہ چہرہ اٹھا کر ماسٹر کی طرف دیکھتی ہے)

باپ:

یہ ٹھیک ہو جائے گی جی؟

(ہتیلی بازو پھیلا کر پرے کرتا ہے)

ماسٹر:

میرے ساتھ منو۔۔۔۔ اور نظر ہماری ہتیلی پر جمائے رکھو۔ ایک دو تین۔

(جب دونوں بیس تک پہنچتے ہیں۔ سیکنہ مکمل طور پر نیند کے

غلبہ میں آ جاتی ہے)

ماسٹر:

کیا نام ہے تمہارا؟

(اب سیکنہ کے صرف لب ہلکے ہیں اور اس کے لبوں سے

ماربو کی آواز نکلتی ہے۔)

سیکنہ:

ماربو چمیکا۔

ماسٹر:

یونان کے رہنے والے ہو کہ کوہ قاف کے؟

سیکنہ:

۔۔۔۔

ماسٹر:

اس لڑکی کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔۔۔۔؟

سیکنہ:

میں صدیوں سے اپنی بیٹرس کی تلاش میں ہوں کئی ملک گھوم چکا۔۔۔۔۔ کئی زمانے بیت گئے۔ کئی بار بیٹرس ملی اور پھر یوں میرے ہاتھ سے نکل گئی جیسے انگلیوں میں سے پانی۔

ماسٹر:

ماربو۔

سیکنہ:

چمیکا۔

ماسٹر:

ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ سیکنہ کے قالب کو چھوڑ کر اسی جگہ چلے جاؤں جہاں تم پہلے رہتے تھے۔

سیکنہ:

بڑکے درخت میں بڑا اندھیرا ہے۔ بیٹرس کی آنکھوں میں بہت روشنی ہے میں یہ سودا نہیں کر سکتا۔

(ماسٹر ہاتھ کے اشارے کرتا ہے سیکنہ اٹھ کر چلنے لگتی ہے)

ماسٹر:

ماربو۔۔۔۔۔ تم اسے چھوڑ کر جا رہے ہو۔

سیکنہ:

(آہستہ آہستہ چلتے ہوئے) Non Posso

ماسٹر:

ماربو! تمہیں ہم حکم دیتے ہیں کہ اس کو چھوڑ کر چلے جاؤ ورنہ تمہارا حق

میں اچھا نہ ہو گا۔

سیکنہ:

بیٹرس کو چھوڑ کر جانا میرے لئے کئی صدیوں کی موت کے برابر ہے میں

پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں کی طرح پھر خاموشی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

ماسٹر:

چھوڑ دو سیکنہ کو میں کہتا ہوں۔

سیکنہ:

Non posso----- non posso----- non posso. Dellasanta maria non

posso----- non posso----- non posso----

ماسٹر:

لیٹ جاؤ سیکنہ۔۔۔۔۔ ماربو بارمان چکا ہے۔ لیٹ جاؤ۔

(سیکنہ پلنگ پر لیٹ جاتی ہے ماسٹر عجیب عجیب ڈھنگ سے

سیکنہ پر اشارے کرتا ہے سیکنہ کی اپنی آواز آنے لگتی ہے۔)

سیکنہ:

no-- no-- no--

ماسٹر:

سوئی رہو سیکنہ۔۔۔۔۔ جب تک ہم چلے نہ جائیں سوئی رہو۔ مبارک ہو آپ

کو۔ اب ماربو کبھی نہیں آئے گا۔ ہم نے اسے نہ صرف اس بدن سے نکال

کر باہر کیا بلکہ اس ملک سے بھی دیس نکالا دے دیا ہے ہمیشہ کے لئے۔ ہماری

فیس۔

(باپ دس روپے دیتا ہے)

ماسٹر:

Too little

باپ:

(ایک اور دس روپے دیتا ہے)

ماسٹر:

تھینک یو۔

سیکنہ:

(چیتے ہوئے) No-- No-- No

فیڈ آؤٹ

سین 6

ان ڈور

(سکینہ کے گھر کا صحن بالکل خالی ہے۔ دروازے میں سے سلیم اٹیچی اٹھائے داخل ہوتا ہے۔ اوپر اوپر دیکھتا ہے پھر اٹیچی چارپائی کے پاس رکھ کر گھڑونجی پر سے گلاس اٹھا کر گھڑے میں سے پانی ڈالتا ہے۔ پانی ایک جھپکے کے ساتھ گلاس میں اور کچھ فرش پر گرتا ہے اندر سے سکینہ کی آواز آتی ہے۔)

سکینہ: کون ہے؟

سلیم: میں ہوں سلیم۔۔۔ (وقفہ)

(سکینہ آہستہ آہستہ دروازے تک آتی ہے اور پٹ کھول کر اس سے لگ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس طرح کہ اس کے وجود کا کچھ حصہ نظر آتا رہے۔)

سلیم: میرا نام سلیم ہے اور میں ملتان سے آیا ہوں۔ مجھے خالہ زینب اور خالو میر علی سے ملنا ہے۔

سکینہ: اس وقت کوئی بھی گھر پر نہیں ہے۔

سلیم: آپ کے ہوتے ہوئے میں یہ کیسے مان لوں کہ کوئی گھر پر نہیں ہے۔

سکینہ: آپ کون سلیم ہیں؟

سلیم: میں ڈاکٹر سلیم ہوں۔ سلطان علی صاحب کا لڑکا۔ آپ کا رشتہ دار۔

سکینہ: سلطان علی صاحب کون؟

سلیم: بجواڑے والے گدی نشینوں کے پوتے۔

سکینہ: (باہر نکل کر) آپ تائی نذیران کے لڑکے ہیں۔

سلیم: بالکل ٹھیک پہچانا آپ نے۔

سکینہ: آپ کا نام بھائی کریم ہے۔

سلیم: بھائی کریم ہمارے بڑے بھائی ہیں میں جمیل سے چھوٹا ہوں۔

سکینہ: تو پھر بیٹھے کھڑے کیوں ہیں آپ۔

سلیم: خالہ زینب کہاں گئی ہیں۔

سکینہ: وہ اور لاپرواہی ابراہیم کے چالیسویں پر گئے ہیں۔ آپ بیٹھیں ابھی آجائیں گے۔

سلیم: میرے پاس وقت نہیں ہے۔ مجھے تین بیس کی فلائٹ پر پشاور جانا ہے۔

سکینہ: تین بجنے میں تو ابھی دو گھنٹے پڑے ہیں۔

سلیم: ایئر پورٹ پہنچنے کے لئے دو گھنٹے پہلے سے تیار رہنا پڑتا ہے۔

سکینہ: (کری دے کر) ماموں رشید کی شادی پر آپ ہی گھنگھرو باندھ کر ناپے تھے۔

سلیم: اوه ماموں رشید! اس وقت تو تمہاری عمر مشکل سے چار سال ہوگی۔ میں آٹھ سال کا تھا جب (ہینچ جاتا ہے)

سکینہ: پھر کھجور کی گھٹلی پر سے آپ کا پاؤں پھسل گیا تھا اور آپ گر پڑے تھے سب براتی بننے لگے تو آپ نے رونا شروع کر دیا تھا۔

سلیم: کمال ہے سولہ برس پہلے کی بات تمہیں کتنی تفصیل کے ساتھ یاد ہے۔

سکینہ: جب باراتی بنے تھے تو مجھے رونا آگیا تھا۔

سلیم: باراتی ہوتے ہی ایسے ہیں۔ انہیں کسی کے جذبات کی پروا نہیں ہوتی۔

سکینہ: آپ پشاور کیوں جا رہے ہیں۔

سلیم: مجھے نوکری مل گئی ہے وہاں سول ہسپتال میں۔

سکینہ: آپ نے ڈاکٹری پاس کر لی۔

سلیم: فرسٹ کلاس۔ اعلیٰ درجے کی ڈاکٹری

Best and the youngest surgeon of Pakistan.

سکینہ: آپ چائے پیئیں گے یا بوتل۔

سلیم: کچھ نہیں۔ شکریہ۔

(خاموشی)

سلیم: آپ کا نام سکینہ ہے ناں۔

سکینہ: جی۔

سلیم: وہ جن بھوت کے دورے آپ ہی کو پڑتے ہیں۔

سکینہ: (خاموش ہے)

سلیم: آپ ہی وہی سکینہ ہیں ناں جو اطالوی زبان میں فر فر بولتی ہیں۔

سکینہ: (خاموش ہے)

سلیم: (اپنا اٹیچی کھولتے اور اس سے شیشہ سوکپ نکالتے ہوئے) کہتے ہیں اطالوی زبان

بہت ہی سوٹ ہے اور وہاں کے لوگ سوٹ میٹ بہت اچھی بناتے ہیں۔ وہ

ایک تھے اطالوی فلور۔ ہمارے نیشنل میڈیکل کالج میں کبھی کبھی آیا کرتے تھے

بڑی پیاری پیاری نظائیں سناتے تھے اطلالی زبان کی ---- آپ بھی سنائیں۔
(کمر اور کندھوں کو شیشو سکوپ لگا کر زور زور سے سانس لیجئے ---- لمبا اور
لمبا ---- شاباش۔)

(ڈاکٹر سلیم گلے میں شیشو سکوپ ڈال کر پھر کرسی پر بیٹھ جاتا
ہے کیونکہ اس کے سامنے چارپائی پر سر جھکائے خاموش بیٹھی ہے۔
ڈاکٹر سلیم ہاتھ آگے بڑھا کر اس کی نبض دیکھتا ہے اور اس کے
ساتھ ہی بیک گراؤنڈ میں محبت بھرا میوزک بجنے لگتا ہے۔ پھر وہ
کیونکہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے۔
میوزک تیز ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر اس کی
آنکھیں دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم
آہستہ سے اس کی آنکھوں کے پوٹے کھولتا ہے۔ میوزک دھڑا
دھڑا بجنے لگتا ہے۔ ڈاکٹر گلے سے اپنے شیشو سکوپ اتارتا ہے،
میوزک بند ہوتا ہے۔)

سلیم: فکر کی بات نہیں ہے ٹھیک ہو جاؤ گی۔

کیونکہ: لیکن میں بیمار تو نہیں ہوں۔

سلیم: خاندان بھر میں تو یہی مشورہ ہے۔

کیونکہ: خاندان کا کیا ہے ان کا تو کام ہی مشورہ کرنا ہوتا ہے۔ (وقفہ)

ڈاکٹر صاحب۔

سلیم: جی۔

کیونکہ: آپ ٹھہر نہیں سکتے۔ یہاں چند روز۔

سلیم: چند روز! میں تو ایک پل کے لئے اور نہیں ٹھہر سکتا کل مجھے رپورٹ کرنا ہے

وہاں۔

کیونکہ: اگر رپورٹ نہ کی تو کیا ہو گا۔

سلیم: پھر نوکری نہیں ملے گی اور کیا ہو گا۔

کیونکہ: نوکری نہ مل سکی تو پھر کیا ہو گا۔

سلیم: واہ ---- پھر تو سب کیا کرایا برباد ---- پامنال و خوار کوئی رشتہ نہیں دے گا مجھے

اپنی بیٹی کا ----

کیونکہ:
سلیم:

ایسا سنگ دل کون ہو سکتا ہے ڈاکٹر صاحب۔
بڑے سنگ دل لوگ پڑے ہیں اس دنیا میں کیونکہ ---- بڑے پتھر دل۔ تمہیں
کیا معلوم، شکر کرو گھر کی چار دیواری میں رہتی ہو۔ (گھڑی دیکھ کر اچھا بھی
اب اجازت ---- خالہ جلن اور خالو جلن کو میرا سلام کہنا اور میری طرف سے
پشاور آنے کی دعوت دینا۔ خدا حافظ۔)

(ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ کیونکہ اس سے ہاتھ
نہیں ملاتی اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہتی ہے۔ سلیم اپنی لٹکائے
گھر سے باہر نکل جاتا ہے اور کیونکہ اس کے چلے جانے کے بعد سر
ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگتی ہے۔ پھر اسی طرح ہچکیاں لیتی ہوئی
اندر اپنے کمرے میں بھاگ جاتی ہے۔)

کٹ

سین ۶

ان ڈور

چند لمحے بعد

(صحن بھاگ کر کیونکہ اپنے کمرے میں آتی ہے۔ اس کا چہرہ
آنسوؤں سے بھرا ہے۔ وہ اپنے پٹنگ پر اووندھی لیٹ کر پائے پر
ٹھوڑی رکھتی ہے۔ آنسو فرش پر گرتے ہیں۔ اب کلثوم آتی ہے
اس نے دو لہنوں والا لباس پہن رکھا ہے۔)

لے پھر رو رہی ہے تو،

(کیونکہ لمبی آہ بھرتی ہے۔)

میں تو تجھے ملنے آئی تھی۔

چل دی ساہیوال کو ---- تو تو کتنی تھی دس بارہ دن رہے گی؟

کلثوم:

کلثوم:

کیونکہ:

کلوٹم: رہنا تو تھا پر وہ لینے آگئے ہیں۔

سکینہ: بڑی خوش نصیب ہے تو۔

کلوٹم: کہتے ہیں۔ گھر چل۔۔۔۔۔ میرا دل نہیں لگتا اپنے کام پر۔

سکینہ: (دونوں ہاتھ کلوٹم کے کندھے پر رکھ کر) آج مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ دل کیا ہوتا

ہے اور کیوں نہیں لگتا۔ یہ وہی گھر ہے وہی لوگ ہیں۔ وہی میں ہوں وہی تو

ہے۔۔۔۔۔ سرخ آندھی سے پہلے جس طرح گھر کے روشندانوں سے روشنی

آتی ہے۔ اور دل ڈرنے لگتا ہے۔ اس طرح آج میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ خدا

جانے کہاں آندھی چل رہی ہے سرخ رنگ کی۔

کلوٹم: تیرا ماریو کہاں ہے دل لگانے والا؟

سکینہ: ماریو؟۔۔۔۔۔ (آہ بھر کر) اب تو ماریو بھی میرا دل نہ لگا سکے گا کبھی۔

کلوٹم: پھر ہوا کیا ہے؟

سکینہ: تو ٹھیک کہا کرتی تھی۔ صرف باتیں کرنے والا۔۔۔۔۔ صرف باتیں سننے والا ہی کافی

نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ جب اس نے میری نبض پر ہاتھ رکھا تو۔۔۔۔۔ یوں ہوا جیسے اس

کی انگلیوں سے میری رگوں تک ایک خاموش آگ بستی چلی گئی۔ ایک ان کہا

وعدہ ہو گیا ایک گھڑی میں۔۔۔۔۔

زینب: (باہر سے) کلوٹم آجا۔۔۔۔۔ تیرا میاں بلا رہا ہے۔

کلوٹم: کون ہے وہ۔۔۔۔۔؟ آ رہی ہوں ماسی جی۔

سکینہ: وہ؟۔۔۔۔۔ کیا لے گی پوچھ کر۔۔۔۔۔ جا تیرا میاں انتظار کر رہا ہے۔

کلوٹم: (یکدم کلوٹم اس سے بغلیں ہوتی ہے)

سکینہ: میرے پاس سایہ وال آتا۔

کلوٹم: آؤں گی۔

کلوٹم: اللہ جلدی سے تیرے ہاتھ پیلے کرے۔

سکینہ: (منہ موڑ کر آہ بھرتے ہوئے) خدا حافظ۔۔۔۔۔

سکینہ: (سکینہ چپ چاپ کھڑی ہے باہر کی طرف سے ماریو داخل

ہوتا ہے۔ اور اسی طرح کرسی پر بیٹھ جاتا ہے جیسے وہ پہلے سین میں

بیٹھا تھا)

سکینہ: ماریو!

(سکینہ اپنے خیال میں گم ہے)

سکینہ:

(یکدم جیسے آواز سن لی ہو)

سکینہ: اچھا ہوا تم آگئے۔ مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا ماریو۔۔۔۔۔ ماریو۔۔۔۔۔ آج میں۔۔۔۔۔

آج میں بہت خوش ہوں۔۔۔۔۔ اور آج میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔

ماریو: میں جانتا ہوں۔

سکینہ: ماریو!

ماریو: میں جا رہا ہوں سکینہ۔ میں جانتا تھا میرے دل کے کسی گوشے سے یہ دوسرا

نکل کر کبھی کبھی مجھے ڈس لیا کرتا تھا کہ انسان کا دل اسی طرح ہے اسے ریک

رواں کی طرح قرار نہیں۔

سکینہ: تم کیا کہہ رہے ہو ماریو۔۔۔۔۔ میری بات تو سن لو۔

ماریو: صدیوں سے آوارہ ہوں۔۔۔۔۔ سکینہ۔۔۔۔۔ تم سے پہلے اور خدا جانے تمہارے

بعد کتنی بار اور میں اپنی بیٹرس کو تلاش کرنے نکلوں گا۔ لیکن وہ تو پانی کا عکس

ہے۔۔۔۔۔ وہ کہاں ملے گی مجھے۔۔۔۔۔

سکینہ: تم میرے دوست ہو ماریو۔۔۔۔۔ ہمارا رشتہ بہت مقدس، بہت پرانا ہے ہم ملتے

رہیں گے۔

ماریو: سمندر میں دریا تو مل سکتا ہے سکینہ لیکن دریا میں سمندر نہیں مل سکتا۔ محبوب

کی ذات ہر دوستی کو نگل جاتی ہے۔ کوئی دوست محبوب کی جگہ نہیں لے سکتا۔

خدا حافظ بیٹرس۔

سکینہ: ٹھہرو رک جاؤ ماریو! تم نے میری تنہائی کو جگایا تم نے میرے دل کے ہر زخم

پر مرہم رکھی۔ تم میرے غمگسار میرے مونس ہو۔ میں تمہیں کیسے جانے

دوں۔۔۔۔۔ کیسے کیسے ماریو!

ماریو: انسان ہمیشہ انسان سے محبت کرتا ہے سکینہ۔۔۔۔۔ کسی انسان نے آج تک

فرشتے شیطان یا جن سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ یہ تو ہم بھولے لوگ ہیں کہ

سمجھتے ہیں شاید کبھی انسان ہماری طرف توجہ کرے گا۔

سکینہ: ماریو۔۔۔۔۔ تم میری دوستی کو تنگ نظری سے جانچ رہے ہو۔۔۔۔۔

ماریو: مجھ سے پہلے بھی کئی بار یہ واقعہ ہوا۔ جن پری زادوں کو اپنی قید میں تو رکھ لیتے

سکینہ:

ماریو:

تھے پر میرا سن تو تا کبھی ان کا نہ ہوتا۔ ان پری چہرہ شہزادیوں کو ہمیشہ آدم زاد رہا کر لیا کرتے تھے۔

سکینہ: وہ مجھے رہا نہیں کر رہا ماریو سمجھنے کی کوشش کرو اس کی اپنی جگہ ہے تمہاری اپنی۔۔۔۔۔

ماريو: تمہیں بھی سکینہ آدم زاد نے رہا کر دیا ہے بالآخر۔۔۔۔۔ اس وقت تم اس کے گھوڑے پر اس کے سامنے بیٹھی ہو۔۔۔۔۔ تمہارے بال اس کے چہرے کو چھو رہے ہیں۔ وہ تمہیں مجھ سے بہت دور بھگائے لئے جا رہا ہے۔۔۔۔۔ خدا حافظ۔ (خاموشی)

ماريو: بیٹرس خدا حافظ۔

سکینہ: ماریو!

ماريو: محبت کا دھارا اتنا ظالم ہوتا ہے سکینہ کہ اس کے ہماؤ میں ہر چھوٹا بڑا پیار بہہ جاتا ہے۔ جہاں سرشاری کا یہ عالم نہ ہو وہاں محبت نہیں ہوتی صرف۔۔۔۔۔ تیری میری دوستی ہوتی ہے سکینہ۔۔۔۔۔ میں کیا تھا؟ ایک مجسم آرزو۔۔۔۔۔ اور تو انگلی بیٹرس۔۔۔۔۔ ایک مجسم سراب! خدا حافظ

سکینہ: ذرا رکنا ماریو۔۔۔۔۔ ماریو۔۔۔۔۔ ماریو میری تو سنو۔

(یہاں ماریو اونچے اونچے رونے لگتا ہے۔ پھر اس کے قدم جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ سکینہ روکنے کے انداز میں ہاتھ اٹھاتی ہے۔ ماریو کے رونے کی آواز پر ڈھولک کی آواز O.Lap ہوتی ہے۔)

گیت: وگدی اے راوی مائی وے ویچ دو پھل کائی دے ڈھولا

میں نہ بھدی مائی وے تو کیکر ویائی دا ڈھولا

(ماريو گم سم کھڑا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

بھوت نکالا

سین ۱

ان ڈور

رات

کردار:

(بی کلم کا سٹوڈنٹ گاؤں سے آیا ہوا)
اس کی دور کی خالہ

ای کے بچے

- ◆ ٹوٹو بھائی
- ◆ امی
- ◆ عارفہ
- ◆ جمالتگیر
- ◆ نجیب
- ◆ زاہدہ
- ◆ غازی

(یہ ڈرامہ ٹوٹو بھائی سے متعلق ہے۔ ٹوٹو بھائی موٹے
بھدے قدرے احمق لیکن دل کے اچھے آدمی ہیں اس کھیل میں
ان پر Auto Suggestion کا اثر دکھایا گیا ہے۔ کئی وارداتیں اور
حیرت کدے محض اس لئے معرض وجود میں آتے ہیں کہ کوئی نہ
کوئی قطرہ آپ کے ذہن میں زہر گھولتا رہتا ہے۔

اس وقت ٹوٹو بھائی ہاتھ میں کتاب لئے پڑھ رہے ہیں انہوں
نے ٹائٹ سوٹ پہن رکھا ہے اور اس کی جیبوں میں گنڈیریاں
ٹھونس رکھی ہیں۔ ساتھ ساتھ گنڈیریاں کھاتے ہیں ان کی چھلکے
فرش پر پھینکتے ہیں ساتھ ساتھ رٹالگا رہے ہیں۔)

نوٹو: F-i-l-tr-a-te ---- معنی چھاننا (فل) Trate (ٹریٹ) فلٹریٹ معنی

چھاننا۔ (چھاننی کا اشارہ کرتا ہے)

R-e-v-o-l-U-Tion روناوت۔

(مکہ نکل کر روناوت کا ایکسپریشن بتاتا ہے)

M-o-L-E-S-Ta-Tion ایڈا رسائی۔

(اپنے ہی چنگی کٹ کر ہائے کرتا ہے) I-So-Late علیحدہ کرنا۔ ان لفظوں کے
سیلنگ یاد کر کے وہ چنگ پر لیٹا ہے اور بیڈ لیپ جلا کر آنکھیں بند کر کے ان
ی لفظوں کو یاد کرتا پھر ان کے جملے بتاتا ہے۔ گنڈیریاں کھانے کا شغل ساتھ
ساتھ جاری ہے۔

(ایک ایک جملہ رٹے ہوئے)

(جملہ بتا کر) کلچرول فلٹریٹ

(جمالی لیتا ہے) (کنٹریشن کا چہرہ بتاتا ہے)

نوٹو:

مج

(ٹوٹو بھائی تھہ باندھے اوپر تنگ بنیان پننے باغ کے ایک گوشے میں ورزش کرتا ہے۔ یوگا کا آسن بنا کر بیٹھتا ہے کہ سر پر پلپلا ٹماٹر آکر گرتا ہے۔)

ٹماٹر؟ (آواز دے کر) بھی سبزی والے باورچی خانہ پچھلی طرف ہے۔ جو نمونے کا ٹماٹر تم نے بھیجا ہے اچھا ہے۔ (کھاتا ہے)
(آنکھیں بند کرتا ہے اب پتھر آکر اس کے گھٹنے پر لگتا ہے، آنکھ کھولتا ہے۔ اٹھ کر ساری طرف دیکھتا ہے پھر کھڑے ہو کر بھاگنے کی پریکٹس کرتا ہے۔ اب تڑا تڑواتر کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پتھر پڑتے ہیں۔)

Help firing--- firing help.

(اب ٹوٹو دونوں بازوؤں اٹھاتا ہے جیسے ہینڈ زاپ کر رہا ہو جب پتھروں کی بارش بند نہیں ہوتی تو یکدم Air Raid کے وقت جس طرح لیٹ جاتے ہیں اس طرح لیٹ جاتا ہے اور کہنیاں ٹیک کر کالوں پر ہاتھ رکھ لیتا ہے۔)

(کٹ)

سین 3

ان ڈور

دن

ٹوٹو بھائی ستار لے بیٹھا ہے اور سرگم بجا رہا ہے ماتھے سے

Through all human boundries

ٹوٹو:

Revolution abides in the heart of the man.

(پانی کے جگ میں سے ایک چلو بھر کر پانی لیتا ہے اور اپنے چہرے پر پھینٹے مارتا ہے۔)

ٹوٹو:

Molestation of the weaker party is cowardice.

اب ٹوٹو کو مکمل طور پر نیند آ جاتی ہے۔ ہاتھ سے گنڈیریاں مارتی ہیں۔ وہ تنکے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر کے یہ جملہ رٹا ہے۔

ٹوٹو:

Isolate me from the tranny of man kind.

اب سپنس میوزک جاری ہوتا ہے دو نقاب پوش آدمی کھڑکی سے اندر کود کر آتے ہیں ٹوٹو جو مکمل طور پر نیند کی آغوش میں نہیں گیا آنکھوں کی جھری سے دیکھ کر مسکراتا ہے ایک آدمی واپس چلا جاتا ہے دوسرا کونے میں کھڑا رہتا ہے ٹوٹو جس کا خوف کا خانہ خالی ہے آرام سے اٹھتا ہے جیب سے گنڈیریاں نکل کر نقاب پوش کے پاس جاتا ہے نقاب پوش جس نے دراصل برقعہ پہن رکھا ہے کھڑا رہتا ہے۔

ٹوٹو:

کھائیے بھائی کھائیے ”پہلے پیٹ پوجا پھر کام دو جا۔“ چوری بعد میں کر لیجئے گا۔

(ٹوٹو ذرا سا توقف کرتا ہے۔ پھر نقاب پوش کا نقاب اتارتا ہے اندر سے انسان کا ڈھانچہ نکلتا ہے ٹوٹو بھاگ کر رضائی منہ سر پر لپیٹ کر لیٹ جاتا ہے پھر ذرا سا کونا اٹھا کر دیکھتا ہے مردہ وہیں موجود ہے آنکھیں بند کر کے منہ سر اندر کر لیتا ہے۔ موسیقی بلند ہو کر بند ہوتی ہے۔)

سین 2

ان ڈور

تو:

(گاکر) سارے گا پاپا دھانی سا۔۔۔ سانی دھاپا ماگارے سا۔۔۔

تُو تُو اپنی ستار سے کان لگا کر سنتا ہے جیسے ستار میں سے ملی کی آواز آ رہی ہو۔

توتو:

Pussy Cat ---- Pussy Cat

I have been to London

۱۰۰

(عسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکتا ہے پھر پلنگ پوش اٹھا کر بیچ بیچ کرتا ہے ٹرنک الماری کھول کر دیکھتا ہے پلنگ کے نیچے سے بوٹ اٹھا کر دیکھتا ہے پھر جھانپتا ہے مگ اٹا کر کے دیکھتا ہے گندے کفزدوں کی نوکری عین کمرے میں الٹا ہے نوکری میں سے کئی کیلے کے چھلکے گرتے ہیں اب وہ پردوں کی جانب بے دھیانی سے بڑھتا ہے چھلکوں پر الاٹنگ کر چلا جاتا ہے پردوں کو علیحدہ کر کے دیکھتا ہے واپس لوٹتا ہے بڑے دھیان سے پاؤں رکھتے ہوئے آتا ہے ایک چھلکے پر پاؤں پڑتا ہے پھسل کر پلنگ کے نیچے چلا جاتا ہے۔)

زائدہ:

عارف:

توتو:

زائده:

اب ہم عارف کے کمرے میں آتے ہیں۔ جمائگیر میاں اس وقت ٹیپ ریکارڈ کے پاس کھڑا اسے ہینڈل کر رہا ہے۔ نجیب پاس بیٹھا ایک ڈراؤنا Mask چہرے پر لگا کر دیکھ رہا ہے جھونٹی بہن زاہدہ، غازی (سات آٹھ سال کا لڑکا) کے چہرے پر سرے سے مونچھیں بنا رہی ہے عارف پیروں کے انگوٹھوں میں ململ کا دوپٹہ لئے چنت دے رہی ہے جمائگیر میاں کبھی آواز اونچی کرتا ہے کبھی نیچی۔ دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ جھٹ جمائگیر ٹریک بدلتا ہے۔ سب کو اشارہ کرتا ہے موسیقی بہت ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے سارے بہن بھائی ناچنے لگتے ہیں اپنے اپنے فری سائل میں جمائگیر دروازہ کھولتا ہے۔ زاہدہ ٹیپ بند کرتی ہے۔)

نوٹو:

نجیب:

جہانگیر:

توٹو:

عارف:

نوٹو:

زائدہ:

عارف:

توتو:

زائده:

ادھر کوئی آواز تو نہیں آئی۔
کیسی آواز، ذرا شیپ بند کرنا زائدہ۔
کیسی آواز ٹوٹو بھائی آف دھونکل شریف؟
جیسے بلیاں رو رہی ہوں منوس۔
دیکھئے ٹوٹو بھائی یہ ہماری نیکی ہے۔ ہم آپ کی ایسی باتیں برداشت کر لیتی ہیں
کوئی اور ہمیں بلیاں کہے تو دیکھے۔
میں کوئی آپ لوگوں کو تو بلیاں نہیں کہہ رہا تھا۔ سارے گھر سے آوازیں
آ رہی تھیں۔ آپ لوگ آئی جی سے چل کر پوچھ لیں۔
خیر سے آپ کی حمایتی آئی جی وسمہ کھانے گئی ہیں۔
(جھوٹ موٹ کا روتے ہوئے) خدا قسم ٹوٹو بھائی یہ ہمارے دو بڑے بھائی بیٹھے
ہیں آپ کے سامنے کبھی پھول کی چھڑی بھی نہیں ماری انہوں نے۔
نہ سچ میں نے تو آپ کو کچھ نہیں کہا۔ وہ آواز ادھر ہی سے آ رہی تھی۔ پر۔
اب آپ باتوں میں نہ اڑائیں محاطے کو ٹوٹو بھائی۔

غازی: باقی میں ان کے کمرے میں پنسل مانگنے گیا تھا تو یہ کہتے تھے بھاگ جا کیئے۔
 نوٹو: یار کیئے تو میں نے لاڈ سے کہا تھا۔ بخدا۔۔۔۔۔ پیارے دوست۔
 نجیب: (فیصلہ کن انداز میں) نوٹو بھائی۔ میں ایک عرصے سے کچھ باتیں نوٹ کر رہا ہوں۔

For your kind information.

نوٹو: کیسی باتیں نجیب بھیا۔
 نجیب: آپ بالکل بگ پاور زکی طرح Behave کرتے ہیں زبردستوں کو دباتے ہیں اور طاقتوروں کے سامنے اپنے پنجے چھپا لیتے ہیں۔ Paws کے اندر I dont like this

نوٹو: بھائی۔ اوھر سے آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے خود سنی ہیں زبردستوں اور زبردستوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
 عارفہ: تم سب خاموش رہو نجیب بھیا کچھ سلجھالیں گے معاملہ۔
 نجیب: جب کبھی ہوتا ہے آپ غازی پر رعب ڈالتے ہیں۔
 غازی: مجھے رات کے وقت سگریٹیں خریدنے بھیجتے ہیں چوری چوری۔
 نجیب: پرسوں آپ نے زاہدہ کو Force کیا کہ وہ آپ کی گندی بنیان دھوئے۔ یہ کوئی شرافت ہے۔

جہانگیر: ان کی وجہ سے میرا ٹائر پچھر ہوا۔ موٹر سائیکل کا نہ میں انہیں لفٹ دیتا نہ ٹائر ٹرک سے جا لگتا۔

نجیب: آپ کے Manners اس قابل ہیں کہ آپ کو اصطبل میں رکھا جائے اور آپ ہیں کہ ہماری ہر پارٹی ہر فنکشن میں دندناتے چلے آتے ہیں بلا دھڑک۔ نہ آپ کو آرٹ اور کلچر کا پتہ ہے نہ آپ ڈرننگ کے اصول جانتے ہیں نہ آپ کی انگریزی کا Pronunciation اچھا ہے۔ نہ آپ فلم کے ٹاپک پر بات کر سکتے ہیں نہ ٹیلی ویژن کے پروگراموں کا آپ کو علم ہوتا ہے۔ آپ کس لئے منہ اٹھا کر Refined لوگوں کی سوسائٹی میں دندناتے چلے آتے ہیں بتائیے، فرمائیے۔

نوٹو: میں کو شش کر رہا ہوں۔
 جہانگیر: کیا خاک کو شش کر رہے ہیں آپ۔

نوٹو: میں ورزش کرتا ہوں۔ ستارہ سیکھ رہا ہوں انگریزی کے فرسٹ کلاس حروف اپنی گفتگو میں استعمال کرنا سیکھ رہا ہوں آپ لوگ دیکھتے جائیں میں جلدی آپ کے لیول پر آ جاؤں گا۔

عارفہ: نجیب بھیا انہوں نے ابھی ہمیں بلایاں کہا تھا۔
 نجیب: میرے خیال میں آپ کو عارفہ اور زاہدہ سے معافی مانگنی چاہئے۔
 نوٹو: نہ خواہ مخواہ ہی معافی۔ ہر بات پر معافی۔ میں آنٹی جی کو بتاؤں گا۔
 نجیب: چلے دو ٹنگ کر لیتے ہیں کون سیکنڈ کرے گا میرے کو۔ ہم لوگ بے انصاف نہیں ہیں۔

غازی: میں نجیب بھیا۔ میں۔۔۔۔۔ (ہاتھ اٹھاتا ہے)
 (سب ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ سب کو ہاتھ اٹھاتے دیکھ کر نوٹو بھائی بھی اپنا ہاتھ کھڑا کر دیتے ہیں۔)
 نجیب: جو جو سمجھتا ہے کہ نوٹو بھائی کو معافی مانگنی چاہئے۔ ہاتھ کھڑا کر دے۔
 نجیب: چلے مانگنے ان سے معافی۔

نوٹو: مس سیدہ عارفہ اور سیدہ زاہدہ صاحبہ میں آپ سے دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ مجھے وہ گناہ جو میں نے کئے اور جو گناہ آئندہ مجھ سے سرزد ہونے والے ہیں سب یکشت معاف کر دیں۔

جہانگیر: نجیب بھیا یہ تو سیدھا Contempt of Court ہے ان کی آواز میں تحقیر ان کے جملوں میں تضحیک کہ ان کے لب و لہجے میں طنز چھپا ہے۔

I dont like it.

نجیب: اب تو آپ کو مجھ سے بھی معافی مانگنی پڑے گی نوٹو بھائی۔
 نوٹو: نہ خواہ مخواہ ہی معافی۔ میں آنٹی جی کو بتا دوں گا سب کچھ۔
 نجیب: ہم کوئی بے انصاف تھوڑی ہیں جو بات اکثریت طے کر دے گی ہو جائے گی کس کس کا خیال ہے کہ نوٹو بھائی کو مجھ سے معافی مانگنی چاہئے۔

(سب ہاتھ اٹھاتے ہیں ساتھ ہی نوٹو بھائی کا بھی ہاتھ اٹھتا ہے۔)

(ٹوٹو پٹنگ پر بے سدھ پڑا سو رہا ہے۔ غازی آتا ہے اس کے ہاتھ میں ایک کاپی اور ایک لمبا سا پر ہے وہ کبھی اس پر سے ٹوٹو کے ناک کو کبھی گلن کو سلاتا ہے ٹوٹو کے گدگدی ہوتی ہے۔ ٹوٹو اٹھتا ہے۔)

ٹوٹو: کیا کر رہے ہو غازی میاں؟
غازی: آپ کو گدگدی ہوتی ہے ٹوٹو بھائی۔
ٹوٹو: ہوتی ہے لیکن اگر ہم اپنا دل سخت کر لیں تو نہیں ہوتی۔
غازی: یہاں گدگدی کریں ٹوٹو بھائی۔ میری ہتھیلی پر زور سے۔
(غازی اپنی ہتھیلی سامنے کرتا ہے اسے کھینچ کر رکھتا ہے۔ ٹوٹو گدگدی کرتا ہے اسے نہیں ہوتی۔)
غازی: جسے پہلے گدگدی ہو جائے ٹوٹو بھائی وہ دس روپے دے دوسرے کو ٹھیک ہے؟
ٹوٹو: ٹھیک ہے۔

غازی: لیں اب آپ میرے سر پر گدگدی کریں۔ کریں کریں۔ شرانیں نہیں۔
(ٹوٹو گدگدی کرتا ہے کچھ نہیں ہوتا۔)

ٹوٹو: بڑے کچے ہو یا تم تو۔

غازی: یہاں گدگدی کریں ٹوٹو بھائی۔
(کئی نکال کر سامنے کرتا ہے۔)

ٹوٹو: واہ۔

(ٹوٹو گدگدی کرتا ہے نہیں ہوتی۔)

(اب ٹوٹو ہاتھ بڑھا کر غازی کے پیٹ میں گدگدی کرنا چاہتا

ہے لیکن غازی روک دیتا ہے۔)

غازی: آپ کی تین باریاں ہو چکی ہیں ٹوٹو بھائی۔ اب میری باری ہے۔
(غازی ٹوٹو کے پاؤں میں گدگدی کرتا ہے ٹوٹو بیتاب ہو جاتا ہے۔)

غازی: لائیے دس روپے۔۔۔۔ شرط آپ ہار گئے ہیں۔ کچی بات ہے۔
ٹوٹو: ناں یا میری بھی تو ہتھیلی میں کھجلی کرناں۔

(غازی اب پیٹ میں گدگدی کرتا ہے۔ ٹوٹو ہنسی سے بے حال ہوتا ہے۔)

غازی: جگہ تو میں خود منتخب کروں گا ٹوٹو بھائی۔ پہلا چانس آپ کا گیا۔
ٹوٹو: فاؤل فاؤل فاؤل۔۔۔۔ فاؤل۔

غازی: اپنی باری فاؤل فاؤل۔ نکالئیے سیدھی طرح دس روپے۔
ٹوٹو: یار تو میرے ٹخنے پر کھجلی کر۔

غازی: کیوں میری مرضی، جہاں میرا جی چاہے گا کروں گا۔ اب آخری چانس ہے آپ کا۔ دل سخت کر لیجئے اپنا ٹوٹو بھائی۔

ٹوٹو: کر لیا۔

غازی: آجاؤں۔

(ٹوٹو بظلوں کے نیچے گدگدی کرتا ہے ٹوٹو لوٹنیاں لگاتا ہے۔)
ٹوٹو: آہ۔۔۔۔

غازی: نکالئیے دس روپے ٹوٹو بھائی۔

ٹوٹو: (اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ ہنستا رہتا ہے۔) کون سے دس روپے؟
کیسے دس روپے؟ کس کے دس روپے؟ کس طرح کے دس روپے؟ کس رنگ کے دس روپے؟ کیسے ہوتے ہیں دس روپے؟

غازی: اب ٹالنے ناں ٹوٹو بھائی۔ سیدھی طرح دیجئے میرا نوٹ۔
ٹوٹو: غازی ہبلور! تم اپنے وقت کے بہت بڑے پنڈارے ہو۔

غازی: ٹوٹو بھائی مان جائیے۔ ورنہ میں امی سے کہہ دوں گا۔
ٹوٹو: آئی جی بہت اچھی عورت ہیں۔ تم گھر والوں کی طرح نہیں ہیں۔

غازی: میں نجیب بھیا کو تینا دوں گا سب کچھ۔۔۔۔

نوٹو:

کیسے؟

غازی:

نجیب بھیا کو۔

نوٹو:

ہائے میرے اللہ۔۔۔۔۔ بھائی غازی بلور میرے پاس اس وقت ایک دس پیسے کا بھی سکے نہیں۔ دس کانٹ تو میں نے پورے ایک ہفتے سے نہیں دیکھا تیری قسم۔

غازی:

آپ چلے میرے ساتھ نجیب بھائی کے پاس۔۔۔۔۔ آپ نے شرط کیوں لگائی تھی جی۔۔۔۔۔ اب چلے سیدھی طرح۔۔۔۔۔

نوٹو:

تم چلو میں آتا ہوں۔

غازی:

میں سب جانتا ہوں جی۔ میں آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ چلے، چلے، کھڑے کیوں ہیں؟ چلے۔

(غازی باہر کی طرف کھینچتا ہے منظر فیڈ آؤٹ کرتا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 6

ان ڈور

مج کا وقت

آنٹی:

مروے کا ڈھانچہ۔

نجیب:

جی وہ تو انسانی ہڈیاں سیکنے کے لئے لایا تھا گریڈ ایٹمی یاد کرنے کے لئے۔ وہ ڈھانچہ نوٹو کے کمرے میں کیسے پہنچا۔

آنٹی:

(سب ہنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔)

عارفہ:

آپ کچھ کہیں گی تو نہیں ای۔

آنٹی:

نہیں۔

جماگیر:

میں لے کر گیا تھا جی اسے برقعہ پہنا کر آپ کا۔

ای:

کیسے۔

جماگیر:

ایک برقعہ میں نے خود پہن لیا تھا۔ خود میں باہر نکل گیا تھا اور نقاب پوش ڈھانچے کو میں وہیں چھوڑ آیا تھا۔ دیوار کے ساتھ لٹکا کر۔

ای:

وہ تو شکر ہے نوٹو ایسی باتوں سے خوفزدہ ہی نہیں ہوتا ورنہ کئی حادثے ہو جاتے ہیں۔

زاہدہ:

ہم نے تو انہیں ایسے ایسے Shocks دینے ہیں کہ اگر تھوڑی سی غیرت والے تھوڑی سی عقل والے تھوڑی سی انا کے مالک ہوتے تو کبھی کے چلے جاتے دھونکل۔۔۔۔۔ شریف۔

ای:

زاہدہ!

نجیب:

آپ ہمیں بھی تو سچ سچ کچھ کہنے کا موقعہ دیں ناں ای۔

This is unfair.

جماگیر:

ہم نوٹو بھائی کی کہنی ایک لمحہ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

ای:

وہ بیچارہ تمہیں کیا کہتا ہے۔

سب ملکر:

بور۔۔۔۔۔ بور۔۔۔۔۔ پینڈو

ای:

آہستہ بولو۔۔۔۔۔ تم سب۔۔۔۔۔ خاموش۔

عارفہ:

Excuse me ای! نجیب بھائی کدو نہیں کھاتے۔ آپ کہا کرتی ہیں۔ Force

مت کرو نہیں کھانا تو نہ کھائے۔ جماگیر کو آلیٹ میں پیاز برے لگتے ہیں۔ آپ نے کبھی نہیں ڈالا پیاز۔ میں نیلا رنگ نہیں پسنتی۔ زاہدہ سیاہ رنگ سے نفرت کرتی ہے۔ نہ کدو برا ہے نہ پیاز۔ نہ نیلا رنگ نہ سیاہ۔۔۔۔۔ آپ اگر ان باتوں میں ہماری پسند کا خیال رکھتی ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نوٹو بھائی کو

آنٹی:

مجھے سب پتہ چلا گیا۔ نجیب تم نے نوٹو کے کمرے میں ڈھانچہ لا کر رکھا تھا اپنے کالج سے۔

نجیب:

کونسا ڈھانچہ ای جی؟

ہمارے سر پر لادے ہوئے ہیں۔ ڈیڑھ سال سے؟

اس لئے کہ جتنی چیزیں تم نے گنوائی ہیں سب بے جان ہیں۔ انہیں اگر ناپسند کرو تو ان کا دل نہیں ٹوٹتا۔ لیکن تمہارے ٹوٹو بھائی انسان ہیں۔ انہیں اگر تم لوگ ناپسند کرو گے تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔

اس بات سے یہ Logic نکلی کہ ہر انسان کو پسند کرنا ضروری ہے تاکہ اس کا دل نہ ٹوٹ جائے۔

(تالیاں بجاتے ہیں)

Hear Hear

اگر بحث کرو گے تو کتنی گھنٹے درکار ہوں گے اور مجھے کئی کام ہیں۔

ایک تو امی کے پاس یہ بہت اچھا بہانہ ہوتا ہے کہ مجھے کئی کام ہیں۔

Don't be rude Zahida.

ٹوٹو کا ہم پر حق ہے۔

کس قدر؟

کب تک؟ کتنی دیر تک؟

بس اسے B.Com کر لینے دو۔ واپس چلا جائے گا۔ چھ مہینے کی تو بات ہے۔

وہ جائیں اپنے دھونگل شریف اور زمینوں کی دیکھ بھل کریں۔ اپنے مرحوم

والد صاحب کا نام روشن کریں۔

وقت ہی کتنا رہ گیا ہے؟

یہ کہہ کہہ کر آپ نے تقریباً دو سال کر دیئے ہیں۔ امی مجھے پورا یقین ہے کہ

پھر آپ کہنے لگیں گی کہ اب اسے نوکری تلاش کر لینے دو۔ نوکری مل گئی تو پھر

آپ کہیں گی کہ اس کی تنخواہ کم ہے۔ جب تنخواہ بڑھ گئی تو آپ کہیں گی کہ

اب اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔۔۔۔۔ جب چھوٹے چھوٹے بچے جو ان

ہو گئے تو۔۔۔۔۔

نہیں نہیں بھئی اس قدر دیر تک نہیں۔ Believe me.

سارے خاندان میں ایک ہم ہی قربانی کے بکرے رہ گئے ہیں۔ اب انہیں بھیجے

تائی جان کے پاس آئے وال کا بھاؤ پتہ چلے۔

آج آخری بار بتائیے کی آپ کی ان سے رشتہ داری کیا ہے؟

زاہدہ:

میں بتاتی ہوں میں۔ ان کی والدہ یعنی ٹوٹو بھائی کی ماں جی امی کی پھوپھی کی بھابی کی بھانجی ہیں۔ نکال لیجئے آپ رشتہ بائی نو میل تھیورم کے ساتھ۔۔۔۔۔

امی:

رشتہ ہو یا نہ ہو۔ میں نے اس کی ماں سے وعدہ جو کر لیا تھا کہ میں اس کے بیٹے کو لکھا پڑھا کر واپس کروں گی گاؤں۔

جما نگیر:

مجھ سے بھی کوئی وعدہ کر لیجئے امی۔۔۔۔۔

(اس وقت غازی ٹوٹو بھائی کو پکڑ کر آتا ہے سب قہر بھری

نظروں سے ٹوٹو کو دیکھتے ہیں۔)

غازی:

نجیب بھائی نجیب بھائی ٹوٹو بھائی میرے پانچ روپے نہیں دیتے۔

(یکدم غازی کی نظر امی پر پڑتی ہے۔)

ٹوٹو:

آنٹی جی دیکھ لیں آپ جی۔۔۔۔۔ یہ مجھ سے پانچ روپے مانگ رہا ہے۔

امی:

ادھر آؤ غازی۔۔۔۔۔ کیا بات ہے؟

غازی:

وہ امی جی۔۔۔۔۔ وہ میں۔۔۔۔۔ کچھ نہیں امی جی۔۔۔۔۔ ٹوٹو بھائی کہتے تھے جی۔ امی جی بات یہ ہے۔

(کیمرو ٹوٹو پر مرکوز ہوتا ہے۔ تصویر فیڈ آؤٹ ہوتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 7

ان ڈور

رات

(نجیب کا کمرہ، ایک کونے میں وہی مردے کا ڈھانچہ پڑا ہے

سارے دروازے کھڑکیوں پر کالے پردے چڑھے ہیں۔ درمیان

میں پلانچٹ کا میز سجا ہے۔ عارفہ اکیلی پاس کھڑی ہے زاہدہ آتی

ہے۔)

زادہ: بس لا رہے ہیں ٹوٹو بھائی کو۔

عارفہ: کیسے مانے۔

زادہ: پون گھنٹہ بیٹھے Suggestion دیتے رہے کہ روحمیں آجاتی ہیں گلاس کے

اندر اور سچ بولتی ہیں۔

عارفہ: بس اب تو ٹوٹو بھائی کو Psychological Treatment دینا پڑے گا۔ محبت

کے ساتھ، دوستی کے ساتھ پھر یہ بھوت نکلے گا ہمارے گھر سے۔

زادہ: ایسے ایسے Suggestion دیجئے باقی کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے بھوت۔ اور

ساتھ ہی انہیں ہماری نیت پر شبہ بھی نہ ہو۔

عارفہ: اب تو Drastic Steps لینے پڑیں گے۔ ساری پالیسی تبدیل کرنا پڑے گی۔

ٹوٹو بھائی کے دوست بن کر گلا کاٹنا ہو گا۔

(اب نجیب اور جہانگیر درمیان میں ٹوٹو کو لئے آتے ہیں

نجیب اور جہانگیر نے بڑی محبت سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے

ہوئے ہیں۔)

جہانگیر: اے۔ بی۔ سی۔ ڈی۔ لکھ لیا زادہ۔

زادہ: بالکل تیار ہیں ہم لوگ۔

ٹوٹو: یار میرا تو اعتقاد نہیں ہے ان باتوں پر۔۔۔۔ دیکھو ناں۔۔۔۔

عارفہ: یعنی آپ کا مطلب ہے کہ روحمیں ہوتی ہی نہیں۔

ٹوٹو: ہوتی ہیں۔ لیکن انہیں کیا پڑا ہے کہ ایک چھوٹے سے گلاس کے اندر آجائیں

ہماری خاطر اور ہمارا حکم مانیں۔

نجیب: ٹوٹو بھائی چلے دو گھڑی کی تفریح ہی سی۔ روح نہ سمجھئے بھوت سمجھ لیجئے جو

زبردستی گھسا بیٹھا ہو اندر۔۔۔۔ انگلی رکھئے۔ گلاس پر۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ ٹوٹو

بھائی۔۔۔۔ Come on۔۔۔۔

(اب عارفہ ٹوٹو بھائی اور نجیب اپنی اپنی انگلی اٹھائے گلاس پر

رکھتے ہیں۔ زادہ اور جہانگیر جھک کر دیکھتے ہیں۔)

Any good soul travelling by kindly enter the glass and indicate

by moving it to pl; Yes.

(عارفہ دو تین مرتبہ بڑی سنجیدگی سے یہ بات کہتی ہے۔ اب

نگلاس چل کر Yes پر آتا ہے۔)

نجیب: پیاری روح کیا آپ گلاس میں ہیں؟

عارفہ: (نگلاس پھر Yes پر جاتا ہے۔ ٹوٹو کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔

پیاری روح کیا میں پاس ہو جاؤں گی؟

عارفہ: (نگلاس پھر چلتا ہے۔)

زادہ: پیاری روح کیا ٹوٹو بھائی B.Com میں پاس ہو جائیں گے۔؟

ٹوٹو: (نگلاس مڑ کر "No" پر جاتا ہے۔)

نو۔۔۔۔؟۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔ پیاری روح؟

عارفہ: (نگلاس جلدی جلدی حروف پر جاتا ہے عارفہ گلاس کی

Move کے ساتھ ساتھ پڑھتی ہے۔)

عارفہ:

He will not take your exams.

ٹوٹو: کیوں پیاری روح۔

ٹوٹو: (خاموشی)

ٹوٹو: میں امتحان کیوں نہ دے سکوں گا؟

عارفہ: d--e--a--d

زادہ: (نگلاس جلدی جلدی چلتا ہے۔)

کیا؟

عارفہ: D--E--A--D

(اب کیمرو ٹوٹو بھائی کے چہرے پر آتا ہے اسے ٹھنڈے پسینے

آ رہے ہیں۔ سب اسے تھک تھک کر تسلی دیتے ہیں ٹوٹو کی شکل

پر تصویر فیڈ آؤٹ ہوتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

گی؟

(ہاتھ دیکھتی ہے)

تھیل دکھائیے۔۔۔۔۔ آپ کے ہاتھ میں سن لائن ہے شرت ملے گی آپ کو اخباروں میں نام چھپے گا۔

زاہدہ:

میرا تو سیاسی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔

نوٹو:

زاہدہ:

لیجئے۔۔۔۔۔ مشہوری کوئی ایک طرح ملتی ہے؟ آرٹسٹ بن کر ادیب بن کر کھیلوں کا ریکارڈ قائم کر کے اور کچھ نہ ہو ٹوٹو بھائی تو قتل کر کے، خودکشی کر کے اس طرح بھی تو تصویر چھپتی ہے۔ آدی کی۔۔۔۔۔

نوٹو:

اچھا اچھا اور کیا ہے میرے ہاتھ میں۔۔۔۔۔

زاہدہ:

جلدی آپ یہ جگہ چھوڑ دیں گے۔۔۔۔۔ یہ دیکھئے Change of place میں۔۔۔۔۔ لیکن یہ جگہ چھوڑ کر میں کیسے جاسکتا ہوں۔ اس گھر کے سوائے اور میرا ٹھکانہ ہی کہاں ہو سکتا ہے۔

نوٹو:

گیا پتہ کوئی بہتری ہو جائے ٹوٹو بھائی سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے۔ یہ دیکھئے آپ کی Luck Line کتنی Strong ہو گئی ہے Change کے بعد۔

زاہدہ:

(دکھ سے) لیکن میں جاؤں گا کہاں؟

نوٹو:

(نہ سنتے ہوئے) ٹوٹو بھائی۔۔۔۔۔ یہ آپ کی لائف لائن ذرا ٹوٹی ہوئی ہے آپ اس پر Concentrate کیا کریں؟

زاہدہ:

کس پر؟

نوٹو:

رکشہ پر نہ سوار ہوا کریں کبھی بھی سٹیلا مندر سے بس لیا کریں پلیز۔۔۔۔۔

زاہدہ:

آپ سب کتنے اچھے ہیں۔ میرا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں

نوٹو:

کہ میں آپ کا احسان کیسے اتاروں گا۔

آپ کبھی کبھی ہمیں دھونکل شریف سے دیسی مرغیاں اور انڈے بھیج دیتا ٹوٹو

زاہدہ:

بھائی۔۔۔۔۔

دھونکل شریف؟ وہاں جا کر میں کیا کروں گا؟ میں کوئی کھیتی باڑی کا کام تھوڑی

نوٹو:

جانتا ہوں۔ وہاں میری گزر کیسے ہوگی۔

سیکھ لیں گے آپ دنوں میں ٹوٹو بھائی کھیتی باڑی کیا مشکل ہے۔

زاہدہ:

(امی کھڑکی میں سے)

(غازی لان میں غلیل کے ساتھ کھیل رہا ہے دوسری طرف سے ہاتھ پر ٹوٹو دوپٹہ اس طرح باندھے آتا ہے جیسے سر میں درد ہو۔ ساتھ ہی گلاس میں پانی سے گولی ٹکاتا ہے۔)

غازی:

ٹوٹو بھائی کیا بات ہے؟

نوٹو:

کچھ سر میں درد ہو رہا ہے غازی میاں رات چھروں نے سونے ہی نہیں دیا۔

غازی:

میں بتاؤں آپ کو ٹوٹو بھائی آپ گاؤں چلے جائیں وہاں کھلی ہو، صاف ستھری

جگہ۔۔۔۔۔ آپ کی صحت اچھی ہو جائے گی۔

یہی کچھ میں بھی سوچ رہا ہوں۔ شاید جانا ہی پڑ جائے۔

(امی کھڑکی میں سے جھانکتی ہیں۔)

غازی:

امی:

غازی:

امی:

دودھ پیو اندر آکر۔

منہ بتا کر اچھا جی۔

غازی:

(غازی اندر چلا جاتا ہے، دوسری طرف سے زاہدہ آتی ہے۔)

اس کے ہاتھ میں پٹی ہے۔ سی سی کرتی آتی ہے۔۔۔۔۔)

ٹوٹو بھائی ذرا پٹی باندھ دیجئے پلیز۔

کیا ہوا؟

کھیرا کٹ رہی تھی چھری لگ گئی۔ آپ کو کیا ہوا سر باندھے پھر رہے ہیں۔

(ٹوٹو پٹی باندھتا ہے۔)

بھاری بھاری سر ہے یوں لگتا ہے برا تر بوڑھ لیا ہے۔ گردن پر۔

ہائے ہاتھ دکھائیے۔

(ٹوٹو ہاتھ باہر کی طرف سے دکھاتا ہے۔)

جب میں چھوٹا تھا تو میرے ہاتھ بہت خوبصورت تھے اب آپ دیکھ کر کیا کریں

نوٹو:

- ای: زاہدہ! عارفہ:
- جی امی؟ عارفہ:
- ای: ذرا میری ساڑھی استری کر دینا پلیز سزنظای کی طرف جانا ہے مجھے۔
- زاہدہ: (منہ بنا کر) اچھا جی۔
- نوٹو: (زاہدہ چلی جاتی ہے نوٹو پر کیمرہ C-U میں آتا ہے۔)
- نوٹو: Change in Life؟ لائف لائن ٹوٹی ہوئی ہے۔۔۔۔۔ قتل کر کے۔۔۔۔۔
- خود کشی کر کے۔۔۔۔۔ رکشہ پر سوار نہ ہوا کریں نوٹو بھائی۔۔۔۔۔
- عارفہ: (اب عارفہ اندر سے آتی ہے۔)
- نوٹو: نوٹو بھائی آپ کا سن پیدائش کونسا ہے؟
- نوٹو: کیوں؟ ابھی تو میں نے کسی نوکری کے لئے Apply نہیں کیا۔
- عارفہ: نوٹو بھائی یہ دیکھئے میرے ہاتھ میں کیا ہے؟
- نوٹو: سر میں درد ہو رہا ہے اس کے یہ معنی تو نہیں کہ آنکھوں سے نظر آنا بند ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ کتاب ہے سیدھی سادی۔
- عارفہ: Numerology کی کتاب ہے نمبروں سے غیب کا علم ہو جاتا ہے بتائیے سن پیدائش۔
- نوٹو: چودہ مئی ۱۹۳۶ء
- عارفہ: (حساب لگاتے ہوئے) ۱۹۳۶ء کے تو ہو گئے ہیں نمبر۔ مئی کے ہوئے پانچ اور چودہ مئی کے ہوئے پانچ اب پانچ اور پانچ۔
- نوٹو: دس۔
- عارفہ: دس اور ہیں۔
- عارفہ: آپ کا نمبر ہے تین نوٹو بھائی۔
- نوٹو: نہ تین میں نہ تیرا میں۔
- عارفہ: (اب عارفہ کتاب کھول کر پڑھتی ہے۔)
- عارفہ: آپ اپنے گروپ کے لیڈر ہیں۔ آپ کی مسکراہٹ وہ کلام کرتی ہے جو دوسروں کی خدمت بھی نہیں کر سکتی ہے۔ آپ دراصل ایک پیدائشی آرٹسٹ ہیں۔
- نوٹو: آرٹسٹ۔۔۔۔۔ میں؟۔۔۔۔۔ آرٹسٹ؟

- آپ میں ایک گہرا احساس کتری ہے جو آپ کو ابھرنے نہیں دیتا۔ لیکن اگر آپ اپنی تعمیری قوتوں کو بروئے کار لاسکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ۔۔۔۔۔ بشرطیکہ؟۔۔۔۔۔ کیا بشرطیکہ؟
- عارفہ: آپ کے Horoscope میں دیکھوں گی نوٹو بھائی یہ نیومورولوجی Numerology کا علم تو یونی ہے۔
- نوٹو: تم مجھے دو کتاب عارفہ۔
- عارفہ: نہ نوٹو بھائی (کتاب پیچھے چھپا لیتی ہے۔)
- نوٹو: پلیز بتا دو عارفہ۔
- عارفہ: پہلے وعدہ کریں۔
- نوٹو: کیسا وعدہ؟
- عارفہ: آپ اثر قبول نہیں کریں گے اس کا۔
- نوٹو: وعدہ!
- عارفہ: نمبر تین کے لوگ عموماً تیس سال سے ستائیس سال کی عمر میں بڑے حساس زود رنج اور شکی ہوتے ہیں۔ ان پر چھوٹی چھوٹی باتوں کا اثر دیر تک رہتا ہے۔ انہیں چاہئے کہ کسی ایک ہی جگہ سال چھ مہینے سے زیادہ نہ رہیں ورنہ۔۔۔۔۔
- اچھا Never Mind
- نوٹو: کیا Never Mind
- عارفہ: کچھ نہیں ہی نوٹو بھائی۔
- نوٹو: پلیز بتا دو عارفہ۔
- عارفہ: دیکھئے نوٹو بھائی یہ ستارہ شناسی Horoscope وغیرہ بالکل فضول باتیں ہوتی ہیں۔ محض دل لگی اور تفریح کے لئے کوئی Serious اثر نہ لیں آپ اس سے۔
- نوٹو: ورنہ کیا عارفہ؟
- عارفہ: ایک ہی جگہ مستقل طور پر رہائش ان کے اعصاب پر برا اثر ڈالتی ہے بسا اوقات یہ لوگ چھوٹی سی بات پر۔۔۔۔۔ Oh Leave it۔
- نوٹو: بتاؤ عارفہ۔
- عارفہ: توجہ کریں۔

ٹوٹو: تمہیں قسم اللہ پاک تھی۔
عارفہ: قسمیں نہ دلائیں ٹوٹو بھائی۔۔۔۔۔ بسا اوقات یہ لوگ چھوٹی سی بات پر اپنی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ دراصل آپ کی Sensitivity کی طرف اشارہ ہے۔

ٹوٹو: ہوں۔۔۔۔۔ ہاں ہے تو۔
عارفہ: آپ گاؤں چلے جائیں ٹوٹو بھائی Much Better آپ کے لئے۔۔۔۔۔ کم از کم آپ کی Sensitive نیچر پر ایک ہی ماحول کی یکسانیت کا بوجھ تو نہ پڑے گا۔
ٹوٹو: میں بھی سوچ رہا ہوں۔ کچھ کچھ۔
عارفہ: آپ کی والدہ بھی خوش ہو جائیں گی اور یہ جو۔۔۔۔۔ یہ جو وہم سا پڑ گیا ہے آپ کو یہ بھی جاتا رہے گا۔
ٹوٹو: امتحان کی مشکل ہے عارفہ۔
عارفہ: امتحان کا کیا ہے ٹوٹو بھائی جان ہے تو جہاں ہے۔ امتحان پھر اگلے سال سی۔
(ٹوٹو کچھ سوچتا ہوا اندر جاتا ہے جمائگیر اور نجیب آتے ہیں۔)

سین 9

ان ڈور

دن

فیڈ آؤٹ

ای: (ٹوٹو سلمان پیک کر رہا ہے ای پانی کا گلاس لے کر آتی ہیں)
فیڈرہ گوند بھگوئی تھی تیرے لئے۔۔۔۔۔ لے پی لے گلاس انشاء اللہ سر درد نہیں ہوگا۔ گرمی کی وجہ ہے ساری۔
ٹوٹو: شکریہ آئی جی۔
ای: یہ۔۔۔۔۔ یہ سلمان۔۔۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے ٹوٹو
ٹوٹو: میں گاؤں جا رہا ہوں آئی جی۔
ای: مجھ سے پوچھے بغیر؟ مجھ سے صلاح کئے بغیر۔ کیا مزے سے کہہ دیا گاؤں جا رہا ہوں۔

ٹوٹو: بس جی۔۔۔۔۔ وہ۔

ای: اور بی کام کا امتحان تیرا باپ دے گا یہاں آکر۔

ٹوٹو: امتحان کا کیا فائدہ آئی جی؟

ای: اتنے سال کی محنت کے بعد تو مجھ سے پوچھتا ہے امتحان کا کیا فائدہ۔ کھول دے سلمان اور اطمینان سے بیٹھ کتابیں کھول کر۔

نجیب: Any Success
عارفہ: موٹھ کی دال کا کوکڑو ہیں ٹوٹو بھائی بھی۔۔۔۔۔
جمائگیر: کیا کیا Suggestions دیئے تم نے۔
عارفہ: میں تو ہر قدم پر ان کو یہ Suggestions دیتی ہوں کہ وہ چلے جائیں دھونکل شریف ورنہ ان کے لئے خطرہ ہے جان کا۔
جمائگیر: جان کا خطرہ؟ یا۔ This is too much.
عارفہ: اس سے کم میں تو وہ جانے کے لئے۔۔۔۔۔ کبھی تیار نہ ہوں گے۔
Psychological Shock بہت بڑا ہونا چاہئے۔
(کھڑکی کھول کر ای)

ای: عارفہ؟

عارفہ: جی ای جی۔

ای: کیا کہا تھا میں نے؟

عارفہ: جی ای؟

ای: سلاو بنا دیا تھا؟

نوٹو: وہ جی اماں۔۔۔۔ دراصل ماں کی۔۔۔۔ میں آنٹی جی امی کے پاس جانا چاہتا ہوں۔
 امی: لاکھ کھلاؤ پلاؤ لاکھ دیکھ بھال کرو پرائے پوت کبھی اپنے بنے ہیں تیری ماں سے
 میرا کوئی رشتہ ایسا نہ تھا نثار جو قابل ذکر ہوتا۔ پر میں نے دوستی رشتہ داری جو
 کچھ بھی سمجھ لے خوب نبھائی۔ تم لوگ ہی حرام کرتے ہو ہر محبت کو ساری
 سیوا کو۔۔۔۔

نوٹو: آنٹی جی بات یہ نہیں ہے میں یہاں۔۔۔۔ دراصل پتہ نہیں مجھ پر ایک خوف
 ساطاری ہو گیا ہے کہ ابھی کچھ ہو جائے گا۔ ابھی کچھ ہونے والا ہے۔
 امی: مت دیکھا کرو فلمیں۔۔۔۔ مت بیٹھا کرو ٹیلی ویژن کے آگے انگریزی پوسٹری
 اور غزلوں کا مطالعہ بند کر دو سب ٹھیک ہو جائے گا۔
 نوٹو: مجھے آنٹی جی۔۔۔۔ دراصل۔۔۔۔ میری صحت ٹھیک نہیں۔
 امی: تمہیں کچھ نہیں ہے نثار۔۔۔۔ صرف تم امتحان سے جی چرا رہے ہو محنت سے
 جان جاتی ہے تمہاری۔

نوٹو: نہیں آنٹی جی یہ بات نہیں ہے۔
 امی: یہی بات ہے اور کیا بات ہے؟
 نوٹو: شاید میں یہاں سے چلا جاؤں تو بچ جاؤں۔۔۔۔ نہیں تو بڑا خطرہ ہے۔
 امی: یہاں سے تم جیتے جی تو جا نہیں سکتے نوٹو۔۔۔۔ تمہیں امتحان دینا پڑے گا۔
 نوکری تلاش کرنا ہوگی میں تمہیں نامکمل تعلیم کے ساتھ گاؤں جانے نہیں دوں
 گی۔۔۔۔ میرے جیتے جی تمہارے جیتے جی یہ ناممکن ہے کہ تم یہ گھر چھوڑ جاؤ بی
 کام کئے بغیر۔
 نوٹو: لیکن آنٹی جی۔

امی: تمہاری ہر فرمائش میں نے پوری کی۔۔۔۔ میری یہ چھوٹی سی بات تم پوری
 نہیں کر سکتے۔۔۔۔ خاندان کے لوگ کیا کہیں گے کہ چلی تھی نیکی کرنے۔
 نوٹو: میں آنٹی۔۔۔۔ کیسے بتاؤں۔

امی: تمہیں جان پر کھیل جانا پڑے نوٹو لیکن یہاں رہو۔۔۔۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے
 اور اب یہ قہیرہ گوند پیو اور کتابیں کھولو۔ خیردار جو آخری سوئی نکالنے سے
 پہلے بھاگے یہاں سے یہ میری عزت کا سوال ہے۔۔۔۔ میں کو بٹنا نہیں چاہتی۔
 (امی گلاس نوٹو کو پکڑاتی ہے اور کمرے سے باہر نکلتی ہے۔)

دروازہ بند کرتی ہے۔ نوٹو گلاس ہاتھ میں تھامے وہی فقرے
 دہرانے لگتا ہے۔ کیمرو اس کو چھوڑ کر کمرے کی دیواروں کا جائزہ
 لیتا ہے۔ اچانک پستول چلنے کی آواز آتی ہے۔ گلاس کے زمین پر
 گر کر چکنا چور ہونے کا چھٹکا ہوتا ہے۔ امی بھاگ کر اندر کمرے
 میں آتی ہے اور نوٹو کے بستر کی طرف رش کرتی ہے۔)

نوٹو: بغاوت۔۔۔۔ Revolution

Revolution abides in the heart of man. Molestation, molestation
 of the weaker party is cowardice Isolate. Isolate me from the tranny of
 man kind.

(ایک ایک کر کے سارے بچے اندر داخل ہوتے ہیں۔)

سب: کیا ہوا امی۔۔۔۔ کیا ہوا۔

عارف زاہدہ: نوٹو بھائی؟

غازی: یہ پستول کہاں سے ملی انیس؟

نجیب: (نبض پکڑ کر دیکھتا ہے)

جہانگیر: I told you, I told you, we took the joke too for.

عارف: ہوا کیا امی۔

امی: میں نے نوٹو کو مار دیا۔۔۔۔ اچھا بھلا گاؤں جا رہا تھا بیچارہ۔۔۔۔ چلا جاتا زندہ تو

رہتا۔۔۔۔ میں نے کہہ دیا میں جیتے جی تجھے نہیں جانے دوں گی۔۔۔۔ مر کر چلا

گیا بیچارہ۔۔۔۔ اللہ میں نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں اس سے؟ (بچوں سے) تم

سب کتنے اچھے ہو۔۔۔۔ تم سب تنگ کرتے تھے اسے چھیڑتے تھے لیکن اسے

مارنا تو نہیں چاہتے تھے۔۔۔۔ میں نے تو اسے اپنے ہاتھوں مار دیا محبت کے

مارے۔۔۔۔ بہتری کے مارے خاندان میں نیک نامی کے مارے۔ تم سب کتنے

اچھے ہو۔۔۔۔ کتنے بہتر ہو مجھ سے۔۔۔۔ کتنے اچھے ہو تم سب۔۔۔۔ کتنے بہتر ہو

مجھ سے۔۔۔۔ مذاق ہی کرتے تھے ناں بے ضرر سے۔۔۔۔ کتنے اچھے ہو تم

سب۔۔۔۔ کاش میں تمہاری طرح ہوتی۔۔۔۔ اس سے مذاق کرتی لیکن اس پر

خفتی نہ کرتی۔۔۔۔ خفتی نہ کرتی، خفتی نہ کرتی۔

(امی پھوٹ پھوٹ کر روتی ہے باقی سب کے چہروں پر)

Guilt کے آثار آتے ہیں۔)
فیڈ آؤٹ

ہیرامن

(جاوید کا گاتا)

رونے والے رو مت پیارے کوئی نہ آنسو پونچھے گا
پتھر دل دنیا میں کوئی تیرے لئے نہ سوچے گا
پھینک پیاز اور چھوڑ دے چاقو بن جا اس دنیا میں ہلاکو!

سین ۱

ان دور

دن

کردار:

- ◆ راشد
- ◆ گلبانگ
- ◆ جاوید
- ◆ عذرا
- ◆ سلمان
- ◆ سانپ
- ◆ تاج بی بی

(راشد، جاوید اور سلمان - باورچی خانہ۔۔۔۔۔ اس وقت تینوں
پر بڑے عذاب کا وقت کٹ رہا ہے سلمان پیاز کاٹ رہا ہے اور اس
کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں جاوید تیل کا چولہا جلا رہا ہے
اور راشد آٹا گوندھنے میں مشغول ہے۔ باورچی خانے کی دیوار پر
بڑے حرف میں لکھا ہے۔ ”تھری کلنڈر کمپنی میں“

ناشتہ	صبح سات بجے	ڈیوٹی سلمان اسٹنٹ راشد
دوپہر کا کھانا	دن کو ڈیڑھ بجے	ڈیوٹی جاوید اسٹنٹ سلمان
رات کا کھانا	رات کو نو بجے	ڈیوٹی راشد اسٹنٹ جاوید
شام کو چائے	شام چار بجے	ڈیوٹی سلمان اسٹنٹ راشد

(گاتا ہے) جاوید:

رونے والے رو مت پیارے کوئی نہ آنسو پونچھے گا
پتھر دل دنیا میں کوئی تیرے لئے نہ سوچے گا
پھینک پیاز اور چھوڑ دے چاقو بن جا اس دنیا میں ہلاکو!
سلمان: ایک میں پیاز کاٹ رہا ہوں۔ ایک تم گیت گا گا کر میرا دل ٹکڑے کر رہے ہو۔
میری قسمت ہی ایسی ہے۔
جاوید: قسمت تو خیر تمہاری فٹ کلاس ہے تھرڈ کلاس بی اے تخلص بک ڈپو میں

نو کری مل گئی جعلی درسی کتابیں بیچنے کی اور کیا چاہئے تمہیں۔

سلمان :

میری ماں چاہتی تھی کہ میں کوئی بڑا افسر بنتا۔

راشد :

ماں ہر ایک آدمی کی تھوڑی تھوڑی پاگل ہوا کرتی ہے۔ اگر ماں کی آنکھوں پر پٹی نہ بندھی ہو کرے تو آدمی مائیں تو اپنے بچے چھوڑ کر بھاگ جائیں۔

جاوید :

جلدی جلدی کرو۔ گیارہ بج گئے ہیں میری ڈیوٹی کا ریکارڈ خراب ہوتا ہے۔ لُج وقت پر ملنا چاہئے۔

سلمان :

خود تو چولہے میں ماچیس دکھاتے ہو اور مشکل کام سارا مجھ کو کرنا پڑتا ہے۔

(آرام سے دیکھی چولہے پر رکھتا ہے اور اپنے مکالے کے

بعد زانو کے گرد گنگھی ڈال کر سوچ میں مگن ہو جاتا ہے۔)

جاوید :

پیاز کاٹنی مشکل کام ہے؟ آٹا گوندھنا مشکل کام ہے؟ یار ہماری قوم کا کیا ہے گا۔ اتنے چھوٹے چھوٹے کام تو ہم سے ہوتے نہیں ہم کب ہوائی جہاز بنائیں گے۔ کب ہمارا راکٹ چاند پر پہنچے گا؟ کب ہم تیل دریافت کریں گے جلدی پیاز لاؤ دیکھی لال ہو رہی ہے۔

راشد :

کاش ان چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے کوئی ملازم مل جاتا تو میں بڑے بڑے کاموں کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتا۔

سلمان :

اچھا بھلا تھا عنایت۔ تم اگر اسے ڈرائی کلینر کے کم چکر لگواتے تو نکارہتا ہمارے پاس راشد قلندر۔

راشد :

عنایت گیا آپ کے ہاتھوں۔ نصیر گیا جاوید کی وجہ سے میں تو سب سے بھائی چارے کے اصول پر چلتا تھا۔

سلمان :

میرے ہاتھوں گیا عنایت۔

راشد :

گھٹنے کس کے دکھتے ہیں ماش کروانے کا مجھ کو شوق ہے کہ تمہیں۔

سلمان :

میں اسے علیحدہ شپ کیا کرتا تھا اس خدمت کے لئے۔

راشد :

اور اگر یہ جاوید کا بچہ ہر تیسرے دن اپنے چچا جان کے گھر نصیر کو نہ بھیجا کرتا تو وہ نکارہتا آرام سے اس کی چچی جان تو تر پھلا پھلایا کرتی تھیں نصیر سے۔

سلمان :

سن رہے ہو۔ Head Cook کیا کتا ہے راشد؟

کیا سوچ رہے ہو؟

جاوید :

یار میں سوچ رہا تھا باہر کے متعلق۔

باہر کے متعلق؟

راشد :

جاوید :

پانچویں سے لے کر اب ایم اے تک یہی پڑھتا آ رہا ہوں کہ باہر دو آدمیوں کو بغلوں میں دبا کر قلعے کی فصیل پر دوڑا کرتا تھا کبھی ان دو آدمیوں کی شکل نظر کے آگے گھومی ہے۔ جو دیدہ شاہی کی وجہ سے گردن دہانے پر مجبور تھے یار ذرا Imagine کرو اگر ان میں کوئی بھی بغل سے پھسل کر گر جاتا قلعے کی فصیل سے دھڑ دھڑ دھڑام ساٹھ فٹ نیچے۔

(سلمان دیکھی میں پیاز ڈالتا ہے جاوید کفگیر میں گھی ڈال کر

بھوننے لگتا ہے۔)

راشد :

تم بھی خاص قسم کے Paranoia کے مریض ہو بادشاہوں کی باتیں کر کے خوش ہوتے ہو۔

سلمان :

مان لیا تم ایم اے سائیکولوجی کر رہے ہو لیکن ہر ایک بات کے بچنے ادھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ (جاوید ہنستا ہے اور ہنسنے جاتا ہے)

راشد :

یہ ہنسی کیوں آنے لگی تمہیں۔

جاوید :

سوچ رہا تھا عدل جہانگیر کے متعلق۔

راشد :

اپنی سوچ کی کھڑکی بند کرو۔ اور کفگیر ہلاؤ دیکھی میں تین بیجے تک کھانا نہیں ملے گا۔

جاوید :

اگر کبھی جہانگیر کی زنجیر عدل ٹوٹ کر فریادی پر گر جاتی اور وہ وہیں جاں بحق ہو جاتا تو اس کے وارث آکر کونسی زنجیر کھینچتے؟ ذرا سوچو برادران قہری قلندر کہنی یہ بات بڑی غور طلب ہے۔

(تینوں سوچ کے انداز میں چلے جاتے ہیں اس وقت عذرا

گھبانگ کو لے کر آتی ہے۔ یہ ہزارے کا رہنے والا ہے۔ اور ملیشیا کا

سوٹ پہنے ہوئے ہے۔ تینوں سنبھل جاتے ہیں۔)

عذرا :

میں آ جاؤں۔

سلمان، راشد :

آئیے آئیے السلام علیکم

عذرا، جاوید :

وعلیکم السلام

عذرا :

میں آپ کے لئے ملازم لائی تھی گھبانگ سلام کرو۔

گھبانگ :

السلام علیکم۔ جی

جاوید: خیر سے آپ جو بھی شر کا ناکارہ ملازم لاتی ہیں وہ ہمارے پاس چھتیں گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹھہراتا۔

عذرا: آپ آنا رہنے دیں راشد بھائی یہ خود گوندھ لے گا۔

گلابنگ: آٹھا تو اللہ قسم بی بی جی ہم نے کبھی نہیں گوندھا۔

عذرا: (لجابت سے)

He will learn dont worry.

جاوید:

He will learn to smoke Lift up things and visit cinema house thats

all they learn.

(عذرا، جاوید کے ہاتھ سے کفگیر لے کر ہانڈی دیکھتی ہے

جاوید سگریٹ سلگاتا ہے۔)

راشد: یار کوئی بات نہیں۔ میں نے پیڑے کر دیئے ہیں، سنو یار گلابنگ یہ پاس ہی

تندور ہے بجلی کے کھمبے کے پاس دائیں ہاتھ جاکر ذرا روٹیاں لگوا لاؤ یہ لو چار

آنے اور جلدی آتا۔

گلابنگ: ہم نیا آدمی ہے جی رستوں کو اچھی طرح علم نہیں ہے ہم کو۔

جاوید: جاؤ سلمان اسے تندور دکھاؤ۔

سلمان: یہ میری ڈیوٹی میں شامل نہیں۔

جاوید: ہو جائے گا۔ شامل

راشد: (پاس آکر گلابنگ کے سر پر ہات رکھتا ہے ساتھ ہی گاتا ہے۔)

گوش منت کش گلابنگ تسلی نہ ہوا

(عذرا ہنستی ہے، منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے)

فیڈ آؤٹ

سین 2

ان ڈور

دن

اوقات نیند

Excluding Sunday

(تھری کلنڈر کمپنی کا) بیڈ روم دیوار پر بڑا سا کارڈ لگا ہے جس پر لکھا ہے تھری کلنڈر کمپنی شہستان

دو سے چار بجے شام
رات دس بجے سے صبح سات بجے
تک

پانی میں برف ملا کر لاؤ جاوید صاحب ہمارا حلق سوکھ رہا ہے بخار سے۔ تم نکلے کا پانی لے آیا۔ (اس وقت سلمان اور راشد بستر بنا رہے ہیں دونوں کے ہاتھ میں چادر ہے جب سلمان چادر بھاڑتا ہے۔۔۔ تو راشد اسے بچھاتا ہے جب سلمان بچھانے لگتا ہے تو راشد بھاڑنا شروع کر دیتا ہے گلابنگ پلنگ پر دراز ہے اور جاوید اسے کندھا دیئے دوا پلا رہا ہے۔)

بڑا گرمی ہے آپ کے ملک میں، ادھر ہمارا طرف کلابھٹ

میں تو ٹھنڈی ہوائیں چلتا ہے سارا وقت۔

یار گلابنگ تھرموس تو تم سے کل ٹوٹ گئی تھی برف نہیں ہے گھر پر۔

Dont, dont, dont.

کیا؟

اگر تم نے اسے accuse کیا تو یہ he will go away

(پاس آکر آہستہ) تو بھاگ جائے۔ جب سے یہ آیا ہے کون سا کام کیا ہے اس

نے۔ الٹا ہماری ڈیوٹیوں میں اضافہ کر دیا ہے۔

سلمان صاحب جی۔

کیا ہے گلابنگ۔

خدا قسم ہم کو شرم آتا ہے۔

نہیں نہیں کمو۔

جو تکلیف نہ ہو برا نہ لگے آپ کو ذرا میرا سر دیا دینا جی۔

(سلمان چپ چاپ لہو کا گھونٹ پی کر سرد پانی میں مصروف

ہوتا ہے۔) اتنا درد ہے ایسا جو ہم بتا نہیں سکتا۔ آپ کو۔

Retribution

راشد:

تم ذرا اپنی انگریزی کم بولا کرو۔ نفسیات میں بھیگی ہوئی۔

سلمان:

سلمان قلندر صاحب بدلہ۔۔۔۔۔ اولے کا بدلہ، یاد کیجئے کتنی مٹھی چابی کروائی تھی

راشد:

آپ نے عنایت سے۔ یاد کیجئے۔ Remember?

گلابنگ:

ادھر ہم پیاس سے مر رہا ہے ادھر جاوید صاحب تم کو سگریٹ کا پڑا ہے۔ یا کچھ

جاوید:

تم کو خدا خونی نہیں ہے۔ بالکل بھی۔

گلابنگ:

مجھے برف لانے کے لئے جانا پڑے گا گلابنگ یا راتنی گرمی میں۔

تو جاؤ نا پایا۔ ہم ٹکڑا ہو جائے گا۔ تو ساری خدمت کرے گا آپ کی۔

جاوید:

This is the limit.

راشد:

(پاس آکر) سنو جاوید یا۔ وقت کچھ اور طرح کا جا رہا ہے۔

Human beings are waking up all over the world.

سانا مار کراب انہیں جانوروں کی طرح آگے نہیں لگا سکتے۔

اب tacties کام آتے ہیں۔

Equal rights justice fair play. مانگتے ہیں۔

These poor people. انہیں اب محبت عنایات اور شفقت

کی زنجیر سے پاندھنا پڑے گا۔ go go good boy (جاوید منہ بنا

کریڈل خواستہ جاتا ہے)

(ارشد ساگودانہ پیالے میں ڈال کر پاس آتا ہے)

گلابنگ:

میرا ساگودانہ تیار ہو گیا ارشد صاحب؟ بھوکہ بہت لگا ہے۔

سلمان:

یار گلابنگ وہ جو تھیں بک ڈپو کا مالک ہے نا ہمارا وہ ذرا سخت آدمی ہے اگر تم

اجازت دو تو میں دکن پر چلا جاؤں اب۔

گلابنگ:

آپ نوکری چھوڑ دے صاحب جی۔ اپنے جیسا کوئی شریف آدمی تلاش کریں۔

نوکری کریں، غلامی مت کریں جی۔ (راشد پاس آتا ہے۔

Puts on a Smile کے ساتھ ساگودانہ کھلاتا ہے)

سلمان:

وہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے۔ لیکن اس پر عمل بھی صرف تم ہی کر سکتے ہو۔

اب جب تمہارا بخار اترے گا تم بھی کوئی شریف آدمی تلاش کرنا۔ ہم لوگ تو

درمیانے درجے کے آدمی ہیں۔ نہ شریف نہ غنڈے۔ انٹر کلاس میں سفر کرنے والے۔

(ارشد سلمان کو گھورتا ہے)

دال کو چچی سے کھانے والے، تھری پیس سوٹ پہن کر

رکشہ میں میر کرنے والے۔

(ارشد ساگودانہ کھلا رہا ہے سلمان دبا رہا ہے منظر فیڈ آؤٹ

ہوتا ہے۔)

راشد:

dont, dont, dont.

he will run away.

فیڈ آؤٹ

سین 3

ان ڈور

صبح کا وقت

(آ آگن۔۔۔۔۔ جاوید اس وقت بالٹی میں سے کپڑے نچوڑ کر

تار پر ڈال رہا ہے ساتھ ساتھ گا رہا ہے۔)

جب سے ملی تیرے در کی خاک۔

جاوید:

چندن کا لگانا چھوڑ دیا۔۔۔۔۔ چھوڑ دیا۔۔۔۔۔ چھوڑ دیا۔

(اس وقت عذرا آتی ہے اس کے ساتھ تاج بی بی ہے۔)

کتنے پیسے فی کپڑا جاوید صاحب؟

عذرا:

ہو از شی؟

جاوید:

سلام علیکم صاحب جی۔

تاج:

وعلیکم السلام۔

جاوید:

تاج بی بی ذرا کپڑے ڈال دو تار پر۔

عذرا:

نورجہاں، چاند بی بی، رضیہ سلطانہ کے پائے کی باتیں کیا کریں۔
کریں گے امتحان کے بعد۔

(تاج بی بی پاس آتی ہے)

جی آپا جی؟

دیکھو تاج بی بی میں نے صاحب کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ تنخواہ بھی بتا دی ہے۔ یہ بھی بتا دیا ہے کہ تم تھوڑا سا تمباکو کھاتی ہو۔ اور کوئی بری عادت تمہیں نہیں ہے۔

تمباکو؟

(پاس زمین پر بیٹھتے ہوئے) وہ بات بھی بتا دی ہے آپا جی۔

وہ بات؟ کوئی بات؟

صاحب جی میں بھادوں کے مہینے میں چڑھے چاند پر دس دن کی چھٹی ضرور کروں گی۔

یہ بھادوں کے مہینے اور چڑھے چاند کی شرط کیوں ہے بی بی۔

سارا سال میں آپ کی خلوم۔ جھاڑو ہمارو۔ ہانڈی روٹی، کپڑے پڑے۔ سب کام میں کروں گی۔ گھر کی طرح ساری خدمت کروں گی۔ پر دس دن کی چھٹی میری پکی ہے۔ بھادوں کے مہینے میں صاحب جی چڑھے چاند پر۔

Its a great rigmarole. She says that a snake bites her every year.

پردہ کوئی نہیں ہے آپا جی۔ سیدھی بات کی، نہ انہیں تکلیف نہ مجھے۔ صاحب جی میں بڑی دکھیاری عورت ہوں دکھوں نے میری کمر دوہری کر دی ہے۔ میرا مالک بیچارہ بڑا اچھا آدمی تھا۔

تاج بی بی لمبی بات نہ کرنا۔ (گھڑی دیکھ کر) میری کلاس ہے پورے آدھے گھنٹے بعد۔

بھئی کسی طرح تو آرام سے آدھ گھنٹہ یہاں بھی رک جاؤ۔

(عذرا گردن کاٹ دینے کا اشارہ کرتی ہے۔)

امی کا پتہ ہے کچھ؟

اب جو کسی سے اپنا رنڈی رونا لے کر بیٹھ جاؤ میب جی تو وہ کیا میرے دل پر

(تاج کپڑے تار پر ڈالتی ہے)

بسم اللہ جی۔۔۔۔ میں تو سارا کام کر دوں جی پلک جھپکتے میں۔ کوئی تکلیف نہیں ہوگی صاحب جی میرے ہوتے ہوئے۔

(جاوید اور عذرا دونوں کمرے کے سامنے آجاتے ہیں پیچھے)

بی بی کپڑے تار پر ڈالتی رہتی ہے۔)

اب یہ کون سے بلغ کی مولیٰ پکڑ لائی ہو۔

ایک آپ کے لئے ملازم گھر گھار کر لاؤ۔ ایک باتیں سنو۔

یہ گھبانگ کی بھی ثانی نکلے گی۔ اس نے بھی خاک تسلی نہیں کی ہماری۔

آپ کو رکھنا ہی نہیں آیا نوکر۔ پیچارے کا دل تو لگ جانے دیا ہوتا۔

میرے امتحان ہیں فائنل کے اس جولائی میں

For your kind information اور اگر بد قسمتی سے لیل ہو گیا تو آپ

کے والد صاحب وہ نہیں کریں گے جو ہم چاہتے ہیں۔

تو آپ کیا چاہتے ہیں۔

آپ ہماری منگیتری رہ جائیں گی لیل ہونے پر۔

توبہ، ایک تو آپ لاڈلے بہت ہیں۔

اس عورت کو آپ ساتھ ہی لے جائیں۔۔۔۔ ہمیں Self help کی عادت

ہو گئی ہے۔

آپ یہ عورتوں والے کام کرتے رہے تو پڑھائی کیسے ہوگی؟ اور۔۔۔۔ پڑھائی نہ

ہوئی تو لیل ہونا یقینی ہے۔

یہ بات ہے۔۔۔۔ پھر تو چھوڑ جاؤ اسے۔۔۔۔ پر کہیں برف نہ منگوا لیا کرے مجھ

سے۔

ہائے اللہ ایسی نہیں ہے تاج بی بی۔ (آواز دے کر) آپ اس سے کام کروائیں

میں کل آؤں گی۔ عورت اچھی ہے۔

اس طرح مت آیا کرو۔

کس طرح؟

یہی عید کے چاند کی طرح۔۔۔۔ لہ دو لہ کے لئے۔

توبہ بڑی تھکی پئی مثالیں آتی ہیں۔ آپ سارا دن تاریخ پڑھتے ہیں۔ کوئی

مرہم رکھ دے گا۔ پر کملا تھا بہت اچھا۔ ہمارے لوگوں میں عادت ہوتی ہے جی۔
ساری غیر یہی کاغصہ عورت کو مار پیٹ کر نکالتے ہیں۔ پر اس اللہ کے بندے
نے کھڑیاں کاٹیں مزدوریاں کیں۔ کوئلے پنے لائوں پر سے پر جی مجھے کبھی کچھ
نہیں کہا۔

ہوا کیا تھا کمالے کو؟

عذرا:

کچھ پتہ نہیں لگا آپا جی رکھ ہے ہمارے گاؤں کے پاس رکھ نوریاں والا۔ وہاں
لکڑیاں کاٹنے گیا تھا چڑھے چاند پر پھر لوٹ کر نہیں آیا۔

تاج:

کوئی تلاش کرنے نہیں گیا تمہارے خاندان کا۔

عذرا:

سب گئے آپا جی پر اتنا گھپ اندھیرا ہوتا ہے ادھر جنگل میں دن کا چانا بھی اندر
نہیں جاتا۔ روہیں پھرتی ہیں، دن کے وقت سانپ بادشاہ درختوں سے لپٹے
رہتے ہیں۔

تاج:

اور وہ جو تم کہتی تھیں کہ سانپ لڑ جاتا ہے تمہیں۔

عذرا:

ہاں جی لڑتا ہے ہر بھادوں کو چڑھے چاند پر۔۔۔۔۔ پھر میں بیہوش ہو جاتی ہوں۔
پھر وہ خالم آ جاتا ہے کاٹنے کو۔ سارے ہڈی پر درد سے بھر جاتے ہیں دس دن
کے لئے۔ کوئی کہتا ہے کہ سانپ نہیں شناسی ہے۔ کوئی کسی بزرگ کی روح
بتاتا ہے۔ بڑے دھاگے تعویذ کئے ہیں میں نے۔۔۔۔۔ پھر تیسرے دن پھر کاٹتا ہے
آپا جی۔

تاج:

ہمیشہ بھادوں میں آتا ہے۔

جاوید:

ہاں جی۔۔۔۔۔ اس کی مرضی۔

تاج:

(دونوں ایک طرف چلتے جاتے ہیں)

These illiterate people they beleive such stories.

عذرا:

اور جو کہیں وہ سانپ بادشاہ اس کی تلاش میں ادھر آنکلا عذرا جان تو۔۔۔۔۔ اور
کاٹ کھایا جناب کے خادم کو تو؟ اور مر گیا شیرا قلن کی طرح نو عمری میں بیچارہ
جاوید تو؟

جاوید:

(عذرا منہ پر جلدی سے ہاتھ رکھتی ہے)

ہائے کتنا شوق ہے Pity حاصل کرنے کا۔ آپ اسے بھادوں کی پہلی تاریخ سے
چھٹی کر دینا بابا۔۔۔۔۔

عذرا:

فیڈ آؤٹ

سین 4

ان ڈور

دوپہر

(رات کا وقت ہے سلمان اور راشد اپنے اپنے پلنگوں پر لیٹے
مزے سے سو رہے ہیں تاج بی بی دروازے کی دہلیز میں آگے کو
ٹانگیں بڑھائے دروازہ کھولے چوکھٹ سے سر لگائے راہ روکے
بیٹھی ہے۔ نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہیں۔ ایک دو بار نیند
کے بوجھ سے اونگھ جاتی ہے۔ جاوید آتا ہے تاج بی بی کے گھٹنوں
سے جوتے ہاتھ میں لئے الاٹک کر اندر جاتا ہے۔ جو نی وہ دونوں
قدم اندر رکھتا ہے پیچھے سے تاج بی بی اسے بو شرت سے پکڑ لیتی
ہے۔)

ایک چور دوسرے چڑ۔ کیا سمجھتا ہے آنکھیں بند ہوں تو آدمی مر جاتا ہے۔
آہستہ بول بی بی۔ دیکھتی نہیں سو رہے ہیں راشد اور سلمان۔
اور میں جو جاگ رہی ہوں خصم نوں کھائی، کرماں پٹی، بد بخت کالے منہ والی۔
تیری مرضی ہے۔

تاج:

جاوید:

تاج:

جاوید:

تاج:

ٹھیک ہے میری مرضی ہے۔۔۔۔۔ کملا مر گیا اکیلا چھوڑ گیا مجھے دھکے کھانے کو
میری مرضی۔۔۔۔۔ تین ہمیش تھیں سب ساگ بھاگ اجاڑے بیٹھی ہیں میری
مرضی۔ اولاد نہ ہوئی کوئی، میری مرضی۔۔۔۔۔ تیرے جیسا مالک مل گیا راتوں کو
جگانے والا میری مرضی۔ (آسمان کو دیکھ کر ظلم۔۔۔۔۔ دے دکھ۔۔۔۔۔ لڑا ہر
سال سانپ۔۔۔۔۔ توڑ دے کر تاج کی۔ کون پوچھ سکتا ہے تجھے۔۔۔۔۔)

(محبت سے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑی گرم مزاج ہے تو بی بی یونیورسٹی میں دیر
ہو گئی ذرا سی اور تو۔)

جاوید:

ذرا سی۔۔۔۔۔ یہ ذرا سی ہے ایک کا گھر تو بچ گیا کبھی کا۔ کاکا مجھے تو پہلے ہی زندگی

تاج:

نے اودھ موا کر دیا ہے۔ تو کیوں مجھے مارنے لگا ہے۔۔۔۔۔
تو سمجھے بھی۔

جاوید:

تاج:

کیا سمجھوں ہیریا۔ جھکڑ چلتا ہے رکشا موٹروں کا۔ کار والے اپنے سوا کسی کو اللہ کی مخلوق ہی نہیں سمجھتے۔ تجھے کیا پتہ کتنے وہم گھیرتے ہیں گھر میں بیٹھے والیوں کو۔۔۔۔۔ (آنسو پونچھتی ہے) ہر وقت لگتا ہے اب تو محسوس ہو گیا ہو گا جو نہیں آیا؟۔۔۔۔۔ اب تو ہسپتال کے برآمدے میں پڑا ہو گا جو ایک بچ گیا۔ کون جانے کس فٹ پاتھ پر پڑا ہے؟ ایک شرانا بڑا۔۔۔۔۔ دوسرے تم تینوں بچے اسنے پتھر دل۔ مائی بچاری کتنے دن بیٹھی روتی رہے گی۔ مرجائے گی کسی دن بدبخت۔ (ہاتھ بڑھاتا ہے) جو سزا چاہے دے لے۔۔۔۔۔ جو وعدہ کرتا ہے کروالے۔ پر یہ تو روتی تو نہ جابی لی۔

جاوید:

تاج:

اول تو سورج کے ڈوبتے ہی گھر آیا کرو تم تینوں، جو توفیق نہ ہو تو پھر بتا کر جایا کرو کہ مدرسے سے کب لوٹو گے؟
سلمان نہیں بتا سکے گا۔

جاوید:

تاج:

کیوں؟
کیونکہ وہ مدرسے نہیں مخلص بک ڈپو جاتا ہے۔۔۔۔۔ اور کیا (مسکرا کر) چل بیٹا کھانا کھالے میں نے پھلیاں پکائی ہیں تیرے لئے آ۔۔۔۔۔ باہر کی روٹی مت کھایا کرو۔ مسالے بہت ہوتے ہیں گوشت باقی ہوتا ہے چل آ۔۔۔۔۔ کھڑا کیوں ہے؟

جاوید:

تاج:

کٹ

سین 5

ان ڈور

شام

دوسرے کو Cross کرتے ہیں۔ دوبار یوں چلنے کے بعد جب ارشد اور جاوید ایک دوسرے کے پاس آتے ہیں تو یکدم ارشد کہتا ہے۔

ارشاد:

جاوید:

ارشاد:

جاوید:

ارشاد:

جاوید:

ارشاد:

یار ابھی میں amhavalance کے متعلق پڑھ رہا تھا تو عجیب انکشاف ہوا۔ کس کے متعلق؟
ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز کے متعلق دو مختلف اور متضاد قسم کے رد عمل۔۔۔۔۔ یعنی بیک وقت نفرت اور محبت بیک وقت کنجوسی اور فراخ دلی۔ غالب کی سادگی اور پرکاری بے خودی اور ہوشیاری۔ ہماری مائی تاج اس جذبے کا شکار ہے۔ کیا کیا کیا؟

مائی جی کو بیک وقت ناگ بادشاہ سے محبت بھی ہے اور شدید نفرت بھی۔ وہ چاہتی ہے کہ بھادوں مہینہ نہ آئے لیکن وہ اسی مہینے کا گیارہ ماہ انتظار بھی کرتی ہے۔ سانپ کے کاٹنے کی اسے جسمانی تکلیف بھی ہوتی ہے لیکن ذہنی راحت بھی ملتی ہے ساتھ ساتھ اسے۔

جاوید:

ارشاد:

جاوید:

ارشاد:

جاوید:

ارشاد:

جاوید:

پہلے ہی خاندان عباسیہ کی ہسٹری پڑھ پڑھ کر میرا دماغ کھوکھلا ہو چکا ہے اب تم ری سسی چولیس بھی ڈھیلی کر دو اپنی نفسیات کے زور پر۔۔۔۔۔ اچھا پھر کیا وجہ ہے کہ مائی صبح سویرے اٹھ کر پہلی بات ہے کہ تاریخ پوچھتی ہے چاند کا مہینہ پوچھتی ہے۔۔۔۔۔ کیوں؟

کہیں بچپن میں ایک مرتبہ کاٹ جائے تو ساری عمر یہ واقعہ آدمی سناٹا نہیں ٹھکتا۔ وہ بچاری تو خدا جانے کتنے سالوں سے اس حادثے کا شکار ہو رہی ہے۔

کون جانے تاج بی بی Sadist ہو By nature

لیکن اذیت پسندی کی کوئی حد ہوتی ہے۔

اگر آدمی نارمل نہ ہو حالات نارمل نہ ہوں تو کوئی حد نہیں ہوتی۔

دیکھو راشد قلندر۔ میں یہاں ایم اے تاریخ کا امتحان دینے کے لئے بیٹھا ہوں۔ تمہیں نفسیات کا ایم اے کر کے پروفیسر لگنا ہے۔ سلمان کو مخلص صاحب کی ساری درسی کتابیں بیچ کر اپنے باپ کا قرض ادا کرنا ہے ہم سب کے سامنے ایک ایک مشن ہے۔

راشد:

فلوں کی طرح سمجھی سمجھائی ہوئی باتیں سمجھا رہے ہو۔

جاوید:

ہمیں اس وقت ایک تاج بی بی اور ایک عدد بڑے وضع دار ٹائم کے پابند
اصولوں کے دفنی سانپ کی باہمی بکواس میں حصہ نہیں لینا چاہئے۔۔۔۔

Right?

راشد:

Understood سر۔

(اس وقت مائی تاج گٹھڑی لئے آتی ہے اس کے ہاتھ میں

چابیاں ہیں۔۔۔۔)

تاج:

لے ویر راشد یہ ہیں شور کی چابیاں۔ دو دن کی پتی باقی ہے چائے کی۔ مٹی کا
تیل بھی ختم ہونے والا ہے اور چولے میں بتیاں ڈالنا نہ بھولنا۔

جاوید:

یہ تم اتنی لمبی چوڑی ہدایات کیوں دے رہی ہو بی بی۔

تاج:

بتایا تو تھا تمہیں دس دن کی چھٹی ہوگی میری بھادوں میں۔

جاوید:

اماں جی وہم نہیں کرتے۔ بادشاہوں کی سلطنتیں الٹ دیں اس وہم نے۔

تاج:

ناں کا کباب تم چاہے جو مرضی کہو میں رک نہیں سکتی۔

جاوید:

ہمارے امتحان سر پر ہیں بی بی۔ تیرا مطلب ہے ہم ٹیل ہو جائیں دونوں کے
دونوں۔

تاج:

خیری صلاح۔ دس دن کی بات ہے میں خود آکر دی کھلا کر بھیجا کروں گی تم
دونوں کو۔ دس دن تم لوگ آگ شاگ نہ جلانا۔ ہوٹل پر کھانا کھالینا میں کہہ
چلی ہوں غفور سے۔ یہاں کھانا لے آیا کرے گا۔

(اب سلمان اندر آتا ہے وہ بخار میں بیڑی کی طرح گرم ہو رہا

ہے اس کا سر گھوم رہا ہے۔)

راشد:

کیا ہوا ہے سلمان؟

جاوید:

سلمان؟ Whats the matter?

(تاج آگے بڑھ کر سلمان کو سنبھالتی ہے)

تاج:

تیری عمر کوئی لڑنے بھڑنے کی ہے لاکھ سمجھاؤ گرمی کے دن ہیں۔ گاہکوں سے
نرمی برتا کر۔ ٹھنڈا پانی پی کر بات کیا کر۔ پر سمجھے بھی کوئی یہاں۔

راشد:

ہوا کیا ہے سلمان قلندر But he has high fever توجہ۔۔۔۔ اتنا گرم
ہے جسم۔

(راشد اور جاوید سلمان کو پلنگ پر لٹاتے ہیں)

تاج گٹھڑی رکھ کر پیچھے پیچھے جاتی ہے پھر اندر باورچی خانے

سے کدو اور برف اٹھالاتی ہے۔)

(ہدیان بکنے کے انداز میں) مخلص صاحب آپ ناشر ہیں۔ پبلشر ہیں۔ آپ کا

پریس بہت بڑا ہے پر میں تہہ تہہ پر بیٹھ کر کموں گا آپ چور ہیں۔۔۔۔ جعلی

درسی کتابیں بیچ بیچ کر غریب طالب علموں کا خون چوس کر۔ بلیک میں کانڈ بیچ

کر۔۔۔۔ پیچھے لکھنے والوں کی رائٹیاں چرا کر آپ نے لمبی سیاہ کار خریدی

ہے۔ میں کموں گا چاہے میری نوکری نہ رہے چاہے۔۔۔۔ چاہے میرے باپ کا

قرض ساری عمر نہ اترے ظلم خدا کا آپ اپنے آپ کو تاجر کہتے ہیں۔۔۔۔

سلمان قلندر ہوش کرو یار۔

میں ڈاکٹر کو بلاؤں۔

سلمان:

جاوید:

(مائی اندر آتی ہے پائنٹی بیٹھ کر پیروں میں کدو ملتی ہے۔)

گرمی لگ گئی ہے لو کا ایک مسمکھا لگ جائے تو آدمی کی سدھ بدھ ماری جاتی

ہے۔ اس کا تو ناز بھی کل سے پھٹا ہوا ہے سائیکل کا پیدل گیا ہے ضدی۔ بولتی

رہی ہوں کتنی رہی ہوں سلمان بس پر چلا جا۔۔۔۔ رکشالے لے۔۔۔۔ نیکی

کروا لے۔ ناں جی یہ تو دو فرلانگ کا فاصلہ ہے بی بی۔۔۔۔ پانچ منٹ میں پہنچ

جاؤں گا۔ لے راشد سر پر برف رکھ اس کے ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔

بی بی تیرے لئے لادوں رکشہ۔

جاوید:

بس باتیں نہ بنا بیٹھ کر تکیاں مل اس کی۔

تاج:

جاوید:

تو جا بی بی اپنے گاؤں تیرا سانپ راہ دیکھتا ہوگا۔ سلمان نے تو مری جانا ہے ہم

دونوں ہانڈی روٹی میں لگے رہے تو ٹیل ہونا یقینی ہے۔ میری تو منگنی چھوٹ

جائے گی عذرا سے اس کی ماں اسے گھر نہیں گھنے دے گی۔

باتیں نہ بناؤ مریض کے دل پر بوجھ پڑتا ہے باتوں کا۔

خیر بی بی تیری چھٹی Due ہے۔ تنخواہ چاہے سارے مہینے کی لے لے پر ابھی

کچھ دن باقی ہیں۔۔۔۔ دیکھ ناں حساب کی بات ہے۔

چپ نہ کرنا کبھی کوئے کہیں کے۔

چپ کر بی بی۔۔۔۔ کوئی سنے گا کہ اس طرح ملازمہ مالکوں کو جواب دیتی ہے تو

تاج:

راشد:

تاج:

جاوید:

کیا سمجھے گا۔

تاج: ملازمہ ہوتی تو آرام نہ آجاتا۔ سکھ سے چلی نہ جاتی رحیم آباد اپنے گھر پہنچے نہ ہوئے۔ اور کیسا لوبھ پڑ گیا بچوں کا بیٹھے بٹھائے۔

راشد: لادوں بی بی ٹیکسی۔

تاج: چپ کر کے بیٹھو۔

جاوید: اور ٹیکسی بی بی۔

تاج: دونوں اٹھو اور مندر کا شربت لاؤ جا کر حکیم صاحب کی بیٹھک سے۔

جاوید: بی بی یہ چلا جائے گا۔

تاج: چل پھر تو عرف لا جا کر دو آنے کی اٹھ۔۔۔۔۔ اٹھتکیوں نہیں دیکھتا کیا ہے میری صورت۔

(دونوں چلے جاتے ہیں)

تاج: سلمان۔۔۔۔۔ کاا سلمان۔۔۔۔۔ ہیرا۔۔۔۔۔ کاا سلمان! اٹھ آنکھیں کھول۔۔۔۔۔ میں تجھے ملے بغیر ہی چل دی تھی۔ کیسی سزا ملی مجھے۔ بیچ تن پاک کی قسم میں، میں تجھے بغیر ملے ہی چل پڑی تھی گاؤں سلمان۔۔۔۔۔ سلمان کاا۔۔۔۔۔ آنکھیں کھول۔

(یہ بولتی جاتی ہے اور پھر دوپٹے کے پلو سے اس کا ماتھا پونچھتی ہے اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔)

کٹ

سین 6

ان ڈور

دوہر

(تاج بی بی اپنے باروچی خانے میں اکیلی بیٹھی ہے۔ ہنڈیا چولہے پر چڑھا رہی ہے۔ سامنے پرآت میں بھنڈیاں ہیں ان کو

چھری سے کٹ رہی ہے۔ اچانک اس کی نظر کھڑکی کے نیچے موری پر پڑتی ہے۔ وہ دم بخود ہو کر ادھر دیکھنے لگتی ہے اور پھر چھری سے زمین پر کراس بنا کر کہتی ہے۔)

تاج: آگیا تو میری جان کا دشمن، ادھر بھی پہنچ گیا شرمیں۔۔۔۔۔ دیکھ آج لڑکوں سے تیری کیسی گت بنواتی ہوں۔۔۔۔۔ جا چلا جا اور چھوڑ میرا پیچھا۔

(یہ باتیں کہہ کر اٹھتی ہے اور الماری میں سے دبی کا کنورہ نکل کر لاتی ہے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر ذرا سانمک اس میں ملاتی ہے دو تین مرتبہ جھجے سے جھینتی ہے اور ذرا سادی ہتھیلی پر ڈال کر چمکتی ہے۔ پھر کنورے کا دبی ہنڈیا میں ڈال دیتی ہے۔ ڈوکی ہلاتی ہے اور دوبارہ بھنڈیاں کاٹنے لگتی ہے۔ پھر ہاتھ روک کر موری کی طرف منہ کر کے کہتی ہے۔)

تاج:

آٹھ سال سے کیوں سولی پر ٹانگ رکھا ہے تو نے مجھ کو۔ آجائے تو تیری صورت زہر لگتی ہے۔ نہ آئے تو سارا وجود ہتھوڑا سا بن جاتا ہے۔ کس کنوئیں میں چھلانگ لگاؤں کس دیوار سے ماتھا پھوڑوں۔۔۔۔۔ پیسا جا خداتیرا بھلا کرے۔

(کیمرہ کٹ کر کے دکھاتا ہے کہ ٹالی کے پاس ایک سانپ سر اٹھائے کھڑا ہے اور تاج اس سے باتیں کر رہی ہے۔ سانپ کی Video پر تاج کے جملے اترتے ہیں۔)

سنا کہ نہیں میں کیا بکواس کر رہی ہوں؟ ایک چوری اوپر سے سینہ زوری۔ (سانپ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے۔) اپنا گاؤں چھوڑا۔۔۔۔۔ ماں باپ چھوڑے۔ در در ٹھوکریں کھائیں پر تیرا ہر سال کا آنا نہ گیا۔۔۔۔۔ بول اب کیا چاہتا ہے؟۔۔۔۔۔ جان پیاری ہے تو چلا جائیں تو لڑکوں میں سے کوئی آجائے گا تیری زندگی حیاتی خطرے میں پڑ جائے گی۔

(یہ کہہ کر وہ پھر کام میں مشغول ہونا چاہتی ہے لیکن سانپ کے آگے مسکور ہو جاتی ہے۔ نہ اپنی جگہ سے ال سکتی ہے نہ پلک جھپک سکتی ہے نہ بول سکتی ہے۔ بس آنکھیں کھولے سانپ کو نکلے جاتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اسی طرح بیٹھی بیٹھی اپنا پیر آگے بڑھاتی ہے اور آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ میوزک بینگ کے ساتھ

سانپ اس کے ٹخنے پر کانتا ہے اور وہ زور سے چیخ مارتی ہے پھر بیہوش ہو کر فرش پر گر جاتی ہے۔ اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے۔۔۔۔۔ دور سے جاوید کی آواز آتی ہے جو گاتا ہوا آ رہا ہے۔

بھوک کے رنگ نیارے۔

میری بھوک کے رنگ نیارے۔

گلی گلی میں بھوک کھڑی ہے ٹیڑھے پیر پارے۔

میری بھوک کے رنگ نیارے (پلٹا)

بی بی بی بی بھوک گلی

کھالو بیٹا مونگ پھلی

مونگ پھلی میں دانا نہیں ہم تمہارے دانا نہیں۔

(صحن میں داخل ہو کر) بی بی روٹی۔۔۔۔۔ بی بی روٹی۔۔۔۔۔ (باورچی خانے کی طرف) میری بھوک کے رنگ نیارے۔

(بی بی کو فرش پر بیہوش دیکھتا ہے تو ایک سیکنڈ کے لئے دم بخود رہ جاتا ہے۔ پھر جلدی سے آگے بڑھ کر اس کو سنبھالتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ ٹخنے پر خون کی ایک لکیر ہے۔ فوراً جیب سے رومال نکال کر پنڈلی پر کس کر باندھتا ہے۔ پھر گھاس میں پانی لے کر زخم پر ڈالتا ہے اور زخم دھوتا ہے۔ نشان دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے اور سمجھ جاتا ہے کہ یہ سانپ کے کاٹنے کا زخم ہے۔ چولہے کے قریب سے چھری اٹھاتا ہے اسے دھوتا ہے اور کاٹنے کا ارادہ کرتا ہے کہ راشد اور سلمان داخل ہوتے ہیں۔)

راشد، سلمان: روٹی پک گئی بی بی۔

جاوید: اندر آؤ جلدی بھاگ کر۔۔۔۔۔ فوراً۔

(دونوں ہڑبوا کر اندر داخل ہوتے ہیں۔)

راشد: کیا ہوا کیا ہوا۔

سلمان: بی بی، بی بی۔۔۔۔۔ کیا ہوا بی بی کو۔

جاوید: سانپ نے کاٹ لیا ہے۔

راشد، سلمان: سانپ۔

جاوید: یہ دیکھو اس کے دانتوں کے نشان، خطوط وحدانی اندر دو نقطے۔

سلمان: بے شک یہ سانپ ہی کے دانت کا نشان ہے۔

راشد: اب کیا کریں۔

سلمان: بی بی ٹھیک کہتی تھی۔

راشد: اب کیا کریں بڑا زہری سانپ معلوم ہوتا ہے۔

جاوید: پہلے بی بی کو اٹھا کر باہر چارپائی پر تو ڈالو۔

راشد: میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔

جاوید: پہلے اسے اٹھا کر باہر تولے چلو۔

(تینوں ڈنڈا ڈولی کر کے تاج بی بی کو اٹھاتے ہیں اور باہر صحن میں لا کر چارپائی پر ڈال دیتے ہیں۔ وہ اسی طرح بیہوش ہے اور اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا ہے۔ راشد اپنے رومال سے بی بی کا منہ پونچھتا ہے۔)

جاوید: زخم کا نشان بالکل تازہ ہے۔ سانپ ابھی یہیں کہیں ہو گا۔ باورچی خانے میں نہیں تو ساتھ کے غسل خانے میں۔

راشد: لیکن پہلے ڈاکٹر کو تو بلائیں۔

جاوید: پہلے سانپ کو ختم کریں۔ سلمان تم ہاکی سنگ اٹھاؤ کوئے سے۔

(سلمان سنگ اٹھاتا ہے)

راشد: میں دروازہ بند کرتا ہوں باہر کا جاکر۔ (جاتا ہے)

جاوید: بند نہ کرنا دلیز پر کھڑے رہنا۔

(خود کپڑے دھونے کا قہقہا اٹھاتا ہے۔)

جاوید: اوھر سے سلمان اوھر سے۔۔۔۔۔ ناکا بندی کرو۔ ناکا بندی۔

سلمان: موری روک لو۔۔۔۔۔ جاوید موری۔۔۔۔۔

جاوید: راشد۔۔۔۔۔ راشد۔۔۔۔۔ جلدی سے اندر آؤ جلدی سے۔

سلمان: روک لو۔۔۔۔۔ مارو۔۔۔۔۔ مارو جاوید۔۔۔۔۔ مارو۔

(جاوید اور سلمان آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے باورچی خانے

میں داخل ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر سیٹ پر خاموشی رہتی ہے پھر

باورچی خانے کے اندر سے آوازیں آنے لگتی ہیں۔ لیکن یہ

آوازوں والا سین ہم دکھاتے نہیں۔ ہمارے کمرے کی توجہ تاج بی بی پر مرکوز رہتی ہے۔۔۔۔۔ جب راشد کو بلایا جاتا ہے تو وہ ایک سوئی اٹھائے ہوئے صحن کراس کرتا ہے اور باورچی خانے میں گھس جاتا ہے۔ اس کے بعد باورچی خانے میں ایک پھڑپھڑ مچ جاتا ہے۔ ”پھر لینا لینا۔۔۔۔۔ اوھر سے۔۔۔۔۔ راشد۔۔۔۔۔ سملن۔۔۔۔۔ جلاوید مارو۔۔۔۔۔ مارو۔۔۔۔۔ بچا کے۔ تمہارے پیچھے راشد۔۔۔۔۔ تمہارے پیچھے۔۔۔۔۔ خبردار۔۔۔۔۔“ یہ شور کوئی تیس سیکنڈ تک جاری رہتا ہے اس کے بعد ایک دم خاموشی چھا جاتی ہے۔ اس کے بعد تماشائیوں کی نظریں باورچی خانے کے دروازے کی طرف مرکوز ہوتی ہیں جلاوید لکڑی پر ایک مردہ سانپ لٹکائے صحن میں آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سملن اور راشد بھی ہیں تینوں آکر بی بی کی چارپائی کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

بی بی۔۔۔۔۔ بی بی۔۔۔۔۔ تاج بی بی دیکھو ہم نے تمہارا دشمن مار دیا۔
(جھٹک کر) بی بی آنکھیں کھولو۔

(بی بی کراہتے ہوئے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتی ہے اور سامنے سوئی پر لٹکا ہوا مردہ سانپ دیکھ کر زور سے چیخ مارتی ہے اور اپنے سر کے بال کھینچ کر رونے لگتی ہے۔ تینوں لڑکے حیران ہو کر کہتے ہیں۔ ”کیا ہوا بی بی۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟۔۔۔۔۔ بی بی۔۔۔۔۔“)

یہ تو نے کیا کیا جلاوید۔۔۔۔۔ کیوں مار دیا اسے۔۔۔۔۔ اس نے تیرا کیا مجازا تھا۔ کیا قصور کیا تھا تیرا۔

یہ وہی سانپ ہے بی بی جو تجھے کاٹ کر گیا تھا۔

(اپنے خیال میں) میں نہیں کہتی تھی چلا جا۔۔۔۔۔ بھاگ جا۔۔۔۔۔ چھپ جا لیکن تو نے پہلے بھی کبھی میری بات مانی تھی جو آج چلا جاتا۔۔۔۔۔ (رونے لگتی تھی)

بی بی۔۔۔۔۔ بی بی۔۔۔۔۔ ہوش کر بی بی۔۔۔۔۔ یہ تو کیا کہہ رہی ہے۔

جلاوید میں نے تجھے دیروں کی طرح سمجھا اور بیٹے کی طرح پیار کیا پھر تو نے کمالے کو کیوں مار دیا۔

کس کو بی بی؟ جلاوید:

بی بی: تو کیوں آگیا تھا میرے پیچھے پیچھے کمالیا۔۔۔۔۔ تجھ کو کس نے راہ بتا دی تھی میری۔۔۔۔۔ جلاوید۔۔۔۔۔ تو نے کیوں کمالے کو مار دیا۔۔۔۔۔ کیوں مار دیا کمالے کو۔۔۔۔۔ اس نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔۔۔۔۔ میں نے تیرا کیا قصور کیا تھا۔

(آخری فقرہ کہتے کہتے بی بی زور سے ہنسی لیتی ہے اور دم توڑ دیتی ہے۔ جلاوید سانپ والی چمڑی زمین پر پھینک کر آگے بڑھتا ہے اور بی بی کی نبض دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھیں پلٹ کر دیکھتا ہے۔ اور پھر سر ہلا کر اپنے ساتھیوں سے گویا کہتا ہے بی بی ختم ہو گئی۔)

سملن راشد: انا لله وانا اليه راجعون O

سملن: واقعی بڑا زہریلا سانپ تھا۔

راشد: میں تم لوگوں کی منتیں کرتا رہا کہ پہلے ڈاکٹر کو بلا لائیں۔ پھر سانپ تلاش کر لیں گے لیکن۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔

سملن: دیکھو اس کے زہر سے بی بی کا سارا چہرہ نیلا ہو رہا ہے۔

جلاوید: سملن! بی بی سانپ کے زہر سے نہیں مری۔

سملن: تو پھر۔۔۔۔۔

جلاوید: وہ سانپ کے مرنے سے مری ہے۔

(جلاوید بی بی کے چہرے پہ چلور کھینچتا ہے۔ راشد اور سملن حیران کھڑے ہیں۔)

فیڈ آؤٹ

ماستر رحمت علی

دوہر

آپ ذرا غور سے کیس تیار کیا کریں اس کمپنی کو فلوٹ کرنے والا کون ہے وہ
 ہی واجد مرزا۔ وہی غنڈہ۔ نئے لیٹریڈ اور نئی کمپنی کی رجسٹریشن سے کوئی واجد

◆ چند نقلے اور جھومر ناچنے والے

مرزا تو نہیں بدل گیا۔

He is a defaulter.

پہلے یہ گورنمنٹ ڈپوزٹوار کرے پھر۔۔۔ ہم اس سے بات کریں گے۔

(چڑھائی آتا ہے نظریں جھکا کر مودبانه طریقے سے بات کر کے چلا جاتا ہے۔)

چڑھائی: جناب۔۔۔۔۔ جناب بیگم صاحبہ آئی ہیں۔

بیگم: Do you understand. سید صاحبہ پر رشوت کا ایک کیسز کیس بن سکتا ہے کہ جو آدی پہلے حکومت کی رقم لوٹا نہیں کر سکتا۔

I should lease him out another factory.

(پی اے فائل اٹھاتا ہے بیگم آتی ہے بڑی فیشن ایبل عورت ہے عثمان بدولی سے ذرا

سا اٹھتا ہے۔ پھر بیٹھ جاتا ہے۔)

عزیز: السلام علیکم بیگم صاحب

بیگم: (سر کے اشارے سے) وہ بیگم کیسے ہو عزیز۔

عزیز: ٹھیک ہے بیگم صاحب آپ کی مہربانی ہے۔

بیگم: عثمان؟ آپ Free ہیں توڑی دیر کے لئے؟

عزیز: اچھا جی مجھے اجازت ہے۔ (عزیز چلا جاتا ہے)

بیگم: کیوں؟

بیگم: آپ نے مجھے چیز بھی آفر نہ کی عثمان۔ تمہارا پی اے کیا سوچتا ہوگا۔ یہ قدر

ہے صاحب کے دل میں فن کی بیوی کی۔

(بیوی ذرا چڑی ہوئی بیٹھتی ہے۔)

عثمان: (بغیر محسوس کئے) آئی ایم سوری بیٹھے؟ فرمائیے؟

بیوی: میں ایک ضروری کام سے آئی تھی۔ ورنہ آپ کا ٹائم Waste نہ کرتی۔

عثمان: کئے۔ کئے۔

بیوی: فریاد علی کا بھانجا بیروت سے آیا ہے۔ ابھی پیغام آیا تھا مسز فریاد علی کا۔

ریفریجریٹر لایا ہے اپنے ساتھ Nine کیوبک فٹ کا۔ Absolutely۔۔۔۔۔ بالکل

Fabulous Black

عثمان: لیکن ہمارے پاس تو پہلے ہی دو فریج موجود ہیں۔

بیوی: ایک بلورچی خانے میں ہے۔ ایک پینٹری میں، لیونگ روم میں تو۔ دیر از

تھنک۔ سچ میں خود دیکھ کر آئی ہوں۔ Its a Beauty عثمان فریج لگتا ہی

نہیں۔ It is a peice of furniture۔

عثمان: شاہدہ۔

بیوی: جی؟

عثمان:

بیوی:

تمہیں پتہ ہے میری تنخواہ کتنی ہے۔

(اٹھتے ہوئے) چلے نہ سہی۔ آپ سے تو جب کبھی کوئی چیز مانگو آپ کبھی پاس

کبھی دکھانے لگ جاتے ہیں کبھی ٹیکوں کے ڈیمانڈ لیٹر سامنے رکھ دیتے ہیں

ٹھیک ہے جی۔ اپنی اپنی قسمت ہوتی ہے۔ ہماری قسمت میں یہی کچھ سہی۔

کیا مانگ رہا ہے اس فریج کا۔

ساڑھے پانچ ہزار Black Beauty ہے عثمان آپ چلیں ٹاپانچ منٹ کے لئے

میرے ساتھ۔

اس وقت؟ آفس آدرز میں۔

چلے شام کو سہی۔

بیوی: بیگم صاحبہ۔ میں اس وقت ساڑھے پانچ ہزار کا فریج انورڈ نہیں

کر سکتا۔ دیکھو شاہدہ ہم لوگوں کا کوئی پکا ٹھکانہ تو ہے نہیں۔ آج یہاں ہیں

کل وہاں آدھا سالن تو تبدیلیوں کی نذر ہو جاتا ہے۔

اب تو خیر اسنے اچھے اچھے Packers ہیں پاکستان میں بلبلے پیک کر کے بھیج دیں

کراچی سے پشاور تو ٹوٹنے نہ پائیں۔

عثمان: اپنی دے۔

We don't need another refrigrater and we cant afford another

Black elephant.

(بیوی پرس کھول کر رومال نکالتی ہے اور رونے لگتی ہے اور اٹھ کر بولتی ہوئی چلی جاتی

ہے۔)

بیوی: آپ ایسی پوزیشن میں جو ہوئے کہ رمفیوز کر سکیں۔ میں کب کتنی ہوں مجھے ہر

چیز خرید کر دیں۔ لیکن آپ اچھی طرح بھی بات کر سکتے ہیں۔

Without insulting me

(عثمان کو برا لگتا ہے)

عثمن: شاہدہ۔

(شاہدہ رکتی ہے پھر چلی جاتی ہے چڑاسی آتا ہے)

چڑاسی:

جناب ایک بزرگ ملنے کے لئے آئے ہیں۔

عثمن:

میرے پاس کسی بزرگ کے لئے وقت نہیں ہے۔

چڑاسی:

اچھا جی۔۔۔ (فون کی گھنٹی بجتی ہے)

عثمن:

ہیلو عثمان Speaking میں بول رہا ہوں، کون میمن بھائی۔ ارے ارے۔ ارے

کب ادھر آیا تم۔۔۔۔؟ باہر بیٹھا ہے آفس کے باہر۔ آئیے آئیے۔ کافی لاؤ

عبداللہ۔ آئیے نہیں نہیں وہ چلی گئی ہے آئیے۔

چڑاسی:

جی صاحب۔۔۔۔ (ہاں اے آتا ہے)

عزیز:

(ڈرتے ہوئے) جی دھریکاں والے سے ایک مدرس آئے ہیں بزرگ سے آدمی

ہیں۔

عثمن:

دیکھئے عزیز صاحب۔ آپ مجھے اگر کسی بوزھے جنٹلمین Begger سے بچا سکتے

ہیں تو بچائیے۔ میں یہاں ایک Specific Job کے لئے ہوں اس کے کچھ

رابطے کچھ اصول کچھ hitches کچھ Short Commings ہیں۔ میں کوئی نیاز

کی دیگ نہیں بانٹ رہا کہ اپنی من مانی کرتا پھروں

Let the old Baha go

عزیز:

ٹھیک ہے سر۔

(اس وقت میمن بھائی داخل ہوتے ہیں)

میمن:

السلام علیکم۔

(میمن بھائی سے عثمان صاحب کے بڑے دوستانہ تعلقات

ہیں دونوں تپاک سے ملتے ہیں۔)

عثمن:

(میمن کے پیٹ میں محبت سے گھونسہ مار کر) میمن بھائی ادھر پیٹ میٹ بست

بڑھالیا ہے آپ نے؟

میمن:

acidity بابا صبح بیٹھنا۔ کار میں بیٹھ کر ہارڈ بورڈ کا فیکٹری ادھر سے پھر کار

میں بیٹھ کر Clip Board کا فیکٹری ادھر سے Plastic کنسرن میں سارا دن

کرسی اور ہم۔

عثمن:

کچھ کھیلا کھایا کرو میمن بھائی۔ دودن کی زندگی کرسی پر بیٹھ کر مت گزار دیں۔

میمن:

بابا کیسا کھیلا کھایا کریں ہم تو پاکستان کی کھد مت کے لئے پیدا ہوا ہے چپے چپے پر

فیکٹری لگا دے گا جہاں بناوے گا پاکستان کو۔ تم دیکھتا جاؤ (یکدم دیوار پر دیکھ کر)

ارے بھائی عثمان یہ کیا لکھ کر ٹانگ دیا تم نے۔ دیوار کے ساتھ۔

عثمن:

بس جی کوشش ہے کبھی کبھی ضمیر زندہ ہوتا ہے تو ہلکے اشارے سے سمجھ جاتا

ہے۔

میمن:

اس کو تو فوراً پھینکوا دو۔ یہ تو جدوجہد کے خلاف ہے۔ بابا اگر قناعت کی عینک لگا

لے آدمی آنکھوں پر تو اندھیرا آ جاتا ہے ساری جندگی پر۔۔۔۔ ایسا تم بڑا افسر

ہے۔ پنواڑی کی دکان کی باتیں مت کیا کرو۔

(چڑاسی کافی کارے آکر لگتا ہے)

عثمن:

کس قدر کوشش میمن بھائی۔؟ کس کے لئے کوشش؟ اپنے لئے۔ قوم کے

لئے؟ بنی نوع انسان کے لئے کس کے لئے۔

میمن:

ایسا ہے عثمان بھائی۔ کہ پہلے آدمی اپنے لئے کوشش کرتا ہے پھر قوم کے لئے

اور آخر میں دنیا کی مخلوق کے لئے بس پھر کھلاں۔

عثمن:

اور یہ جو اولیاء اللہ قسم کے صالح آدمی آیا کرتے ہیں دنیا میں میمن بھائی۔ وہ تو

اپنے لئے کبھی کچھ نہیں کیا کرتے۔

میمن:

ان کا بابا امپورٹ ہی اب بند ہو گیا ہے۔ وہ تو اب بونس پر بھی نہیں آتے۔ اچھا

عثمن یہ بک بک چھوڑو۔ تم کو علات ہے ایسی باتوں کا۔ ہم تمہارے پاس ایک

خاص کام کے لئے آیا ہے۔۔۔۔ بولو کرو گے کہ نہیں۔

عثمن:

دیکھئے کام کی نوعیت پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔

میمن:

تم کو تو کچھ دن کے لئے سٹہ کھیلنا چاہئے۔ تم کو رسک لینا نہیں آتا۔ بالکل۔ ہم

کو کہتا تھا تم جو Rayon Mill سیکشن ہم کو دلاؤ۔

عثمن:

ایک اور مل۔

میمن:

بابا کام تو آدمی کا گھتا ہے۔ کام نہ کرے گا تو ایک اور بی بی کرے گا آدمی یہ تو

آدمی کا نیچر ہے۔ ایک فائٹ کر سکتا ہے۔ تم اس کے خلاف۔ بولو دوسری بیوی

اچھی کہ دوسرا کام۔

عثمن:

لیکن میمن بھائی۔

(اس وقت دروازہ کھول کر مدرس رحمت علی آتا ہے لمبا

کوٹ سر پر پگڑی اور نیچے شلوار۔ ذرا سا کھانٹ کر بات کرنے کا

علوی ہے۔)

ہم تو بھائی کے پاس جاتا ہے۔ غلطی سے تمہارا پاس آگیا بھائی کا Share ڈالے گا ہم اپنے کام میں۔

جناب، میں اندر آسکتا ہوں۔

آؤ بابا آؤ۔ لو عثمان بھائی رات کو تم اور بھائی ہمارا ساتھ کھانا کھا رہے ہو۔ Capri ہوٹل میں۔ ہم تمہارا راستہ دیکھیں گے مغل لاؤنج میں۔ بیٹھو بابا کھڑا کیسا ہے تم؟

(میں بھائی جاتا ہے اوپر سے چڑا سی گھبرایا ہوا آتا ہے۔)

جناب میں نے اسے بت منع کیا۔

ہر چند کہ اس نیک بخت نے مجھ مدرس کو بت روکا ہے عثمان صاحب لیکن میں نے اس کی پروا نہیں کی۔

تم جاؤ عبداللہ۔

(جان بچانے کے انداز میں جلدی سے جاتا ہے) جی صاحب۔

(اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے) میرے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔ آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے مختصراً کہیں اور بلا تمہید کہیں۔ اور اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ میں حکومت کا ملازم ہوں۔ حکومت نہیں ہوں۔ خدا کا بندہ ہوں۔ خدا نہیں ہوں۔

میں پرسوں بھی آیا تھا اور کل بھی آیا تھا۔ میں نے کہا ایک مرتبہ اتمام صحبت ہو جائے۔ بعد ازاں راضی برضا ہونا آسان ہو جاتا ہے۔

وقت کم ہے میرے پاس ماشینی۔

میرا نام رحمت علی ہے اور میں نارمل سکول میں بے دی کے مطہین کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ وہیں سے میں ۱۵ء میں اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی سے ریٹائر ہوا ہوں۔

بات یہ ہے کہ آپ جس سلسلے میں مجھ سے ملنے آئے ہیں اس کے قریب قریب رہئے۔

میری تین بیٹیاں ہیں۔ لڑکا میرا کوئی ہے نہیں۔ تینوں جواں سال بیٹیاں شادی کے قابل ہیں۔

میری بھی تین بیٹیاں ہیں۔

(جیب سے سو روپے کا نوٹ نکالتا ہے۔)

اللہ سلامت رکھے۔ نیک نصیب ہوں، مل پاپ کا نام روشن کریں۔ میرے حالات تو ٹھیک ہیں ایک اکیلی ذلت کے لئے بائیس روپے کی پنشن بت ہے لیکن ان تینوں کی شادی درپیش ہیں۔

میں سو روپے سے زیادہ آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔

(رحمت علی سو روپے کا نوٹ لیتا ہے)

یہ آپ کی ذاتی نوازش میں پیشہ یاد رکھوں گا لیکن۔۔۔۔۔

دیکھئے ماشینی۔ آپ اب چلے جائیں۔ یہ وقت دفتر کا ہے اور مجھے بت سے سرکاری کام کرنے ہیں۔

جناب عالی میں ایک خاص وجہ سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے بندہ پروری سے اس ناچیز کی ذاتی طور پر مدد بھی فرمائی ہے لیکن دراصل مجھے آپ سے سرکاری کام بھی ہے۔

آپ کسی سکول میں پھر سے تقرری چاہتے ہیں؟

نہیں جناب میں بفضل تعالیٰ ریٹائرڈ ہو چکا ہوں اور از بسکہ مسرور ہوں۔ عرض احوال یہ ہے کہ دھریکل والے میں دو مرتبے چک نمبر ۳۳۲ موضع ناگن کے درمیان سرکاری زمین کے پڑے ہیں وہ اگر آپ مجھے عنایت کردیں تو میں بچوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ عنایت ہونے پر۔۔۔۔۔ یہ ناچیز ساری عمر آپ کا دعا گو رہے گا۔

دیکھئے رحمت علی صاحب۔ جو سرکاری زمین یہاں دھریکل والے میں موجود ہے وہ ریٹائر افسروں کو دے رہے ہیں۔

میں مانتا ہوں حضور والا کہ ایک ریٹائر مدرس اس کا استحقاق نہیں رکھتا۔ لیکن آپ کی قلم کی ایک جنبش سے تین زندگیاں بن سکتی ہیں۔ (اپنی پگڑی اتار کر میز پر رکھتا ہے) جناب! میں تنگ دستی سے خوفزدہ ہونے والا نہیں ہوں۔ لیکن بچوں کی زندگی کا سوال ہے۔ دونوں بڑی لڑکیاں میرے عزیزوں کے گھر مانگی ہوئی ہیں وہ بڑے آدمی ہیں جناب۔۔۔۔۔ وہ نہ ہو میری بچیاں گھر بیٹھی رہ جائیں۔۔۔۔۔

عشقم: (گہری اٹھا کر واپس دیتے ہوئے) معاف کیجئے گا رحمت علی صاحب۔ یہ کلم میرے بس کا نہیں۔ میں معذور ہوں۔
راحت: (جاتے ہوئے) اچھا جی آپ بخیر تھے۔۔۔۔۔ چاہتے تو مدد ہو سکتی تھی بی بیوں کی۔۔۔۔۔

(چلا جاتا ہے، لیکن عشقم پر جیسے اس بات کا ایک بوجھ سا پڑ جاتا ہے۔ فون کی گھنٹی بجتی ہے۔)

عشقم: ہیلو۔۔۔۔۔ عشقم۔۔۔۔۔ Speaking - کون شلہ؟ کیا۔۔۔۔۔ اتنی جلدی مین ہائی تمہارے پاس بھی پہنچ گئے۔ ہاں کھانا کھا رہے ہیں ہم ان کے ساتھ۔۔۔۔۔ کیا؟ تم ان کے ساتھ جا رہی ہو۔۔۔۔۔ کھل؟۔۔۔۔۔ بولی کے پاس۔۔۔۔۔؟ Refrigerator دیکھئے۔ بھی میری اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ تمہاری اپنی کار ہے۔ اپنی Sweet will ہے جہاں چاہو جاؤ۔ نہیں نہیں اس میں اجازت کی کیا بات ہے بھلا۔ (ایک گہری نما کپڑے کی ٹوکری لا کر چڑاسی ہانکل اسی طرح میز پر رکھتا ہے جس طرح رحمت علی نے گہری رکھی تھی۔۔۔۔۔) (فون رکھ کر ٹوکری کی طرف دیکھتا ہے) یہ کیا ہے؟

چڑاسی: جناب الیہاں بھیجی ہیں نوازش صاحب نے۔
عشقم: (غصے سے) یہ سب تم لوگ کھاؤ۔ اور باہر دیکھو وہ بزرگ آدمی چلا گیا کہ ابھی ہے۔

چڑاسی: بیٹھا ہے جناب باہر۔
عشقم: اسے بھیجو اندر۔
چڑاسی: اچھا جناب۔

(عشقم فانیوں کو دیکھتا ہے۔ پھر سرشت سے لگا کر دونوں

مٹھیاں بچوں کی طرح آنکھوں پر رکھ کر بھیجتا ہے۔ رحمت علی آتا ہے۔۔۔۔۔)

رحمت: میں حسب ارشاد حاضر ہوا ہوں جناب۔

عشقم: بیٹھے رحمت علی صاحب۔۔۔۔۔ ہم نے زندگی میں کئی غلط کام کئے ہیں۔ یہ ایک اور سہی۔ بیٹھے۔

رحمت: (بیٹھے ہوئے) شکریہ۔

عشقم: لکھائیے اپنا نام۔

رحمت: رحمت علی۔

عشقم: عمر۔۔۔۔۔

رحمت: عمر۔ ہاشم سال تین مہینے۔

عشقم: ذات۔

رحمت: چیمہ۔

عشقم: جدی کمال کے رہنے والے ہیں۔

رحمت: شیخوپورے کے جناب۔

عشقم: ہفتے دو ہفتے میں زمین کی الاٹمنٹ سیکشن آپ کو مل جائے گی۔ لیکن میری عرض ہے کہ آپ دوبارہ مجھے اپنی شکل نہ دکھائیں۔ آپ کو اس سے فائدہ ہو یا نقصان۔ آپ مزید مراعات کے لئے میرے پاس نہ آئیں۔ انشاء اللہ۔

عشقم: ہمیشہ یہ ہوتا ہے باشرطی کہ بس کسی کو بارش سے بچنے کے لئے گھر میں کھنے کی جگہ دو۔ وہ بلاخر پٹنگ پر خود لیٹا ہوتا ہے اور آپ باہر بارش میں بیگ رہے ہوتے ہیں۔

رحمت: نہیں جناب۔۔۔۔۔ میں فن آدمیوں میں سے نہیں ہوں۔

عشقم: کسی کو ایک فیکٹری دو تو پھر اسے پانچ اور چاہئے ہوتی ہیں کسی کو ایک کھڑا زمین کا دے دو تو پھر اسے تقوی Loan چاہئے۔ تقوی Loan دلوادو تو انگریزی کھلو کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ ہم تو سرکاری افسر ہیں خدا نہیں ہیں کہ بندوں کی ضرورتوں سے بوکھلا نہ جائیں۔

رحمت: وہ بھی ضرور گھبرا جاتا ہو گا عشقم صاحب۔۔۔۔۔ ورنہ دنیا اس قدر تنگ اور دل اس درجہ چھوٹے نہ ہوتے۔

عشقم: (گھنٹی بجاتے ہوئے) دیکھئے یہ آپ کی مجھ پر میرے دفتر پر پہلی اور آخری Demand ہے۔ آپ اب کسی سلسلے میں میرے پاس نہیں آئیں گے۔۔۔۔۔

عشقم: سمجھ گئے ہیں نا آپ۔۔۔۔۔

چڑاسی: (آکر جی صاحب۔)

عشقم: رحمت علی صاحب کو عزیز صاحب کے پاس لے جاؤ۔ یہ سارا کیس سمجھا دیں

گئے۔ میں نے تصدیق کر لی ہے وہ من کی Application بنا کر مجھ تک لائیں۔
اچھا رحمت علی صاحب زمین آپ کو مبارک ہو۔ لیکن آئندہ کبھی لڑکیوں کی
شلوی کا ہمانہ کر کے اس طرح سے Begging نہ کرنا۔

(رحمت علی خوشی سے جھک کر سلام کرتا ہے اور چڑاسی کے
ساتھ جاتا ہے۔ عثمان کرسی کے ساتھ پشت لگا کر پھر دیوار کی طرف
دیکھتا ہے۔

فیڈ آؤٹ

سین 2

آؤٹ دور
دن

گھڑوں میں مکلاؤں کے دو چار شٹ۔
کیتوں میں لگی ہوئی نرسی ہوئی فصلیں۔ جلتے ہوئے
کتوں۔ رحمت علی من میں پھر رہا ہے۔
نر سے آؤ میں جاتا ہوا پانی من متاع پر عتب میں ڈھول کی
آواز آتی رہتی ہے۔

ایک دیہاتی برات کی نر کے کنارے کنارے آمد۔
دو گھوڑوں پر دو لہا بیٹھے ہیں۔ براتی باجے تاشے کے ساتھ
آ رہے ہیں۔

اگر دیہاتی مٹھر کچھ وجوہات پر نہ Develop کیا جاسکے تو پھر
سنوڈیو کے اندر سے شروع کریں۔

دیہاتی گھر کا "ویژن" کچھ نوجوان لکڑی کے ٹھنڈ پر بیٹھے
ہیں۔ دو چار مسمر آدمی موٹروں پر بیٹھے ہیں۔ من سے ہٹ کر دو
دولے چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ نور ریشی رول سے منہ ڈھانپ رکھا

ہے۔ پاس ہی چارپائی پر چار پانچ بچے جن میں دو تین بچیاں بھی
ہیں۔ خوب دیہاتی قسم کی سبھٹ کئے بیٹھی ہیں۔

دروازے پر ہتی پڑی ہے۔ لیکن اسے تھوڑا سا اٹھائے
عورتیں کھڑی ہیں اور دولہاؤں کو دیکھ رہی ہیں۔ ایک طرف تین
کرسیوں پر شر کے معزز سہمن ہیں۔ یہ وہ سکول ٹیچر قسم کے لوگ
ہیں جو کسی زمانے میں رحمت علی کے ساتھ کلم کرتے ہوں گے۔ یا
مدری کے زمانے میں جن سے رحمت علی کی جلن پہچان ہوگی۔

یہ گھڑیاں نصف دائرے کی شکل میں ہیں۔ درمیان میں جو
جگہ خالی ہے یہاں اس وقت ایک اکیلا آدمی وار گا رہا ہے دو ایک
آدمی آگے بڑھ کر اسے ایک دو روپیہ دیتے ہیں۔ رحمت علی جیب
سے نکل کر دس روپے دیتا ہے۔ وار ڈھول کے ساتھ ختم ہوتی
ہے۔ اور بائیں طرف سے چند جوان جو دیہاتی فیشن کے مطابق
چھیلابنے ہوئے ہیں۔ درمیان میں آتے ہیں۔ اب یا تو مجموعہ ریا
بانگی تلخ ہوتا ہے۔

دائم تک ہوتا ہے پھر کھلتا ہے۔ ڈھول کی آواز تیز ہوتی
ہے۔ پھر ہلکا ہلکا آوازوں میں یہ تلخ بند ہو جاتا ہے۔ سارے لوگ
دلو واہ سبحان اللہ کے نعرے لگاتے ہیں۔ نوجوان ٹاپتے ہوئے چلے
جاتے ہیں۔

ان کے جاتے ہی ایک سائیں صفت آدمی آتا ہے ہاتھ میں
اک تارہ ہے اسے بجاتا ہوا ہتی کی طرف جاتا ہے وہاں عورتیں
اسے پیسے دیتی ہیں۔ وہ سیف الملوک گاتا ہوا باہر چلا جاتا ہے۔ اب
چہر اس مارتا ہوا مراٹھوں کا جوڑا آتا ہے۔

نقلے نقلیں کرتے ہیں اور دلو وصول کرتے ہیں۔ آخری
نقل کے بعد وہ چہر اس مارتے ہوئے فیڈ آؤٹ ہوتے ہیں۔

اس ساری Festivity کے دوران رحمت علی بہت خوشی کے ساتھ پیسے لٹاتا اور
Enjoy کرتا نظر آتا ہے۔

(نقلوں کے بعد وہ دودھ کے گلاسوں سے بھرا ہواڑے لے

کر مہمانوں کی طرف آتا ہے۔ پہلے وہ دو بابوں کو دودھ دیتا ہے۔
جب وہ ٹرے لے کر آگے نکل جاتا ہے تو دو بچے باتیں کرتے
(ہیں۔)

لڑکا: ۱:

پرے ہو کر بیٹھ ہماری چارپائی ہے۔

لڑکا: ۲:

اس وقت تو چاچا رحمت علی کے گھر میں ہے نا؟

لڑکا: ۱:

بڑا چاچا رحمت علی لئے پھرتا ہے۔ جب سرکاری زمین نہیں تھی تو دو من دانوں

پر میری بہن کو پڑھایا کرتا تھا۔

لڑکا: ۲:

پڑھانا کوئی بری بات ہے؟

لڑکا: ۱:

پڑھانا تو بری بات نہیں پر میری بے بے کہتی ہے شادی پر اتنا خرچ کرنا بری

بات ہے۔

لڑکا: ۲:

جس کے پاس ہوا اس نے خرچ کیا جس کے پاس نہ ہوا اس نے کہہ دیا بری

بات ہے۔

لڑکا: ۱:

(منہ چڑا کر) ایں۔

لڑکا: ۲:

(دانت کٹکٹا کر) یں یں یں یں

لڑکا: ۱:

اے تھو!

لڑکا: ۲:

اے تھو تھو تھو۔

(کیمرہ ان کو چھوڑ کر یعنی چارپائی والوں کو چھوڑ کر آگے

موڑھے پر بیٹھے ہوئے تین رحمت علی کے ہم عمروں کے پاس آتا

ہے۔ رحمت علی انہیں دودھ کے گلاس پیش کرتا ہے۔۔۔۔۔)

رحمت:

بیوہ سرکار میری۔ خالص دودھ ہے گھر کا۔

بڑھا: ۱:

رحمت علی ویسے بیٹیوں کی شادی میں تم نے ریجھ اتار لی ساری۔

بڑھا: ۲:

جیز کتنا دیا ہے؟

رحمت:

جیز تو چوہدری جی میں نے کچھ خاص نہیں دیا۔ لیکن دل میں حسرت کوئی نہیں

ری۔ تین تین جوڑے تو ریشمی بنا دیئے ہیں پانچ پانچ بان دے دیئے ہیں

پرات سمیت اور دو دو بسترے اللہ نے قبول کیا تو بہت ہے۔ آپ بیوہ مل جی

مرزا جی۔

(رحمت علی اس ٹکڑی سے آگے نکل جاتا ہے تو تینوں

بڑھے نہایت ترش روئی سے کیڑے نکالتے ہیں۔۔۔۔۔)

بڑا چلتا پرزہ آدمی ہے۔ مل ملا کر کیا نہری زمین پر قبضہ کر لیا۔

بڑھا: ۱:

آتش بازی جلائی اس نے۔ رات گولے چھوڑے برات کے آنے پر۔

بڑھا: ۲:

بڑھا بھرا کرانے چلا تھا۔ وہ تو مولوی صاحب نے منع کرویا بد بخت کو کہ کہیں

بڑھا: ۳:

بیٹیوں کی شادی پر بھی بھرا ہوا ہے۔

پیسے اچھلتے پھرتے ہیں۔ کتے نہیں اس کی جیبوں میں۔

بڑھا: ۱:

میرے سے قرض لے رکھا تھا پانچ اوپر ساٹھ روپے اب اس کے یاد ہی نہیں۔

بڑھا: ۲:

اللہ اللہ عاقبت برباد کر لی رحمت علی نے۔ آخری وقت میں۔ مجھے تو ترس آتا

بڑھا: ۳:

ہے سچ۔

ہر تیسرے دن شہر، ہر دوسرے دن شہر۔۔۔۔۔ دھریکاں اور شہر ایک کر دیا ہے

بڑھا: ۳:

اس نے۔

سرکاری افسروں کے جوتے سیدھے کرو تو تم کو بھی کوئی زمین مل جائے نہری۔

بڑھا: ۱:

ہو بیٹے سے جان چھوٹے بڑے رحمت علی کی طرح حکم چلاؤ۔

مر گیا تو آدھے آدھے مہینے کی مفت میں مالک ہو جائیں گی اس کی بیٹیاں۔

بڑھا: ۲:

یہ ہوتی ہے دور اندیشی۔۔۔۔۔ اور کیا؟

بڑھا: ۳:

(اب رحمت علی ٹھنڈ کی طرف آتا ہے یہاں لاگی قسم کے

نوجوان بیٹھے ہیں۔)

چاچا ہتھ بھرائی دے سانبوں۔

جوان: ۱:

لو بھی لو۔۔۔۔۔ پر رواج یہی ہے کہ لاگیوں کا حق شادی کے بعد چکایا جاتا ہے۔

رحمت:

چاچا اتنی خوشی کی ہے ہماری بہنوں کی اب ہماری باری تو سنبوڑا نہ ہو جانوں۔

جوان: ۲:

لو بھائی لو۔

رحمت:

(ہر ایک کو پچاس پچاس کانوٹ دے کر آگے جاتا ہے۔ لاگی

حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔)

اتنی لاگ تو چوہدری سلطان نے بھی اپنے بیٹے کی شادی پر نہ دی تھی۔

جوان: ۱:

کوٹھادانوں سے نہیں نوٹوں سے بھرا ہے چاچے کا۔

جوان: ۲:

خدا قسم بیٹیوں کو تو کچھ بھی نہیں دیا۔ اوہرا اوہری پھوک دیا ہے سارا مال۔

جوان: ۳:

خوش رہے رونق میلا تو اچھا کر دیا گاؤں میں۔

جوان: ۱:

(اب ہم شہری یا بوؤں کے پاس رحمت کو لاتے ہیں۔ وہ
کریوں پر بیٹھے ہیں۔ پیچھے ایک دیہاتی پنکھا جھل رہا ہے۔)
رحمت: آپ سب کی مہربانی ہے گھر سے تشریف لائے ورنہ آج کل وقت کہاں ہوتا
ہے سکول کا کیا حال ہے۔
ماسٹرا: ٹھیک ہے سب۔
ماسٹر ۲: آپ کسی دن آئیں گھر۔۔۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بہت یاد کرتے ہیں آپ کو۔
(ہنر کے پیچھے سے ایک عورت آواز دیتی ہے۔ ”چاچا جی“)
رحمت علی معاف کرنا جناب کہہ کر اوھر جاتا ہے ماسٹر آپس میں
باتیں کرتے ہیں۔)
ماسٹرا: ساری عمر ماسٹر رحمت علی نے دینیات کے Lessons تیار کروائے لڑکوں
کو۔۔۔ اب یہ دینیات نکل رہی ہے اس کی۔
ماسٹر ۲: پانچ روپے ہیشن والا آدمی تو یہ سب کچھ نہیں کر سکتا نا۔۔۔ اوپر سے
دریشتی اندر سے گزرا کھود کر اس میں روپیہ جمع کرنا۔
ماسٹر ۳: جمع کرنے سے کیا ہوتا ہے یہ تو تماشا لگا ہے ماسٹر نیاز۔۔۔ زمینیں مل گئی ہیں
اسے۔۔۔ سرکاری افسروں کو جو زمین ملنی تھی اس نے الاٹ کرائی ہیں اپنے
نام۔
ماسٹرا: واہ سبحان اللہ رحمت علی۔۔۔ سبحان اللہ۔

کٹ

سین 3

ان ڈور

دن کا وقت

(ایک مختلف قسم کے دفتر میں عثمان صاحب۔ سامنے ان کی
بیوی بیٹھی ہے۔ دونوں کے بالوں میں گرے رنگ کے بال آچکے

ہیں۔ اور عمر کی باقی علامتیں بھی ظاہر ہونے لگی ہیں۔ بیوی پہلے
جیسی بھڑکیلی نہیں رہی لیکن اب بھی اس کا taste بہت
expensive نظر آتا ہے۔)

آپ میری تکلیف کو سمجھنے کی کوشش تو کریں۔

میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اس معاملے کو بند سمجھیں آپ پتہ نہیں
کیوں دفتر آگئی ہیں۔ خواہ مخواہ۔

(پرس سے رومال نکال کر آنسو پونچھتے ہوئے) ساری عمر آپ نے تو مجھے بیربل
کی بکری سمجھا کھلایا سونے کا نوالا اور دیکھا شیر کی آنکھ سے کبھی میری دل سے
عزت نہیں کی۔

دیکھئے شاہدہ کوئی آجائے گا تو کیا سمجھے گا؟

میں اپنی کٹنی کا آپریشن کرانے سوئٹر ریلینڈ جانا چاہتی ہوں اور آپ۔

میں کیا کہہ رہا ہوں اور آپ کیا فرما رہی ہیں۔

آپ کو کٹ بھی خریدنا نہیں پڑے گا میں نوابزادہ ارشاد احمد کے ساتھ چلی
جاؤں گی وہ مجھے both ways کا Passage دے رہے ہیں۔

کس خوشی میں۔۔۔۔ کیوں؟۔۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے آپ عمر کے اس دور

میں ہیں جب مرد آپ کا too way passage خرچ کر کے خوشی حاصل

کر سکتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں نوابزادہ کا اتنا گمراہ دوست ہوں کہ اسے

میری بیوی کی صحت پریشان کر رہی ہے آپ کا کیا خیال ہے کہ نوابزادہ ارشاد

احمد اتنے نیک طبیعت آدمی ہیں کہ اپنی دونوں ہاتھوں سے بیوی ہوئی دولت کو

وہ اس قسم کے گھمروں کی نذر کر سکتے ہیں؟ ہر رعایت کے ساتھ ایک باریک

ریشمی ڈوری بندھی ہوتی ہے جو مکڑی کے جالے کی طرح افسروں کو جال میں

پھنساتی ہے۔۔۔۔ کوئی مراعات بے قیمت نہیں چلتی۔ یہ ڈنر پارٹیز۔۔۔۔ یہ

عید ملن پارٹیز یہ عصرانے یہ دعوتیں۔۔۔۔ یہ چھوٹے چھوٹے موقعوں پر بڑے

بڑے تحفے یہ سب کیا ہیں۔ کب سمجھو گی تم۔۔۔۔ کس دن؟ کس گھڑی؟

تو میں یہاں آپریشن کرا لوں یہاں پاکستان میں؟

یہاں پاکستان میں؟ کیوں پاکستانی ڈاکٹروں کو کیا ہے۔۔۔۔ امریکہ سعودی عرب

انگلستان کس ملک میں کام نہیں کر رہے تمہارے پاکستانی ڈاکٹر۔ تم ان لوگوں

بیگم:

عثمان:

بیگم:

عثمان:

بیگم:

عثمان:

بیگم:

عثمان:

بیگم:

عثمان:

میں سے ہو جو لندن جا کر افریقی ڈاکٹروں سے تو علاج کرا لیتے ہیں لیکن یہاں رہ کر پاکستانی ڈاکٹروں سے نہیں۔ تم گڑکھا کر مرنا پسند کرو گی لیکن اس پر فارن مہر ضرور ہونی چاہئے۔

کتنی سخت باتیں کہتے ہیں آپ۔۔۔۔۔ کبھی آج تک آپ نے میرے دل کا خیال نہیں رکھا۔ کبھی ایک دن نہیں۔

ہم لوگ کس سے جا کر کہیں کہ ہمارے ہاتھ کس طرح لٹوٹ ہوئے بیویاں تم جیسی ملیں جنہیں رفیق کی جگہ رقیب بننا زیادہ پسند آیا دوست وہ ملے جنہوں نے اپنا Standard of living دکھا دکھا کر ہماری قدیں کھوکھلی کر دیں۔

کام کروانے والے وہ اس دفتر میں آئے جن کے پاس ایک کرتب دکھانے کے سو ڈھب تھے۔ کبھی نوٹ دکھا کر رہا لیا کبھی سفر کے ٹکٹ ہاتھ میں تھا کر منا لیا۔ بچے وہ پائے جنہیں ہم نے خود لاڈ پیار سے اس سطح پر لاکھا کیا کہ ان کی Demands ہماری جیبوں سے پوری ہونے کا امکان ہی نہ رہا۔۔۔۔۔ بچے کون

ہاتھ سے گنوائے؟ خوشامد لالچ۔۔۔۔۔ اور لالچ۔۔۔۔۔ کیا کیا خواریاں ہیں اس زندگی کی۔۔۔۔۔ کیا کیا پھندے؟ آدمی کس قدر سخت جان ہے کتنا سخت جان ایسی کھنکھریالی زمین میں بھی زندہ رہتا ہے۔

(اٹھتے ہوئے) پہلے آپ اچھے ہوا کرتے تھے کم از کم خود ترسی کا شکار کبھی نہ ہوئے تھے سیدھی بات کر دیتے تھے کہ بھی پیسے نہیں ہے اب تو آپ کے کچھ اور ہی Tactics ہو گئے ہیں۔ ذرا Pressure ڈالو۔۔۔۔۔ تو آپ کی تقریریں سن کر روٹنے کھڑے ہوتے ہیں۔ مجھے تو پہلے ہی پتہ ہے کہ آپ کب مائیں گے۔

میں تمہیں اعلیٰ سے اعلیٰ ہسپتال میں بہترین ڈاکٹر کے حوالے کر کے تمہارا آپریشن کراؤں گا۔ تمہیں فارن ڈاکٹر پر اصرار ہے تو وہ بھی Arrange کر سکتا ہوں۔

جانے دیجئے ایسی آپ کو میری پرواہ ہے۔۔۔۔۔ شکریہ (اٹھتے ہوئے)

(آہستہ) تم میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرو تو پتہ چلے کہ میں کس قدر ٹھیک کر رہا ہوں۔

(بیم غصے سے اٹھ کر چلی جاتی ہے۔ چپراسی آتا ہے یہ وہی

چپراسی ہے جو پچھلے سین میں تھا۔)

جناب ایک بزرگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔

آنے دو۔۔۔۔۔ آنے دو۔۔۔۔۔ دروازے کھول کے رکھو۔۔۔۔۔ مرے ہوئے شیر کو سب ماریں۔۔۔۔۔ سب۔۔۔۔۔ سب کو کچھ نہ کچھ چاہئے۔ کوئی یہاں بے مطلب نہیں آتا۔ کھول دو دروازے آنے دو۔۔۔۔۔

(آنکھوں پر بھینچی ہوئی مٹھیاں رکھ کر بے دم سا ہو کر کرسی کی پشت سے سر لگا لیتا ہے۔)

ماسٹر رحمت علی آ کر رکتا ہے اور ہلکا سا کھنکھار کر کہتا

(ہے۔)

السلام علیکم جناب والا۔

(چہرہ اٹھا کر دیکھتا ہے لیکن پہچان کے آثار نہیں ہیں۔۔۔۔۔) وعلیکم السلام فرمائیے؟

میرا نام رحمت علی ہے میں ریٹائرڈ ماسٹر ہوں حضور والا۔ نارمل سکول میں، میں بچے دی کے طالب علموں کو پڑھایا کرتا تھا۔

کیا چاہتے ہیں آپ۔

جناب والا میری تین لڑکیاں ہیں اور میں ایک ریٹائرڈ مدرس ہوں۔ میری پنشن بائیس روپے ماہوار ہے۔

(جب سے دس روپے نکال کر)

بس یہیں پر رک جائیے۔ یہ دس روپے لیجئے اور ٹھنڈے ٹھنڈے سدھاریئے۔۔۔۔۔ آپ اول تو مدرس ہیں۔ دوئم بزرگ ہیں۔ دن کے ایسے وقت میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتا جبکہ میرا ذہنی توازن ٹھیک نہیں شکریہ۔

(رحمت نوٹ لے کر میز پر رکھتا ہے۔)

آپ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں ایک گزارش کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔

یہ فائلیں دیکھتے ہیں آپ۔۔۔۔۔؟ یہ ساری فائلیں وہ بند الماریوں میں فائلیں یہ ساری گزارشات ہی ہیں۔

جناب نے ایک دفعہ مجھ پر برا کرم کیا تھا۔۔۔۔۔ مجھے دو مرتبے زمین دھریکل

چپراسی:
عثمان:

رحمت:
عثمان:

رحمت:
عثمان:

رحمت:
عثمان:

عثمان:

رحمت:
عثمان:

رحمت:

والے میں دی تھی جناب، پر اب میں چاہتا ہوں۔۔۔۔

اب وہ زمینوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے رحمت علی صاحب۔

عثمان:

رحمت:

آپ نے مجھے پہچانا نہیں حضور میں تو آپ کے پیچھے ساہیوال، لاپپور اور خانیوال تک گیا ہوں۔ جہاں جہاں آپ کی تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ میں پہنچتا رہا ہوں لیکن ملاقات کی اجازت نہیں دی اہلکاروں نے۔

عثمان:

میں نے تمہیں پہچان لیا ہے بڑھے۔ لیکن تم نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ آئندہ کبھی مجھے شکل نہ دکھانا میری نیکی کا صلہ یہ دیا ہے تم نے؟ میں نے Unauthorized decision لیا اور یہ اجر دیا تم نے مجھے اب کیا مانگنے آئے ہو۔

(رحمت علی جیب سے رجسٹری نکال کر میز پر رکھتا ہے۔)

جناب میری ایک آرزو ہے۔

رحمت:

میں آپ کی کوئی آرزو پوری نہیں کر سکتا سمجھے۔

عثمان:

حضور جس غرض سے میں نے آپ سے مرہلے لئے تھے وہ غرض پوری ہو چکی، اب میں آپ کو وہ دونوں مرہلے لوٹانے آیا ہوں۔

رحمت:

یہ ہیں اس کے کاغذات، مجھے اب اس زمین کی ضرورت نہیں ہے۔

کیا کہہ رہے ہیں آپ۔

عثمان:

میری تینوں بیٹیوں کی شادی ہو گئی ہے عثمان صاحب جس روز میری تیسری بیٹی وداع ہوئی میں نے آپ کے کھیتوں میں مل نہیں جوتا۔ آپ کو تلاش کرتا رہا ہوں۔

رحمت:

لیکن زمین تو آپ کے نام ہو گئی ہے۔ اب آپ کیا احمق پن کر رہے ہیں۔

عثمان:

میں نے آپ کو اپنی ضرورت بتادی تھی جناب والا۔ میں چاہتا تھا عزت کے ساتھ میری بیٹیاں رخصت ہو جائیں۔ وہ کام ہو گیا اب میری پنشن مجھے کافی ہے۔ ایک میرا کوٹھا ہے۔ ایک بھینس اور بائیس روپے پنشن۔

رحمت:

لیکن میں اس رجسٹری کو کیا کروں رحمت علی۔۔۔۔ یہ تو۔۔۔۔ میں تو اب اس

عثمان:

پوسٹ پر بھی فائز نہیں ہوں۔ آپ یہ زیادتی نہ کریں۔

رحمت:

جو مرضی کریں حضور میں تو اسے گھر نہیں رکھ سکتا۔ (جیب سے سو روپے کا

نوٹ نکال کر) اور شاید جناب کو یاد نہیں کہ۔۔۔۔ کہ یہ سو روپے بھی حضور نے

مجھے دیئے تھے۔ اس وقت میں نے انہیں اس لئے لے لیا تھا جناب کہ میں سائل کی حیثیت میں آیا تھا۔ جو کچھ بھی آپ دیتے میں سر آنکھوں پر اٹھا کر لے جاتا۔ یہ آپ کی امانت کو واپس کر رہا ہوں۔ برانہ ماننا جناب خدا جانتا ہے میرا رواں رواں آپ کو دعا دیتا ہے بڑا بوجھ اتارا آپ نے میرے سینے سے۔۔۔۔ سلام علیکم۔

(رحمت علی جاتا ہے عثمان گم سم کھڑا ہے فون کی ٹھنٹی بجتی

ہے فون رکھتا ہے کیمرو رجسٹری پر آتا ہے۔)

کٹ

یہ تیرے پُر اسرار بندے

(یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ نمر کے پہلو میں سایہ دار سڑک پر کپتان سرفراز، کپتان عظمت اور کپتان حق نواز چلے جا رہے ہیں کیمرہ ان کی پشت پر ہے جس طرح فوجی لوگوں کی عادت ہے کہ اکٹھے چل رہے ہوں تو غیر شعوری طور پر ان کے قدم Rythem سے پڑنے لگتے ہیں اس وقت بھی گودہ تیز نہیں چل رہے ان کے قدم ایک ساتھ پڑ رہے ہیں کیپٹن حق نواز کے کندھے سے قہر موس لٹک رہی ہے کپتان سرفراز کے پاس دور بین ہے اور کیپٹن عظمت کی کمر کے ساتھ پستول ہے۔ قریباً تیس سیکنڈ تک تینوں چلے جا رہے ہیں عقب میں ”مجاہد چلا“ کی دھن بجتی ہے۔

کردار:

پھر یہ تینوں یونیورسٹی کے اس بل کے پاس جو نمر کو پار کر کے یونیورسٹی کی طرف جاتا ہے پہنچتے ہیں اس وقت بل پر صوبے دار صاحبزادہ کھڑا ہے اور بل پر ٹیک لگائے ان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ لیکن اس کی نظر میں Recognition نہیں ہے۔ صاحبزادہ کا فقط ایک کٹ دکھاتے ہیں۔ تاکہ یہ بات واضح ہو کہ وہ موقع پر موجود ہے۔ لیکن وضاحت نہیں کرتے۔ تاکہ ملی تھیلے سے نکل نہ جائے تینوں کپتان بل سے کچھ ہٹ کر رک جاتے ہیں کیمرہ قریب آتا ہے۔ تینوں کے چروں پر عجب Relaxed قسم کی خوشی ہے وہ بات کرتے ہیں تو اس میں flaw finding irritation نہیں ہوتی۔ حق نواز قہر موس کھول کر اسے اوپر لگے ہوئے تین کمز میں کافی انڈیلتا ہے لیکن کافی ڈالنے سے پہلے وہ پیالے میں پھونک مار کر گرد اڑاتا ہے پھر رومال سے اسے پونچھ کر کافی ڈالتا ہے۔ تینوں آرام سے طریقے سے یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ سب کو حق نواز کافی دیتا ہے اپنا پیالہ رومال میں پکڑ کر پیتا ہے۔

سرفراز: Some Coffee

عظمت: ضرور۔

سرفراز: Exercises کا خاص تعلق ہے کافی سے۔

عظمت: کیا مطلب؟

سرفراز: They are hither sweet both of them.

حق نواز: یار سرفراز یورپ بھی گئے اور پلاسٹک سرجری بھی نہ کروائی چرے کی۔

سرفراز: پلاسٹک سرجری۔۔۔۔۔؟ What for

حق نواز:

for better looks, what else.

سرفراز: دی آئنا میں اس کا علاج کروانے لگا تھا ڈاکٹر موڈر سے معاملہ طے بھی ہو گیا

گال پر ایک لمبا کنکھجورے کا سازخم کائنات دراز قد۔

بالکل فٹ، خوش شکل۔

چھوٹا ند موٹھیں گھنی ہوئی وجود نظر آتا ہے۔ چلتا ہے۔

تو ٹانگ میں نقص کی وجہ سے پاؤں دبا کر چلتا ہے۔

دبلا پتلا قدرے نسوانی طور طریق کا مالک۔

پرانی وضع کا صوبیدار نہایت بہادر جی دار۔

خوبصورت عورت۔

نور جان کا شوہر

◆ کپتان سرفراز

◆ کپتان عظمت

◆ کپتان حق نواز

◆ صوبیدار صاحبزادہ

◆ نور جان

◆ خاوند

◆ تھانیدار

◆ سپاہی

◆ سپاہی

تھا۔ Then something happed

عظمت: کیا؟

(مغربی لہجے کا پی کر کے)

سرفراز: آپریشن سے دو دن پہلے میرے لینڈ لارڈ کی نواسی مجھے ملنے آئی وہ بیٹھ میری گود میں بیٹھ کر مجھ سے ایک ہی سوال کیا کرتی تھی۔ کیپٹن تمہارے ساتھ کیوں جنگ کی تھی بھارت نے۔ میں اس سوال کا کئی بار جواب دے چکا تھا سوشیو پولیٹیکل، اکونومک Religious Cultural کسی جواب سے اس کی تسلی نہیں ہوتی تھی۔

حق نواز: ذہن لڑکی تھی غالباً۔

سرفراز: بچے عموماً جواب سن تو لیتے ہیں لیکن دل سے مانتے نہیں بس اس روز وہ کہنے لگی کیپٹن مجھے پتہ چل گیا بھارت تم سے کیوں لڑتا ہے؟ میں نے پوچھا کیا وجہ ہے رو تھ؟ تو وہ بولی پہلے تم مجھے وہ اوپیرا دکھاؤ جو ملا مجھے دکھانے نہیں لے جاتی۔ میں نے کہا بھائی ابھی تو میں ہسپتال جانے والا ہوں واپسی پر انشاء اللہ ضرور دکھاؤں گا۔

Do you know what she said when she came to know.

کہنے لگی تم یہ Scar اتار دو گے کیپٹن۔۔۔۔۔ یہ تمہارے یہ Pride ہے تمہاری جنگ کا اتار دو گے میرے Grand father نے تو ساری عمر بیساکھی کا سارا لیا لیکن جنگ کی نذر کی ہوئی ٹانگ نہیں لگوائی۔

I was thoroughly ashmed.

حق نواز: اور وجہ کیا بتائی تھی اس نے جنگ کی۔

سرفراز: پکا سامنہ بنا کر کہنے لگی بھارت کے لوگ دراصل man-eaters ہیں وہ سب کو کھا جانا چاہتے ہیں۔

عظمت: Guite right

سرفراز: میں نے اس سے کہا تھا کہ رو تھ لیکن وہ تو گوشت خور نہیں ہیں تو بولی۔۔۔۔۔ پھر انہیں Manure چاہئے ہوگی۔ Human Manure کھیتی باڑی ہوتی ہے تا مشرقی ملکوں میں زیادہ۔

حق نواز: ظلم کی کھیتی لہمائی ہے Man manure سے۔

عظمت: تمہیں صوبیدار صاحب داد یاد ہے حق نواز۔

Who can forget that kinglike soldier.

حق نواز: ایک دفعہ مجھے کہنے لگا صاحب ظلم کو ختم کرنے کے دو طریقے ہیں یا تو آدمی اتنا ظلم برداشت کرے کہ باقی نہ رہے اور ظالم کو خدا کے انصاف پر چھوڑ دے۔ یا ظالم کا ایسا گلا دبائے کہ وہ مظلوم بن کر فریاد کرنے لگے۔ بہادر آدمی کا طریقہ دوسرا ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ عورتوں کے لئے ہے۔

(دور بین سے دور دیکھتے ہوئے)

سرفراز:

I can never forget his face Bullets.

نے اس کا سارا چہرہ Smash کر دیا تھا۔

حق نواز: یار اگر صوبیدار صاحب داد شہید ہو گیا تھا تو اس کی خبر ضرور ملتی ہمیں خدا جانے کہاں گیا۔ دشمن کے ہتھے چڑھ گیا۔۔۔۔۔ unclaimed لاشوں میں دب گیا۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔

عظمت: کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔

سرفراز: کبھی کبھی مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مر چکا ہے لیکن لوگ اسے اس طرح یاد کرتے ہیں جیسے وہ کسی دوسرے شہر چلا گیا ہو۔

حق نواز:

You know how I am allergic to Hospital Smell.

لیکن میں صوبیدار صاحب داد کو ملنے گیا ہسپتال میں۔

سرفراز: I remember him وہ سترچ پر لیٹا ہوا تھا۔

Like a smashed toy Horrible Horrible

عظمت:

But he didnt wince.

حق نواز: ranks نے ایسا افسر پیدا نہیں کیا۔

Most dependable man.

عظمت: ranks تو فوج کا سینہ ہوتی ہیں۔ سارا بوجھ گولیوں کا انہی پر پڑتا ہے۔

حق نواز: میں ہسپتال میں گیا تو

He was still under anesthesia.

بارہ ستمبر کا دن تھا۔ مجھے خوب یاد ہے فرنٹ پر گرد گرم تھی آسمان تپا ہوا تھا اور نہر کے پانی سے ہوا میں گرمی کے پھیلے پھیلے بادبان سے اٹھتے تھے۔

I went to see Sahibdad All his face was covered I went near him.

فلش بیک

سین 2

ان ڈور

دن

ایک make shift قسم کا ہسپتال۔ صاحبداو کا چہرہ کچھ اس طرح پٹیوں میں بندھا ہے۔ کہ شکل پہچانی نہیں جاتی۔ حق نواز کی داڑھی بڑھی ہے اور وہ جلدی میں ہے۔ وہ نرس سمیت پاس آتا ہے رومال سے اپنا چہرہ پونچھتا ہے۔

حق نواز: Buck up صاحبداو۔ خدا نے چاہا تو فتح ہماری ہوگی پھر یہ سارا مشکل وقت بھول جائے گا۔

صاحبداو: پہلے کس کافر کو یاد ہے سر؟

حق نواز: آپ نے پاکستان پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ پاکستان کی ساری قوم آپ کی خدمات کو یاد رکھے گی۔

صاحبداو: اگر ہم مر گیا صاحب تو بھی ہم نے قوم کو اپنی یاد سے آزاد کیا اگر ہم زندہ رہا تو بھی ہم اپنے لوگوں پر یاد کا بوجھ نہیں ڈالے گا۔ پاکستان ہمارا ملک ہے ہم ایک دفعہ چھوڑ سو دفعہ اس کے لئے لڑے گا۔ اور احسان نہیں کرے گا کسی پر۔ ماں کی جان بچا کر آدمی اپنے پر احسان کرتا ہے۔ سرماں پر احسان نہیں کرتا۔

حق نواز: (بازو پر pat کر کے) تمہارا جذبہ قاتل رشک ہے۔

صاحب: سر۔ ادھر چھ تاریخ کو حملہ کیا ہے اپنی جی نے۔ اور ادھر ہم مماندری میں تھا پانچ تاریخ کو شادی بنایا تھا ہمارا نور جان بولی صاحبداو خدا کے لئے دو چار دن کی چھٹی لے لو ہم نے جواب دیا نور جان تمہارے سر کی قسم اگر ہم رک سکتا تو رک

جاتا پر ہم تو ابھی زندہ ہے۔ جو مر گیا ہوتا تو بھی قبر سے نکل کر محاذ پر چلا جاتا تم ہمارا جان لو ہمارا ایمان نہ مانگو۔

(حق نواز دونوں پاؤں جوڑ کر صاحبداو کو سلیوٹ کرتا ہے پھر

حق نواز اپنے بازو سے اپنی گھڑی اتار کر صاحبداو کو دیتا ہے۔)

صاحبداو تمہارے Valour کے سامنے ایک منٹ خاموشی سے سر جھکا کر کھڑا رہنا چاہئے۔ لیکن وقت کم ہے۔ I must return یہ گھڑی۔۔۔۔۔ اگر تم قبول کرو ایک چھوٹا سا انعام۔ ایک معمولی سا۔

کس لئے صاحب؟ کس لئے گھڑی۔

تمہارے صاحب کا معمولی سا تحفہ۔ اس وقت کی یادگار۔ اس جنگ کی یادگار۔۔۔۔۔ اس لمحے کی یادگار۔

اور اگر مجھے یہ پہننے کی مہلت نہ ملی سر؟ (گھڑی لیتا ہے)

یہی بات میں بھی کہہ سکتا ہوں۔

میں نرس کو وصیت کر کے مروں گا سر۔ اگر میں، میں مر گیا تو یہ گھڑی وہ آپ کو واپس کر دے گی۔ گھڑی کو ایک زندہ آدمی کے ہاتھ پر ہونا چاہئے صاحب نبض اور گھڑی کی ٹنگ ٹنگ ساتھ ساتھ چلتی چاہئے۔ (حق نواز ہاتھ ملاتا ہے)

ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ یہ گھڑی ہم دونوں میں سے اس کے پاس رہے گی جو زندہ ہوگا۔ Right؟

(کیمرہ حق نواز کے چہرے پر آتا ہے۔ یہاں سے ہم فیڈ

آؤٹ کر کے سین نمبر میں واپس جاتے ہیں تینوں کیپٹن بیٹھے ہیں۔

کیمرہ پہلے حق نواز کی چہرے پر جاتا ہے پھر عظمت اور سرفراز کو بھی

انکلوڈ کرتا ہے۔)

حق نواز: وہ گھڑی مجھے Passing out parade پر ڈیڈی نے دی تھی میرے تن پر اس وقت اس سے پیاری چیز اور کوئی نہ تھی۔

(دور بین سے فضاء میں دیکھ کر)

ایسا ہی دن تھا۔ بالکل اسی طرح مجھے لگتا تھا جیسے یہ جنگ نہیں تھی بلکہ میں ایک سرسبز پر آیا تھا۔ عجیب سادہ تھا خواب میں تیز بخار چڑھنے کی کیفیت مجھ پر طاری تھی آسمان اور زمین کے درمیان یا تو گرد تھی سب کچھ بے اصل تھا بے

حق نواز:

صاحبداو:

حق نواز:

صاحبداو:

حق نواز:

صاحبداو:

حق نواز:

حق نواز:

سرفراز:

حقیقت تھا۔

Have you ever felt like this Azmat?

never ---- میں جب سویا ہوتا ہوں اس وقت بھی alert رہتا ہوں مجھے

احساس رہتا ہے کہ میں سو رہا ہوں اور اس وقت مجھے یہی کرنا چاہئے۔

my nerves need rest.

ایک بار پہلے، جنگ سے پہلے بھی مجھے ایسی ہی Elthelial feelings ہوتی

تھیں آج میری شادی ہوئی اور دوسرے دن میری mother فوت ہو گئی۔

سارا دن عجیب سی feelings رہا۔ ایسے لگتا تھا کہ میں موجود نہیں ہوں۔ بیوی

کی شکل دیکھتا تھا تو خوشی نہیں ہوتی تھی۔ مری ہوئی ماں کا چہرہ دیکھتا تھا تو ----

تو غم نہیں ہوتا تھا۔

Something on the edge of life and death on the edge of love and

hate. Something on the point danger and peace.

تمہیں صاحبداو کہاں ملا؟

حق نواز:

بی آر بی نہر کے کنارے۔ ایک خاموشی کا وقفہ تھا اس وقت فائرنگ بند تھی پر

سرفراز:

ہم سب سانس روکے نئے دھماکے کا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے یاد ہے میری ٹریج

سے ایک کیکر کا درخت نظر آ رہا تھا اس پر ایک گھری کبھی چڑھتی تھی کبھی اترتی

تھی۔

تم ڈیٹیلز پر بہت نظر رکھتے ہو سرفراز۔

عظمت:

(اپنی ہی دھن میں) اس گھری کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ ہم انسان۔ ہم اشرف

سرفراز:

المخلوقات اپنی نیندیں تو حرام کرتے ہیں ان جانوروں کا سونا جاگنا کھانا پینا ہم

مفت میں برباد کر دیتے ہیں۔ یار حق نواز ان جانوروں کی ہمارے متعلق بڑی

Confused رائے ہوگی۔

حیرانی کی بات ہے کہ میں نے صاحبداو کو جس حالت میں ہسپتال میں چھوڑا وہ

حق نواز:

صرف چند گھنٹوں کا مہمان تھا اور دوسرے دن وہ تمہیں ملا۔

Quite impossible

میں سروے کرنے تھوڑی دیر کے لئے باہر نکلا تھا ہر لمحہ یوں گزر رہا تھا جیسے

سرفراز:

کوئی گردن پر آہستہ آہستہ آگے تلوار کھسکا رہا ہو۔

Then I saw Sahibdad. وہ اپنی پیٹوں سے لدا ہوا تھا۔ لیکن اس کا
حوصلہ اس شیر کی طرح تھا جس نے زندگی بھر کوئی زخم نہ کھایا ہو۔

کٹ

سین 3

آوٹ ڈور

شام

(سرفراز کیکر کے درخت تلے کھڑا درخت کے اوپر کی طرف

دیکھ رہا ہے۔ صاحبداو پیچھے کی طرف سے آکر سرفراز کے کندھے

پر ہاتھ رکھتا ہے۔)

صاحبداو: سر خطرہ بہت ہے۔ آپ ٹریج سے باہر نہ نکلیں۔

سرفراز: میں ---- (دور بین سے دیکھ کر) میں Survey کرنے نکلا تھا۔ صاحبداو۔

صاحبداو: دشمن اصلی دو قسم کا ہوتا ہے، یا چھپ کر حملہ کرنے والا سر یا سینہ پھیلا کر کھلے

میدان میں لڑنے والا ---- لیکن یہ تیسرا قسم ہے سر۔ حملہ کرنے والے کا۔

سرفراز: تیسری قسم کونسی؟

صاحبداو: پیٹھ میں چھرا مارنے والا۔ ہم اس کو پرانا جانتا ہے۔

سرفراز: دس منٹ سے فائرنگ بند ہے۔

صاحبداو: مجھ کو O.P کا فکر ہے۔ سر آپ آرڈر دیں تو ہم نہر کے پار جا کر دیکھیں۔

سرفراز: messages آرہے ہیں صاحب داو o.p بالکل خیریت سے ہے۔

صاحبداو: زندگی میں ہم کو پہلی بار افسوس ہوا کہ ہم ملٹری میں کیوں ہے؟

سرفراز: تم جنگ لڑنا نہیں چاہتے۔

صاحبداو: ہم لڑنا چاہتے ہیں سر پر کسی سے آرڈر نہیں لیتا چاہتا۔

ہمارا جی چاہتا ہے سیدھا دشمن کی فوجوں میں گھس جائے اور تمہیں نہس کر دے

اس بد بخت کو۔

محبت اور جنگ یعنی محبت اور نفرت دونوں شدت کے جذبے ہیں۔ ان میں عظمت:

عظمت:

ہزاروں بار۔

سرفراز:

میں ٹرنج میں بیٹھ کر اپنے اللہ سے باتیں کرنے لگتا۔ اس سے کتنا میرے رب تو دیکھتا نہیں۔۔۔۔۔ یہ اپنے آپ کو اہنسا کا پجاری کتا ہے اور مجھ پر ظلم کرتا ہے یہ غاصب ہے۔ تو اس کا محاسبہ کیوں نہیں کرتا۔ لیکن میرا رب چپ چپ رہتا۔

حق نواز:

در اصل سرفراز ساری غلطی انسان کی ہے۔ وہ اپنی Values اپنا اور اک اپنی سمجھ، اپنی نیکی اپنا انصاف، سچ، سمجھ بوجھ سب کچھ جب مجسم کر لیتا ہے تو اپنے خدا کی تشکیل کر لیتا ہے اگر خدا کا انصاف انسان کو سمجھ آنے لگے اگر انسانی سمجھ خدا کے کاموں کو محیط۔۔۔۔۔ I mean encircle کر لے تو پھر۔۔۔۔۔ تو وہ خدا نہ ہوا ان man made idol ہو گیا۔

سرفراز:

میں جنگ کے بعد دو چار دن اپنے خدا سے جھگڑتا رہا۔ میں اس سے کتا کہ جب تو جانتا ہے کہ ہم راستے پر ہیں۔ جب تو جانتا ہے کہ زیادتی ہماری جانب سے نہیں ہے تو پھر تو ہمارے دشمن کو ملیا میٹ کیوں نہیں کرتا۔ میں پوچھتا رہتا میں دشمن پر شکوک کرتا رہتا۔ اور میرا رب خاموشی سے مسکرائے جاتا۔

حق نواز:

But his ways are not our ways.

سرفراز:

Exactly! اس نے بھی وی کچھ کیا جو میں چاہتا تھا۔ لیکن اس کا طریق مختلف ہے۔ اس نے مجھے جھنجھوڑا اور سمجھایا اور دشمن کو ملیا میٹ کر کے میری ناموس کو سلامت رکھا۔

عظمت:

خدا اس ماں کی طرح ہے جو سزا دیتے وقت بھی انصاف ہی کئے جاتی ہے۔ بچے بچے کو اس لئے مارتی ہے کہ وہ اپنے بچ پر کہیں نازاں نہ ہو جائے۔ اور جھوٹے بچے کو اس لئے کہ اس کا تصور قابل گرفت تھا۔

سرفراز:

جب میں آٹھویں جماعت میں تھا تو میرے بچانے مجھے ایک Pen دیا تھا اور دیتے وقت کہا تھا بیٹا یہ Independent ذرا منگتا ہے۔ اس کا دھیان رکھنا کبھی سائیکل پر چڑھ کر اسے پیٹ کی جیب میں ڈالے نہ پھرنا۔

حق نواز:

Very interesting.

سرفراز:

پھر میرے بی۔ اے میں پڑھنے والے بڑے بھائی نے یہ Pen مجھ سے یہ کہہ کر چھین لیا کہ جب میں بی۔ اے میں پہنچوں تو وہ یہ Pen مجھے باقی بن بھائیوں سے مشورہ کر کے واپس کر دیں گے۔

عظمت:

یاراتنی Interesting شرائط۔ ونڈرفل۔

سرفراز:

میں ٹرنج میں بیٹھا اپنے رب سے کتا اگر تیری رضا ہوتی تو بین میرے پاس رہتا۔ جب اسلحہ ختم ہونے کو آتا اور بمباری والے جہازوں کی گونج کانوں میں آنے لگتی تو میں اپنے خدا سے کتا تو چاہتا تو آج یہ جنگ نہ ہوتی۔ کشمیر ہمارے پاس ہوتا۔۔۔۔۔ پھر تو نے کیوں نہ چاہا۔۔۔۔۔ کیوں کیوں کیوں؟

عظمت:

صاحبداو بھی اسی طرح کا آدمی تھا۔ مجسم سوال؟ مجسم انصاف کا طالب۔۔۔۔۔ مجسم حق کا پرستار۔

حق:

صاحبداو جیسے لوگ بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ ranks کا آدمی ہو کر وہ بڑے بڑے افسروں کو پیچھے بٹھاتا تھا۔

عظمت:

مجھے یاد ہے دوسری ستمبر کا دن تھا میں میں ڈنر تھا ڈنر کے بعد ہی Billiard کھیلنے چلا گیا۔

فلش بیک

سین 5

ان ڈور

شام

(میں کا ایک کمرہ۔ درمیان کا ایک بلیئرڈ میز پڑا ہے عظمت

شک سے بل کو مارتا ہے۔ اس کے ارد گرد دو چار افراد ان کی

بیویاں گھیرا کئے ہوئے کھڑی ہیں۔۔۔۔۔ صوبے دار آتا ہے۔۔۔۔۔)

(سیلوٹ مار کر) جناب کچھ ضروری کاغذات دکھانے تھے آپ کو۔

صوبیدار:

(دونوں رش چھوڑ کر ایک کھڑکی کے پاس چلے آتے ہیں۔)

عظمت:

I hope nothing is wrong in barraeks.

صوبیدار:

یہ کچھ خط آپ کا آڈرلی کمرے میں لے جا رہا تھا سر میں نے اس سے لے لئے۔

عظمت:

آپ نے یہ کام کیوں کیا صوبیدار صاحب۔

صوبے: مجھے آپ سے دیے بھی کچھ کہنا تھا سر۔

عظمت: فرمائیے۔

صوبے: رات سر میں نے خواب دیکھا کہ بڑا گھپ اندھیرا ہے پھر جیسے اندھیرے میں

سے ایک مورچہ نکل آیا ایک پورا فرنٹ اور۔۔۔۔۔ سر پھر اس مورچے پر ایک

بڑا سا Blast ہوا۔۔۔۔۔ دھوئیں کی چھتری تن گئی سارے فرنٹ پر۔ پھر ایک لمبا

سا شعلہ نکلا۔

عظمت: صوبیدار صاحبداو خواب سننے سنانے والے Civilians میں بہت ہوتے ہیں

ملٹری کا آدمی خوابوں سے جنگ نہیں کرتا۔

صوبے: پھر۔۔۔۔۔ بھی سر اگر آپ میرا خواب سن لیں تو۔۔۔۔۔ فجر کی نماز کے بعد ہم

سجدے میں سو گیا یہ خواب اس وقت ہی آیا تھا ہم کو۔۔۔۔۔

عظمت: اچھا بتائیے۔

صوبے: Blast کی روشنی میں ہم نے دیکھا آپ بھی کھڑا ہے کیپٹن سرفراز بھی ہے۔

کیپٹن حق نواز صاحب بھی ہے۔۔۔۔۔ شعلہ ختم ہوا سر۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ صرف ہم

کھڑا تھا۔ بیساکھی لئے۔۔۔۔۔ نہ آپ تھا۔۔۔۔۔ نہ کیپٹن حق نواز نہ کیپٹن

سرفراز۔

عظمت: خوابوں میں لوگ عموماً غائب ہو جایا کرتے ہیں صوبیدار صاحب۔

صوبے: آپ کوئی صدقہ دیں سر۔۔۔۔۔ ہم کو وہم آتا ہے۔

عظمت: (صاحبداو کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر محبت کے ساتھ) صدقہ بھی دے دیں

گے۔۔۔۔۔ But۔۔۔۔۔ دیکھو صوبیدار بات یہ ہے کہ سپاہی کا سینہ نہیں ہوتا سارا

دل ہوتا ہے تم کو یا ہم کو خوف آیا تو یوں سمجھو کہ خوف نہ صرف ہم کو کھا

جائے گا بلکہ سارے جوانوں کو چاٹ جائے گا۔ اچھا سپاہی وہی ہے صوبیدار

صاحب جو صرف خدا سے ڈرتا ہے۔۔۔۔۔ صرف خدا سے۔۔۔۔۔ دشمن سے

نہیں۔۔۔۔۔

صوبے: (سیلوٹ کر کے) Yes Sir۔۔۔۔۔ ہم بھول گیا تھا۔ اپنا محبت کی وجہ سے۔۔۔۔۔

تھوڑی دیر کے لئے۔ آپ کو خدا الہی عمر دے سر۔۔۔۔۔

سین 6

ان ڈور

دوپہر

(دیسائی پولیس چوکی کا منظر۔ اے ایس آئی صاحب کرسی میز

لگائے ضمنی لکھ رہے ہیں۔ پاس بیچ پر ایک سپاہی آلات ضرب

(کھاناڑی) کو کپڑے میں لپیٹ چکنے کے بعد اس پر لاکھ کی لہریں لگا رہا

ہے۔ ایک اور باوردی سپاہی صوبیدار صاحب داد کو ساتھ لے کر

آتا ہے۔ اور تھانیدار صاحب کو سیلوٹ کرتا ہے۔ تھانیدار صاحب

کافذات سے سر نہیں اٹھاتے۔)

جناب عالی اس فرد مشکوک کو میں نے پکی پکی پر مشتبہ حالت میں پایا ہے۔

سپاہی:

ہوں۔

تھانیدار:

میری تفتیش پر اس نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

سپاہی:

کیوں میاں جواب کیوں نہیں دیا تم نے۔

دوسرا سپاہی:

(خاموش ہے)

صوبیدار:

سنا نہیں سنتری نے کیا پوچھا ہے۔

تھانیدار:

تھانیدار صاحب آپ کے سپاہی کو غلطی ہوئی ہے میں مشتبہ آدمی نہیں ہوں۔

صوبیدار:

تو پھر تم نے بتایا کیوں نہیں کہ تم کون ہو؟

سپاہی:

میں نے تم سے بولا تھا کہ مجھے چوکی لے چلو میں تھانیدار صاحب سے مل کر

صوبیدار:

بات کروں گا۔

لے آیا ہوں چوکی اب کرو بات۔

سپاہی:

کس گاؤں کے رہنے والے ہو۔

سپاہی ۲:

ضلع جلم کا۔

صوبیدار:

ادھر کیا کر رہے ہو۔

تھانیدار:

(خاموش ہے)

صوبیدار:

سپای: اس کو میں تین چار روز سے ادھر موضع ڈالیاں میں دیکھ رہا ہوں۔ وقوع کے روز بھی یہ پتیل کے نیچے بیٹھا تھا۔

تھانیدار: میاں کس کے پاس رہتے ہو۔

صوبیدار: کسی کے پاس بھی نہیں۔

تھانیدار: اس موضع میں کوئی تمہارا واقف ہے۔

صوبیدار: جی نہیں۔

تھانیدار: تو پھر میاں رہتے کس کے پاس ہو؟

صوبیدار: کسی کے پاس بھی نہیں۔

تھانیدار: جب نمبردار طالع چند کے ڈنگر چوری ہوئے تو تم کہاں تھے۔

صوبیدار: ہم کو کسی نمبردار کے ڈنگروں کا پتہ نہیں۔

تھانیدار: ---- اس کا نام پتہ پوچھ کر اسے شامل تفتیش کرو نیاز علی۔

سپای: بہت اچھا جناب عالی۔ ---- آؤ بھی۔

صوبیدار: میں پرائیویٹ میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

تھانیدار: کرو بات یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔

صوبیدار: نہیں Sir۔ میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔

تھانیدار: اچھا نیاز علی۔ ---- غلام محمد تم دونوں چلو ادھر۔

(دونوں سپای بادل خواستہ چلے جاتے ہیں۔)

تھانیدار: ہاں جی فرماؤ۔

صوبیدار: (جیب سے Identity کارڈ نکال کر دیتے ہوئے) یہ میرا شناختی کارڈ ہے۔

تھانیدار: (صوبیدار صاحبداؤ۔ منہ اوپر اٹھا کر حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

تشریف رکھو صوبیدار صاحب۔

صوبیدار: (نیچے بیٹھتے ہوئے) شکریہ صاحب۔

تھانیدار: آپ آرمی سے ریلیز لے چکے ہیں۔

صوبیدار: وہ تو ظاہری ہے سر۔

تھانیدار: لیکن آپ ادھر کیا کر رہے ہیں اس گاؤں میں؟

صوبیدار: ادھر ہمارا یونٹ exercise پر آیا ہوا ہے اس کو دیکھنے آیا تھا۔

تھانیدار: اگر آپ اپنے یونٹ کو دیکھنے آئے تھے صوبیدار صاحب تو آپ کو

exercise area میں ہونا چاہئے تھا گاؤں میں نہیں۔

صوبیدار: ایک ریلیز سپای کس طرح exercise area میں جاسکتا ہے تھانیدار صاحب؟

وہ تو بڑا خوش قسمت ہے صاحب اگر دور سے ہی اپنے یونٹ کو exercise کرتے دیکھ لے۔

تھانیدار: آپ اپنے پرانے ساتھیوں سے نہیں ملے؟

صوبیدار: جی نہیں۔

تھانیدار: کیوں؟

صوبیدار: میرا کوئی حق نہیں بنتا تھانیدار صاحب۔

تھانیدار: میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

صوبیدار: ایک ریلیز بھڑا سپای خوبصورت صحت مند سوہنے جوانوں میں جا کر ان کا مورال ڈاؤن نہیں کر سکتا صاحب۔

سپای کو اپنے یونٹ سے بڑا پیار ہوتا ہے۔ جس طرح سولین کو اپنے گھربار سے ہوتا ہے۔

تھانیدار: بے شک۔

صوبیدار: کوئی سپای اپنے یونٹ کا مورال ڈاؤن نہیں دیکھ سکتا۔ میں اگر جا کر گرائیوں سے ملوں گا تو وہ میری کنڈیشن دیکھ کر ضرور رنج ہوں گے اس لئے میں ان کو اپنی شکل نہیں دکھاتا۔

تھانیدار: پھر آپ کیا کرتے ہیں؟

صوبیدار: میں دور سے ان کو exercise کرتے دیکھتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں۔ کبھی درختوں کی اوٹ سے، کبھی ہل پر کھڑے ہو کر کبھی نیلے پر پڑھ کر exercise میں جوان کی جان ہوتی ہے۔

تھانیدار: صوبیدار صاحب آپ کی ٹانگ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ضائع ہوئی تھی؟

صوبیدار: جی صاحب۔۔۔۔۔ جنگ کی آخری رات۔۔۔۔۔ دشمن نے فائر بندی کے وقت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہمارے مورچوں پر زبردست حملہ کیا۔

مجھے یاد ہے۔

تھانیدار: ہم کو اس کی فطرت مالم تھی۔ ہمارے جوان بے جگری کے ساتھ لڑے۔ بہت نقصان ہوا لیکن ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ میں اپنی ٹرینج سے بہت آگے نکل

گیا۔ میرے ساتھ تین اور جوان تھے بڑے جی دار اعلیٰ درجے کے ناشنچی۔ ہم نہر کے اس پار کی سڑک کراس کر گئے پھر ایک بلاسٹ ہوا اور ہمیں کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہوا ہے۔

تھانیدار: اس رات بڑی شدید گولہ باری ہوئی تھی۔

صوبیدار: میرے تینوں ساتھ مٹی کے تودے تلے دفن ہو گئے اور میں دشمن کی قید میں آ گیا۔ مجھے قید سے بڑی نفرت ہے تھانیدار صاحب، لیکن میں مجبور تھا۔ میری ٹانگ کٹ چکی تھی اور جنگی قیدیوں کا کیپ وطن سے بہت دور تھا۔

تھانیدار: آپ نے اپنے گھر والوں کو ریڈیو پر کوئی میسج دیا ہوگا۔

صوبیدار: نہیں صاحب میں اپنے گھر والوں کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ میں جنگی قیدی بن گیا ہوں اس لئے میں نے کوئی میسج نہیں دیا۔

تھانیدار: پھر انہوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔

صوبیدار: جی صاحب انہوں نے یہی سمجھا اور مجھے شہید declare کر دیا گیا۔ میرا سلمان اور کپڑے میرے گھر پہنچا دیئے گئے اور میری ماں نے گاؤں میں میرا ختم بھی دلا دیا۔

تھانیدار: پھر جب آپ اپنی والدہ سے ملے ہوں گے تو اسے کس قدر خوشی ہوئی ہوگی۔

صوبیدار: نہیں صاحب میں اپنی والدہ سے نہیں مل سکا میرا ختم دلانے کے پورے ایک مہینے بعد خدا کو پیاری ہو گئی اور مجھے جنگی کیپ سے فرار ہونے اور بارڈر کراس کرنے میں پورا ڈیڑھ سال لگ گیا۔

مجھے جنگی قیدی بننے سے سخت نفرت ہے تھانیدار صاحب میں زیادہ دیر کیپ میں نہیں رہ سکتا تھا۔ ایک اندھیری رات کو میں پہرے داروں کی نظر بچا کر کیپ سے فرار ہوا اور صبح ہونے تک اس علاقے سے بارہ میل دور نکل گیا۔

تھانیدار: (کئی ٹانگ کی طرف اشارہ کر کے) اس حالت میں۔

صوبیدار: جی صاحب۔۔۔۔ اگر کہیں میری دونوں ٹانگیں سلامت ہو تیں تو میں بہت جلد پاکستان پہنچ چکا ہوتا۔

تھانیدار: لیکن ڈیڑھ سال کی مدت بہت ہوتی ہے صوبیدار صاحب۔

صوبیدار: ضرور ہوتی ہے صاحب لیکن دشمن کا ملک ہو۔ فاصلے لمبے ہوں جنگی قیدی مفرور ہو اور قدم قدم پر پہرے ہوں تو ڈیڑھ سال کوئی خاص مدت بھی نہیں

ہوتی۔۔۔۔۔ جس رات میں نے دریا پار کر کے اپنے وطن کی زمین پر اپنا اکیلا پیر رکھا تو میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔۔۔۔۔ میں کبھی نہیں رویا تھا تھانیدار صاحب۔ ساری زندگی نہیں رویا لیکن اس رات پتہ نہیں کیوں روتے روتے میرا سارا منہ آنسوؤں سے تر ہوا گیا۔

تھانیدار: وہ خوشی کے آنسو تھے صوبیدار صاحب۔

صوبیدار: پتہ نہیں سر۔ خوشی کے تھے یا خوف کے دکھ کے تھے یا جھکن کے لیکن تھے آنسو۔

تھانیدار: پھر آپ سیدھے چھاؤنی گئے یا اپنے گاؤں۔

صوبیدار: میں اپنے گاؤں گیا تھانیدار صاحب۔ میرے پٹے اتنے لمبے اور میری داڑھی اتنی گھنی تھی کہ کوئی مجھے پہچان ہی نہ سکا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اچھا ہی ہوا جو کوئی مجھے پہچان نہ سکا۔۔۔۔۔ یہ پہچان بھی کبھی کبھی بڑا دکھ دیتی ہے۔۔۔۔۔ بڑا دکھ دیتی ہے۔۔۔۔۔ بہت بڑا دکھ دیتی ہے۔

فلش بیک

سین 7

ان ڈور

صبح کا وقت

(مہمانداری گاؤں کا سین۔۔۔۔۔ جہلم کے بے آب و گیاہ ضلع)

کا ایک گاؤں۔ صوبیدار صاحب داؤ زلفیں اور داڑھی بڑھائے بیساکھی کے سارے گاؤں میں داخل ہوتا ہے۔ دو چار جھوپڑے اور کچے گھر گزرنے کے بعد ایک کچے گھر کی جانب بڑھتا ہے۔ اس کے باہر چھپر تلے ایک عورت اور ایک مرد دکھائی دیتے ہیں۔ مرد چارپائی پر بیٹھا کھانا کھا رہا ہے عورت کی پٹکیا جھل رہی ہے۔ چھپر کے ایک بانس کے ساتھ بکری بندھی ہے۔ صوبیدار اس کو دیکھ کر

تم نے کیسے اندازہ لگایا۔
 کیونکہ ایک بچے سپاہی کی طرح اس کے دل میں محبت کا ایک لہجہ چوڑا دریا
 موجزن تھا۔ وہ میرے پاس بھی آیا تھا اور مجھے بھی اپنا خواب سنایا تھا اس نے۔
 Quite strange ---- اس کے خواب کے تیسرے دن جنگ شروع ہو گئی۔
 Its quite late--- get up boys آج تو سارا دن صاحبدا کو یاد
 کرنے میں صرف ہو گیا۔
 Time well spent.
 Meet you tomorrow.
 Best of combat for all of us.

یہ کہہ کر تینوں اٹھتے ہیں۔ ایک پل کی طرف جاتا ہے دوسرا
 سیدھا نکل جاتا ہے اور تیسرا دوسری جانب چلا جاتا ہے۔
 عظمت

سرفراز
 حق نواز
 (کیمرو کچھ فاصلے سے ان کو دیکھتا ہے چند قدم کے بعد
 سرفراز غائب ہو جاتا ہے۔ پھر حق نواز۔۔۔۔ اور بعد میں عظمت
 سکرین پر نہیں رہتا۔۔۔۔)

سین 9

ان ڈور

دوہرہ

(چوکی پولیس کا وہی پرانا سین۔۔۔۔ صوبیدار صاحبدا اسی
 طرح بچ پر بیٹھا ہے اور تھانیاں اسی اشتیاق کے ساتھ اس کی باتیں
 سن رہا ہے۔)

تھانیدار: لیکن صوبیدار صاحب۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے آپ کو گاؤں پہنچ کر اپنا آپ بتا دینا
 جائے تھا۔

ٹھمکتا ہے اس کے چہرے کے کٹ دکھاتے ہیں۔ پھر عورت اور
 مرد کے کٹ دکھاتے ہیں۔ مرد کھانا کھا کر گلاس سے ہاتھ دھوتا ہے
 اور اپنے بھیکے ہوئے ہاتھوں کے چھیننے نور جان کے چہرے پر مارتا
 ہے۔ وہ ہنستی ہے اور اور اسنی سے اپنا چہرہ پوچھتی ہے۔ پھر وہ دونوں
 جدا ہوتے ہیں۔ مرد کھیت کی طرف اور عورت خاموش چھپر تلے
 اس کی راہ دیکھ رہی ہے اس دوران میں صاحبدا کے کٹ دکھائے
 جاتے ہیں۔)

کٹ

سین 8

پہلا سیٹ دہرایا گیا

(کیمرو واپس تینوں کہتاؤں پر آتا ہے اور عظمت کے چہرے
 پر آتا ہے۔)

عظمت: صاحبدا was a great soldier
 سرفراز: اچھی exercise پر آئے ہیں ہم لوگ سارا وقت ایک صاحبدا کی باتوں پر
 صرف کر دیا۔

حق: یاد رکھنا عظمت کل میری بیٹالین تمہاری پوزیشن کی اچھی طرح licking کرے
 گی۔

عظمت: تم فکر مت کرو۔ ہمارے جوان بھی تمہاری سب Moves سمجھتے ہیں۔
 سرفراز: جنگ کے بعد جتنی exercises ہوئی ہیں۔ وہ ہم تینوں نے attend کی ہیں اور

ہر بار نیا لطف پایا ہے میں نے? What about you
 یوں ہوتا ہے ہر بار جیسے جنگ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے مجھے یوں لگتا ہے جیسے
 لوگ ابھی جنگ کو بھولے نہیں۔

سرفراز: Talking of Sahib-Dad again تم ٹھیک کہتے ہو عظمت
 He was a great soldier

صوبیدار: نہیں سر ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہوتے جو کسی پر احسان جتا کر محبت کی بھیک مانگا کرتے ہیں۔ ہم تو بس کرنا جانتے ہیں جتنا نہیں جانتے۔

تھانیدار: لیکن صوبیدار صاحب آپ کی بیوی اور پھر آپ کی۔۔۔۔

صوبیدار: نور جان نے پورا ایک سال میرا انتظار کیا۔ میرا سوگ منایا۔ پھر اس کے والد نے

اس کی شادی کردی۔۔۔۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ بہت

خوش تھی۔ اس کا چہرہ پہلے سے صحت مند تھا اور اس کی آواز پہلے سے

خوبصورت ہو گئی تھی۔۔۔۔ میں نے دل میں کہا ٹھیک ہے گرائس نور جان کو

خوش رہنے دو اور اپنے آپ کو اس علاقے سے دور لے جاؤ۔

آپ کی جگہ میں ہوتا صوبیدار صاحب تو۔۔۔۔

صوبیدار: میری جگہ کوئی بھی ہوتا تھانیدار صاحب تو وہی کرتا جو آپ نے سوچا ہے پر

میری سوچ میری اپنی ہے آپ اس کو الٹی ہتھکڑی لگا کر اپنی سوچ میں تو نہیں

بدل سکتے۔

تھانیدار: بڑی عجیب بات کی آپ نے صاحب۔

صوبیدار: دراصل ہم ہوتے ہی عجیب لوگ ہیں۔ بارود سے کھیلتے ہیں اور اوس چاٹ کر

اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ ہم کہیں رہیں کہیں چلے جائیں ہمارا دل بیرک میں رہتا

ہے اور ہمارا وجود گرائسوں کے درمیان گھومتا رہتا ہے۔ ہم تو خیر جاندار ہیں

تھانیدار صاحب ہمارے ساتھ بے جان چیزیں بھی ہماری طرح کی ہو جاتی ہیں۔

کیا مطلب؟

صوبیدار: یہ گھڑی مجھے میرے صاحب کپتان حق نواز نے ہسپتال میں دی تھی۔ اور کہا تھا

صوبیدار آپ جس طرح سے بی این آر پر لڑا ہے یہ اس کا ایک چھوٹا سا انعام

ہے۔۔۔۔ یہ گھڑی صاحب کو اس کے والد نے پانگ آؤٹ پریئر پر انعام میں

دی تھی۔۔۔۔ اب میرا دل اور یہ گھڑی ایک ساتھ چلتے ہیں۔ لیکن ہر سال

چودہ ستمبر شام کے سوا پانچ بجے یہ گھڑی خود بخود بند ہو جاتی ہے۔ نہ سوئیاں

آگے چلتی ہیں نہ اس کی ڈسٹ بدلتی ہے۔ پانچ سال سے اس کی یہی حالت

ہے۔

یعنی۔۔۔۔

تھانیدار: چودہ ستمبر شام کے سوا پانچ بجے کپتان حق نواز صاحب بارہ مولے پر شہید ہوا

تھا۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔ شاید۔۔۔۔

تھانیدار:

صوبیدار:

شاید واید کی کوئی بات نہیں تھانیدار صاحب۔۔۔۔ صاحب کے شہید ہونے کے

دوسرے دن کپتان عظمت صاحب شہید ہوئے اور بیس ستمبر کی رات کو کپتان

سرفراز صاحب۔۔۔۔ لیکن تھانیدار صاحب سپاہی زندہ رہے یا اس دنیا سے چلا

جائے اس کا دل بیرک میں اور اس کا وجود یونٹ میں رہتا ہے میرے تینوں

صاحب اس دنیا میں موجود نہیں۔۔۔۔ (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) لیکن مجھے یقین ہے

کہ جہاں بھی ایکسر سائز ہوتا ہے۔ میری طرح میرے صاحب بھی اس کے ساتھ

ساتھ جاتے ہیں۔ میں انہیں دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن میرا دل کہتا ہے جب جوان

ایکسر سائز کرتے ہیں تو صاحب بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں گو میری طرح سے

جوان بھی انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

(یہ کہہ کر صوبیدار صاحب داد علیک سلیک کئے بغیر اپنی

بیساکھیاں لے کر وہاں سے چل دیتا ہے۔ اور تھانیدار کھڑا ہو کر

اسے جاتے ہوئے دیر تک اور دور تک دیکھتا رہتا ہے۔)

میوزک

(اے شہیدان وطن تم پر سلام)

فیڈ آؤٹ



زواہیہ

جناب اشفاق احمد ملک کے جانے پہچانے افسانہ نویس، ناول نگار، ڈرامہ نگار، صدا کار اور دانشور ہیں۔ اُن کی تخلیقات تمام ترقی محاسن کے ساتھ ساتھ فکر و دانش سے آراستہ ہوتی ہیں اور وہ قارئین کے ذہن کو سوچ کی نئی راہوں سے متعارف کرتی ہیں۔ اُن کے فکری رویوں پر صوفیانہ تصورات کی گہری چھاپ ہے اور یہ نہ صرف اُن کی تحریروں میں بلکہ اُن کے ریڈیائی اور ٹی وی پروگراموں اور ڈراموں میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اُن کے ایسے مقبول عام ٹی وی پروگراموں میں ایک ”زواہیہ“ بھی ہے، جس میں وہ ذاتی تجربات، مشاہدات اور اہل تصوف کے واقعات و فرمودات کو اپنے مخصوص انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اب اسی پروگرام کی کچھ گفتگوؤں کو پہلی بار کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔